مفتی اعظم سہارنپور و دیوبند، صاحب فتاویٰ محمودیہ
حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے ملفوظات، فتاویٰ اور بیانات کی روشنی میں

کیا تبلیغ نبیوں والا کام ہے
موجودہ تبلیغ کا شرعی ثبوت
کیا تبلیغ میں نکلنا فرض ہے
عورتوں کی تبلیغ
تبلیغی محنت کے فوائد
کیا تبلیغ ہر شخص کے ذمہ واجب ہے
جہاد فی سبیل اللہ
قرض لیکر تبلیغ میں جانا
تبلیغی جماعت [illegible]
کچھ اعتراضات [illegible] کے جوابات

تقاریظ

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم
صدر وفاق المدارس | مہتمم [illegible]

استاذ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف افشانی صاحب دامت برکاتہم

تالیف
حضرت مولانا مفتی صابر محمود صاحب
فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی
[illegible] کراچی

تبلیغی جماعت

نام: تبلیغی جماعت

تالیف: حضرت مولانا مفتی صابر محمود صاحب دامت برکاتہم

باہتمام: فیصل رشید، عباس علی

ادارۃ الرشید کراچی
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی
Tel: 021-34928643 Cell: 0321-2045610
E-mail: Idaraturrasheed@gmail.com
Idaraturrasheed@yahoo.com

ملنے کے پتے
قدیمی کتب خانہ کراچی
مکتبہ عمر فاروق کراچی
ادارۃ النور کراچی
دارالاشاعت کراچی
بیت الاشاعت کراچی
دارالاخلاص پشاور
مکتبہ رحمانیہ لاہور
مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

بسم الله الرحمن الرحيم
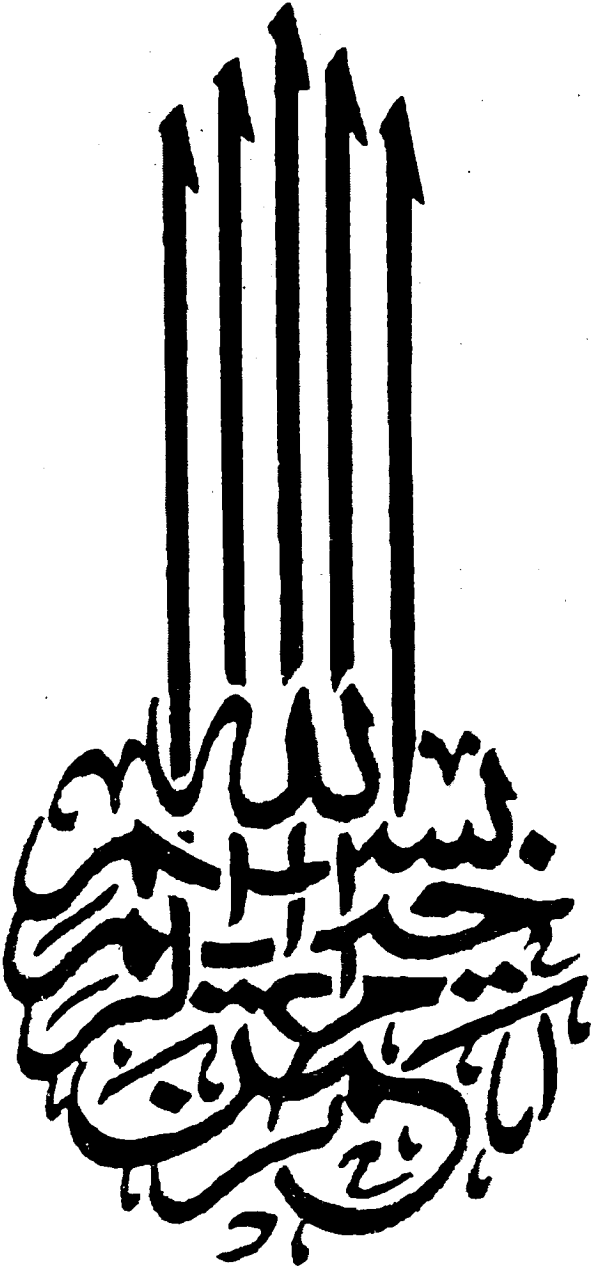
بسم الله الرحمن الرحيم
اللهم
صل على محمد وعلى آل محمد
كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
انك حميد مجيد
اللهم
بارك على محمد وعلى آل محمد
كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
انك حميد مجيد

فہرست مضامین

صفحہ نمبر

فہرست مضامین

صفحہ نمبر

فہرست مضامین

صفحہ نمبر

فہرست مضامین	صفحہ نمبر

فہرست مضامین

صفحہ نمبر

فہرست مضامین

صفحہ نمبر

فہرست مضامین | صفحہ نمبر

انتساب

اپنی اس سعئ ناچیز کو

رئیس المبلغین حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب کاندھلوی قدس سرہ

کے نام منسوب کرتا ہوں جنہوں نے با قاعدہ تبلیغی جماعت کا سلسلہ قائم فرما کر ملک و

بیرونِ ملک اجتماعات کی بنیاد ڈالی اور جسکی وجہ سے دعوت الی اللہ کی نقل وحرکت تیز ہوئی۔

استاد محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان زید مجدہ

جلیل القدر اساتذہ کرام محبوب والدین اور مشفق بھائیوں

کے نام کرتا ہوں جن کی شب و روز محنت، دعاؤں اور تعاون سے بندہ کو علوم الالٰہیہ اور

دین متین کی محنت سے وابستگی نصیب ہوئی۔

ربنا تقبل منا انک أنت السمیع العلیم و تب علینا انک أنت التوّاب الرحیم ، اللّٰھم اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب۔آمین ثم آمین۔

پیش لفظ

حامداً ومصلیاً، امابعد!

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ۲۰۱۰ء میں تبلیغی جماعت کے ساتھ سال لگانے کی سعادت نصیب ہوئی، دورانِ سال تبلیغی کام، طریقہ کار پر چند اعتراضات واشکالات سننے میں آئے کہ یہ تبلیغی عمل شریعت کے خلاف ہے، سنت کے خلاف ہے، تکمیلِ سال کے بعد علمی وتحقیقی انداز میں ان اشکالات واعتراضات کے جوابات تحریر کرنے کے عزم کے ساتھ احقر ان اشکالات واعتراضات کو جمع کرتا رہا، آج اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کی ایک شکل سامنے آرہی ہے۔

احقر نے یہ مناسب سمجھا کہ اپنی جانب سے جواب دینے کے بجائے اس سے قبل انہی اعتراضات واشکالات کے جو جوابات اکابرین نے تحریر فرمائے، ان کو سامنے رکھتے ہوئے جوابات مرتب کیے جائیں۔ ابتداءً تو احقر نے تمام اکابرین کے فتاویٰ جات کو جمع کیا (ان شاء اللہ عنقریب اس پر بھی کام مکمل ہوکر منظر عام پر آئے گا، جس میں تمام اکابرین کے فتاوٰی کی روشنی میں تبلیغی نقل وحرکت پر ہونے والے اشکالات واعتراضات اور مستورات کے کام کے حوالہ سے شکوک وشبہات کو علمی وتحقیقی انداز میں رفع کرنے کی سعی کی گئی ہے اور تبلیغی کام کرنے والے ساتھیوں کی بے اعتدالیوں کی نشان دہی کرتے ہوئے اس کی اصلاح کی کوشش کی گئی ہے۔) جو تبلیغی نقل وحرکت پر کیے جانے والے اعتراضات کے جواب کی شکل میں تھے۔

استادِ محترم جناب مولانا مفتی محمد یوسف افشانی صاحب دامت برکاتہم کی خدمت

میں حاضری کے بعد حضرت کی رائے پر حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ کے فتاویٰ کو مستقل تخریج و تحقیق کے ساتھ اور اس مبارک نقل وحرکت کے سلسلے میں حضرت مفتی صاحب کے بیانات اور اکابرین کے جو ارشادات موجود تھے، ان کو سامنے لانے کا کام شروع کیا۔

وجہ اس کی یہ تھی کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تعالی نے بڑی جامعیت اور مقبولیت عطا فرمائی تھی، آپ دیوبند اور سہارن پور میں ایک مدت تک مفتی رہے، اس دوران آپ کے پاس جماعت تبلیغ سے متعلق جو سوالات آئے ان کے محققانہ، مدبرانہ اور عادلانہ جوابات دیے، تبلیغ جماعت کی پوری حمایت بھی کی، شکوک وشبہات دور کیے، کام کی ضرورت، اہمیت وافادیت بتائی، ساتھ ہی کام کرنے والوں میں سے کسی نے بے اعتدالی کی تو اس کی اصلاح بھی فرمائی اور صحیح طریقہ بتایا۔

بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر بھی فرمایا تھا، اس لیے اس کام سے پوری طرح واقفیت تھی، تبلیغی اجتماعات میں بھی شرکت فرماتے، بیان فرماتے (ان بیانات میں سے چند کو احقر نے کتاب کے آخر میں ذکر بھی کیا ہے) اور اس کام کے کرنے کی ترغیب دیتے اور اس کی فضیلت بتاتے، مبشرات بھی سناتے، مجالس میں بھی زبانی سوالات کیے جاتے تو اس کے بھی جوابات دیتے، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالی ہمارے طبقہ علماء میں ایک مسلّم شخصیت تھے، اس لیے حضرت کی بات مستند سمجھی جاتی ہے۔

برادر کبیر محترم مفتی ابوالخیر عارف محمود صاحب کا نہایت ہی ممنون ومشکور ہوں کہ حضرت نے نہ صرف مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ کے فتاویٰ اور ملفوظات سے متعلق مسودہ عنایت فرمایا، بلکہ اس کام کی ابتدا سے تکمیل تک اشراف وبھرپور رہنمائی فرمائی اور کتاب پر مفصل مقدمہ تحریر فرمایا، مختصر یہ کہ آپ کا اشراف اور رہنمائی نہ ہوتی تو شاید یہ کام پایہ تکمیل تک نہ پہنچتا۔

نیز! حضرت مولانا مفتی محمد راشد ڈسکوی صاحب (فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ،

ورفیق شعبہ تصنیف وتالیف واستاذ جامعہ فاروقیہ کراچی) سے از اول تا آخر مشاورت رہی، ان کے علاوہ استاذ جامعہ طیبیہ اسلامیہ کراچی جناب مولانا مفتی محمد ابوبکر صاحب (فاضل جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا) نے کمپوزنگ اور دیگر امور میں خوب تعاون فرمایا۔

بندہ ان سب حضرات کا شکر گذار ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالی ان سب حضرات کے علم وعمل میں برکتیں عطا فرمائے اور سعادت دارین نصیب فرمائے۔

اور احقر کی اس حقیر سی کاوش کو اپنی بارگاہ عالیہ میں شرف قبولیت سے نوازے اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے لیے نافع اور ذریعہ نجات بنائے۔ آمین

صابر محمود

فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی

نائب ناظم تعلیمات جامعہ صدیقیہ نزد گلشن معمار کراچی

۱۵/۱۱/۳۳ھ، 2012/09/13م

تقریظ

شیخ الحدیث، محدث کبیر، استاذ العلماء، یادگار اسلاف حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ۔

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذى اصطفى، وبعد!

مولانا صابر محمود زیدت معالیہ نے تبلیغی جماعت کے متعلق اعتراضات واشکالات، اس کے فوائد ومنافع، تبلیغی جماعت کے طریقہ کار کے لیے اسوہ پیغمبری (علی صاحبہ الصلوۃ والسلام) کے ثبوت، خواتین کی جماعت کے متعلق اشکال کا جواب، حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی کی روشنی میں تحریر کیا ہے اور ممکنہ حد تک بحث کو انتہا تک پہنچانے کی کوشش کی ہے، اللہ تبارک وتعالی ان کی اس کوشش کو حسن قبول سے نوازیں، خلق کو اس سے مستفید فرمائیں اور مولانا صابر محمود کے لیے صدقہ جاریہ بنائیں، آمین ثم آمین۔

مولانا نے ساتھ ہی مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات کا بھی کتاب کے شروع میں تفصیل سے ذکر کیا ہے، تا کہ جو واقف ہیں وہ تو جانتے ہی ہیں، جو واقف نہیں ان کو بھی معلوم ہو جائے، اس سے مفتی صاحب کے فتاوی کی اہمیت اور عظمت اجاگر ہوگی اور ان پر اعتماد میں اضافہ ہوگا۔

سلیم اللہ خان

جامعہ فاروقیہ کراچی

۷ رجب ۱۴۳۳ھ ۲۹ مئی ۲۰۱۲ء

عکس تحریر

شیخ الحدیث، محدث کبیر، استاذ العلماء، یادگار اسلاف حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ وبعد

مولانا صاحبزادہ محمود زبیر صاحب نے تبلیغی جماعت کے متعلق اعتراضات و اشکالات، اس کے فوائد و منافع، تبلیغی جماعت کے طریقہ کار کے اسوۂ پیغمبری (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے ثبوت، خرافات کی جماعت سے متعلق اشکال کا جواب حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی کی روشنی میں تحریر کیا ہے اور ممکنہ حد تک بحث کو انتہاء تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تبارک وتعالی ان کی اس کوشش کو حسن قبول سے نوازیں، خلق کو اس سے مستفید فرمائیں اور مولانا صاحبزادہ محمود زبیر صاحب کے لئے صدقۂ جاریہ بنائیں۔ آمین ثم آمین۔

مولانا نے ساتھ ہی مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات کا بھی کتاب کے شروع میں تفصیل سے ذکر کیا ہے جو واقف ہیں وہ تو جانتے ہی ہیں جو واقف نہیں ان کو بھی معلوم ہو جائے اس سے مفتی صاحب کی اہمیت اور عظمت واضح ہو گی اور اس سے اعتماد میں اضافہ ہو گا۔

عفی عنہ

سلیم اللہ خان
جامعہ فاروقیہ کراچی
۷ رجب / ۲۹ مئی
۱۴۳۲ھ / [illegible]

تقریظ

یادگار اسلاف استاذ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف افشانی صاحب دامت برکاتہم

رئیس دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

الحمد لله و كفى وسلام على عباده الذين اصطفى، أما بعد!

امت مسلمہ کی ابتدا ہی ''دعوت و تبلیغ'' سے ہوئی ہے، چناں چہ جناب نبی کریم ﷺ کو جب نبی آخر الزماں بنا کر بھیجا گیا، تو سب سے پہلے آپ نے صفا پہاڑی پر اہل مکہ کو جمع کر کے اس کا آغاز فرمایا اور اس کے بعد مسلسل یہ کام کرتے رہے۔

آپ ﷺ کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد ان کے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان کے بعد تابعین رحمہم اللہ نے بھی اس کام کو بحسن وخوبی انجام دیا، اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہا، یہاں تک کہ پچھلی صدی ہجری میں حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''دعوت و تبلیغ'' کے عنوان سے ایک خاص نہج پر اس کام کو شروع کیا، جس کی برکت سے آج دنیا کے کونے کونے اور چپے چپے پر دعوت و تبلیغ کی آواز گردش کر رہی ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مفتی مظاہر العلوم و دار العلوم دیوبند) کو بھی اس کام سے خوب لگاؤ اور تعلق تھا، یہاں تک کہ ایک مرتبہ کسی کے یہ کہنے پر ''تبلیغ والوں نے دار العلوم کے مفتی اعظم کو اپنا ہم نوا بنا لیا''، حضرت نے فرمایا: ''واقعہ یہ نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں تبلیغی پہلے ہوں، مفتی بعد میں اور دار العلوم کو مفتی کی ضرورت تھی تو تبلیغ والوں سے مفتی مانگا، انہوں نے یہ ضرورت پوری فرمائی''۔ (فتاوی محمودیہ، مقدمہ:

۲/۱۶۱، جامعہ فاروقیہ کراچی) اسی بنا پر حضرت مفتی صاحب نوّر اللہ مرقدہ نے تبلیغ کے بارے خاص طور سے سوالات کا مدلل اور مضبوط جواب تحریر فرمایا ہے۔

برادر محترم مولانا صابر محمود صاحب نے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغ جماعت کے ساتھ وابستگی، حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں ان کے بعض اسفار اور تبلیغ کے متعلق ان کے فتاویٰ کو کتابی شکل میں جمع کیا ہے اور فتاوی کی تخریج بھی کی ہے اور اس کے ساتھ ہی حضرت مفتی صاحب کے تبلیغ سے متعلق بعض اہم بیانات بھی شامل کیے ہیں، موصوف کی یہ کاوش تمام مسلمانوں کے لیے بالعموم اور اہل تبلیغ کے لیے بالخصوص مفید ہے۔

اللہ تعالی مولانا کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائیں اور امت کے لیے اس کو نافع بنائیں۔ (آمین)

(حضرت مولانا) **محمد یوسف افشانی** (صاحب دامت برکاتہم العالیہ)

(استاذ الحدیث ورئیس دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی)

محمد یوسف افشانی

۱۲/۷/۱۴۳۳ھ

مقدمہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، أمابعد!

اسلام ایک عالمگیر اور آفاقی مذہب ہے، یہ اللہ تبارک وتعالی کا بواسطہ خاتم النبیین، سید المرسلین حضرت محمد ﷺ مخلوق کے نام ایک ابدی صلاح وفلاح پر مشتمل پیغام ودعوت ہے، امت مسلمہ جو آخری نبی کی آخری امت ہے، جو اس مبارک پیغام الٰہی کی حامل ہے۔

اس امت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ اس دنیا میں ایک خاص اور مبارک پیغام ودعوت لے کر آئی ہے، لوگوں کو اس کی طرف بلانا اور تمام اطراف عالم میں اس کی دعوت کو پھیلانا یہ امت کے افراد کی زندگی کا تنہا فریضہ ہے۔

امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام کا یہ مبارک فریضہ قران کریم اور احادیث صحیحہ کے نصوص اور نبی اکرم ﷺ کی سیرت مقدسہ سے بالکل واضح طور پر ثابت ہے، چناں چہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالی ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾. (آل عمران)

”(اے مسلمانو!) تم بہترین امت ہو، جو لوگوں (کی نفع رسانی) کے لیے نکالی گئی، تم اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو۔“

اس آیت کریمہ میں صاف اور کھلے لفظوں میں یہ بتلایا گیا ہے کہ مسلم امت کا وجود ہی اس لیے ہوا ہے کہ وہ امم عالم کی نفع رسانی کا فریضہ سرانجام دے، خیر کی طرف بلائے، معروف کی ترویج کرے اور منکرات سے روکے۔ اس سے بڑھ کر ایک دوسری آیت میں اللہ رب العزت نے اس کام کے لیے ایک مستقل جماعت کا ہونا ضروری قرار دیا، قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾. (آل عمران)

''اور چاہیے کہ تم میں ایک جماعت ایسی ہو جو لوگوں کو نیکی کی طرف دعوت دیتی رہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتی رہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔''

اس سے مزید ایک قدم اور آگے بڑھ کر امت مسلمہ فریضہ دعوت میں نبی اکرم ﷺ کی جانشین اور نائب ہے، اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں جہاں حضور اکرم ﷺ کا فریضہ منصبی بیان فرمایا وہاں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہ کام حضور اقدس کا ہے اور نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ وہ اپنی امت کو یہ بتلا دیں کہ یہ کام متبعین کا بھی ہے، اللہ رب العزت کا ارشاد مبارک ہے:

﴿قُلْ هَـٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي﴾.

''اے نبی! آپ فرما دیجیے کہ یہ میرا راستہ ہے میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں، بصیرت کے ساتھ، یہ میرا اور میری اتباع کرنے والوں کا بھی کام ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو کا نبوت کے تین بڑے فرائض عطا کیے: (۱) تلاوت آیات (۲) تزکیہ (۳) تعلیم کتاب وحکمت۔ امت مسلمہ اپنے نبی کی جانشینی میں ان تینوں کاموں میں شریک ہے، یہ تینوں فرائض امت مسلمہ پر فرض کفایہ ہیں، حضور اکرم ﷺ کے مبارک دور اور خیر القرون میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور اس کے بعد اسلاف نے ہر زمانے میں ان امور کی انجام دہی کی بھرپور سعی فرمائی، خود حضور اکرم ﷺ نے لوگوں کو کتاب اللہ کی آیات پڑھ کر سنائیں، اس کے احکام بیان کیے، ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دی اور اپنی مبارک صحبت اور پرتاثیر تدبیر سے ان کے باطن ونفوس کا تزکیہ بھی فرمایا۔

خیر القرون سے دوری کے زمانہ میں رفتہ رفتہ ان فرائض نبوت کی ادائیگی میں کوتاہی شروع ہوئی، ظاہری علوم اور تزکیہ باطن دو الگ الگ راہیں قرار دی گئیں، نتیجہ یہ نکلا کہ علم والے دنیا کے طالب ہوئے اور تصوف وتزکیہ کے مدعی علوم شریعت سے بے بہرہ ہو گئے۔

لیکن بمقتضائے سنت الٰہی ہر زمانے میں ایسی شخصیات پیدا ہوتی رہیں جن میں نور نبوت

کے تعلیم وتربیت والے رنگ نمایاں طور سے یکجا تھے، ان جلیل القدر اور عظیم المرتبت شخصیات کی ایک طویل فہرست ہے، ان نفوس قدسیہ کے تذکرہ کے لیے سینکڑوں کیا ہزاروں دفتر ناکافی ہیں، قریب کے زمانہ میں مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تاریخ دعوت وعزیمت'' تحریر فرما کر اس سلسلۃ الذہب کی بعض کڑیوں کے روشن کرداروں کو امت مسلمہ کے سامنے پیش فرمایا ہے۔

حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے مبارک عمل دعوت کے چند بنیادی اصول یہ ہیں:

۱۔ تمام انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی دعوت کا بنیادی اصول خلق خدا پر شفقت اور خیر خواہی کا جذبہ ہے، بندگان خدا کی تباہ شدہ حالت سے وہ غمگین اور متفکر ہو جاتے، ان کی خیر خواہی کے نتیجہ میں ان کا دل چاہتا تھا کہ کسی طرح ان کی امت سدھر جائے، راہ راست پر آجائے۔ قرآن مجید نے اس کو کہیں ﴿أَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ﴾ کہیں ﴿وَنَصَحْتُ لَكُمْ﴾ اور کہیں پر ﴿وَأَنْصَحُ لَكُمْ﴾ کہہ کر بیان کیا ہے۔

۲۔ تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی دعوت میں یہ بات مشترکہ طور سے پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے کام اور دعوت کے عمل پر کسی سے کوئی اجرت ومزدوری طلب نہیں کیا کرتے تھے، مخلوق سے دنیاوی اجر، تعریف ومحبتیں وغیرہ تمام اغراض دنیوی سے مکمل استغناء برتتے تھے، جس کے نتیجہ میں ان کی دعوت نہایت مؤثر اور نتیجہ خیز ہوا کرتی تھی۔ قرآن مجید نے اس اصول کو ان کے الفاظ میں بیان کیا ہے: ﴿وَمَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾۔

۳۔ دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا ایک بڑا اور بنیادی اصول نرمی، نرم گوئی، حکمت وبصیرت اور اس خلوص ومحبت سے دوسرے کو مخاطب کیا جائے کہ داعی کی بات کے مدعو کے نہ چاہتے ہوئے بھی، اس انداز تخاطب کی وجہ سے، اس کے دل کے نہاں خانوں میں اتر جائے۔

دعوت کے اس زریں اصول کو اللہ رب العزت نے اس آیت مبارکہ میں بیان فرمایا ہے۔

﴿اُدْعُ إِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ﴾. (النحل)

''آپ اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو دانش مندی اور اچھی نصیحت کے ذریعہ سے دعوت دیجیے اور بحث ومباحثہ کریں تو وہ بھی خوبی سے۔''

البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس نرمی وحکمت کا یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں، عقائد وفرائض میں مداہنت سے کام لیا جائے، مداہنت فی الدین بتعلیم قرآن ممنوع ہے۔

۴- دعوت دینے والے داعیان حق کے لیے ضروری ہے کہ وہ دعوت خیر کے سلسلے میں سیرت نبوی ﷺ سے رہنمائی حاصل کریں اور نہج نبوت کی اتباع کی کوشش کریں، جس طرح حضور اکرم ﷺ نے اپنی دعوت کے آغاز میں سب سے پہلے سب سے زیادہ تاکید توحید ورسالت یعنی کلمہ لا إله إلا الله کی فرمائی کہ جس کے دل ودماغ میں کلمہ طیبہ کی حقیقت اتر گئی، اس کے لیے احکامات پر عمل پیرا ہونا آسان ہوگیا، خود احادیث میں آتا ہے کہ پہلے آیات ترغیب نازل ہوئیں، پھر آیات حلال وحرام نازل کی گئیں۔

۵- تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی سیرت سے دعوت کا ایک اصول یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام لوگوں کا اپنے پاس آنے کا انتظار نہیں فرماتے تھے، بلکہ دعوت حق لے کر خود ان کے پاس چل کر جایا کرتے تھے، یہ وصف حضور اکرم ﷺ کی دعوت میں نمایاں طور سے پایا جاتا ہے، آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ اور آپ کے تبلیغی ودعوتی اسفار اس امر کے واضح اور بین دلیل ہیں۔

۶- داعی کے لیے دعوت الی الخیر کے سلسلے میں ایک اہم اصول اپنے کاموں کو ترک کر کے ہجرت، خروج ونفیر کو اختیار کرنا اور پاکیزہ وعلمی وعملی ماحول میں جانا بھی ہے، جہاں سے مستفید ہو کر، اپنی قوم وقبیلہ وعلاقہ میں آکر ان کو فیض یاب کرنا ہے۔

۷- دعوت وتبلیغ کا فریضہ سرانجام دینے والوں کی تعلیم وتربیت کا زیادہ تر مدار صحبت اسلاف، باہمی تعلیم وتعلم پر ہونا چاہیے، ان کے دن دعوت الی اللہ اور امور دین میں مصروف ومشغول ہوں اور راتیں تنہائی میں اپنے خالق ومالک کے ساتھ مناجات میں صرف ہوا کریں۔

غرض دعوت وتبلیغ کی جو تحریک بھی مذکورہ اصولوں کے مطابق کام کرے گی تو ان کی محنت

نہج نبوت اور اصل اول کے زیادہ سے زیادہ قریب تر ہوگی۔

دعوت وتبلیغ کے ان بنیادی اصولوں سے متعلق حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ کی تصنیف ''مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت'' کے مقدمہ میں تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے، جس کا خلاصہ اور حاصل یہاں نقل کردیا گیا ہے۔

قرآن وحدیث، نہج نبوت اور سیرت نبوی ﷺ سے ماخوذ دعوت کے ان مذکورہ بالا اصولوں سے سب سے زیادہ میل کھانے والی تحریک اور مطابقت رکھنے والا عمل قریب کے زمانے میں مجدد دعوت وتبلیغ، مصلح کبیر، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت وتبلیغ کی تحریک اور دعوت والی محنت ہے۔ ابتدا میں حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مکاتب دینیہ کے ذریعہ سے مسلمانوں کی اصلاح احوال کی فکر ومحنت فرمائی، مگر ماحول کی عمومی بے دینی، جہالت وظلمت کے اثر سے جب یہ مکاتب بھی محفوظ نہ دیکھے اور عمومی طور سے مسلمانوں کی دینی ضرورتوں کی عدم تکمیل واضح طور سے سامنے آنے کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ خواص وافراد کی اصلاح اور دینی ترقی مرض کا علاج نہیں، جب تک عام آدمیوں میں دین نہ آئے، کچھ نہیں ہوسکتا۔

چناں چہ ۱۳۴۴ھ ۱۹۲۶ء میں دوسرے حج کے لیے تشریف لے گئے، اس دوران مدینہ طیبہ میں بھی قیام رہا، وہاں پر یہ پیغام ملا کہ آپ سے کام لیا جائے گا۔ سفر حج سے واپسی کے بعد آپ نے تائید غیبی سے عوام میں احیائے دین کی غرض سے تبلیغی گشتوں کا آغاز فرمایا اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دی کہ جماعتیں بنا کر، دوسرے علاقے میں جا کر تبلیغ کی جائے۔ یوں اس طرح با قاعدہ جماعتوں کا اللہ کی راہ میں بغرض دعوت نکلنا شروع ہوا اور آج الحمد للہ! اکابرین دعوت وتبلیغ اور مخلص مسلمانوں کی محنت وکوشش اور آہ سحر گاہیوں کے طفیل یہ مبارک عمل اطراف عالم کے چپہ چپہ میں نہ صرف پھیل چکا ہے بلکہ شب وروز جاری وساری ہے۔

تبلیغی کام کا نظام کیا ہوگا؟ ترتیب کیا ہوگی؟ کس چیز کی اور کتنی چیزوں کی دعوت دی جائے گی؟ اس کی تفصیل حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی:

اصل تبلیغ دو امر کی ہے، باقی اس کی صورت گری اور تشکیل ہے، ان دو چیزوں میں ایک

مادی ہے اور ایک روحانی، مادی سے مراد جوارح سے تعلق رکھنے والی، سو وہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی لائی ہوئی باتوں کو پھیلانے کے لیے ملک بہ ملک، دراقلیم بہ اقلیم جماعتیں بنا کر پھرنے کی سنت کو زندہ کر کے فروغ دینا اور پائے داری کرنا ہے۔

روحانی سے مراد جذبات کی تبلیغ، یعنی حق تعالیٰ کے حکم پر جان دینے کا رواج ڈالنا، جس کو اس آیت میں ارشاد فرمایا:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾.

(النساء:۹)

''قسم ہے آپ کے رب کی! یہ لوگ ایمان دار نہ ہوں گے، جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جھگڑا واقع ہو، اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کراویں، پھر آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پورا پورا تسلیم کریں۔''

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾. (الذاریات)

''اور میں نے جن وانس کو اسی واسطے پیدا کیا کہ میری عبادت کریں''.

یعنی اللہ کی باتوں اور اوامر خداوندی میں جان کا بے قیمت اور نفس کا ذلیل ہونا۔

۱۔ نکلنے کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی چیزوں میں جو چیز جتنی زیادہ اہم ہے اس میں اسی حیثیت سے کوشش کرنا، اس وقت بد قسمتی سے ہم کلمہ تک سے نا آشنا ہو رہے ہیں، اس لیے سب سے پہلے کلمہ طیبہ کی تبلیغ ہے، جو کہ خدا کی خدائی کا اقرار نامہ ہے، یعنی اللہ کے حکم پر جان دینے کے علاوہ درحقیقت ہمارا کوئی بھی مشغلہ نہیں ہوگا۔

۲۔ کلمہ کے لفظوں کی تصحیح کرنے کے بعد نماز کے اندر کی چیزوں کی تصحیح کرنے اور نمازوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جیسی بنانے کی کوشش میں لگے رہنا۔

۳۔ تین وقتوں کو (صبح و شام اور کچھ حصہ شب کا) اپنی حیثیت کے مناسب تحصیل علم و ذکر

میں مشغول رکھنا۔

۴۔ان چیزوں کو پھیلانے کے لیے اصل فریضہ محمدی سمجھ کر نکلنا، یعنی ملک بہ ملک رواج دینا۔

۵۔اس پھرنے میں خلق کی مشق کرنے کی نیت رکھنا، اپنے فرائض کی ادائیگی کی سرگرمی، کیوں کہ ہر شخص سے اپنے متعلق ہی سوال ہوگا۔

۶۔ تصحیح نیت، یعنی ہر عمل کے بارے میں اللہ نے جو وعدے اور وعید فرمائے ہیں ان کے موافق اس امر کی تعمیل کے ذریعہ اللہ کی رضا اور موت کے بعد والی زندگی کی درستی کی کوشش کرنا۔

اپنے کام کو ایک موقع پر حضرت مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

> ''میں نے یہ طے کیا ہے کہ اللہ نے ظاہر و باطن کی جو قوتیں بخشی ہیں، ان کا صحیح مصرف یہ ہے کہ تن کو اسی کام میں لگایا جائے، جس میں حضور ﷺ نے اپنی قوتیں صرف فرمائیں اور وہ کام ہے اللہ کے بندوں کو اور خاص طور سے غافلوں، بے طلبوں کو اللہ کی طرف لانا اور اللہ کی طرف بلانا اور اللہ کی باتوں کو فروغ دینے کے لیے جان کو بے قیمت کرنے کا رواج دینا۔ بس ہماری تحریک یہی ہے اور یہی ہم سب سے کہتے ہیں، یہ کام اگر ہونے لگے تو اب سے ہزاروں گنے زیادہ مدرسے اور ہزاروں گنے ہی زیادہ خانقاہیں قائم ہو جائیں، بلکہ مسلمان مجسم مدرسہ اور خانقاہ ہو جائے اور حضور ﷺ کی لائی ہوئی نعمت اس عمومی انداز سے پھیلنے لگے جو اس کی شان شایان ہے۔''

حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا شروع کردہ دعوت و تبلیغ کا یہ عمل اور اس کا نہج اگر چہ میرے جیسے بہت سے کوتاہ بینوں کے لیے اجنبی، نیا اور قابل اعتراض ہو سکتا ہے، حالاں کہ اس کے کسی بھی عمل پر کوئی اعتراض شرعاً کیا ہی نہیں جا سکتا ہے، تاہم بعض کم فہم، نادان اور اہل بدعت نے اس مبارک عمل پر طرح طرح کے اعتراضات کی بھر مار کر دی، جب کہ کچھ لوگ چار ماہ، چالیس دن، تین دن، گشت، شب جمعہ کا ہفتہ واری اجتماع اور سالانہ اجتماعات وغیرہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ ان ایام کی تعیین غیر ثابت شدہ ہے اور بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ لوگ دین کے تمام احکام

کی دعوت کو اپنا مقصد نہیں بناتے، بلکہ صرف چند مسائل و احکام تک محدود رہتے ہیں اور وقت کے سیاسی مسائل سے اغماض بھی کرتے ہیں، بعض اہل علم حضرات کی طرف سے مستورات کی جماعتوں کے بارے میں شبہات بھی وقتاً فوقتاً سامنے آتے رہتے ہیں۔

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ جن کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ آپ بیک وقت برصغیر کی دو عظیم دینی درس گاہوں میں صدارت افتاء کی گراں قدر خدمات انجام دینے پر مامور تھے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ کے فیض یافتہ، صحبت یافتہ اور خلعت خلافت سے سرفراز یافتہ بھی تھے، آپ کے دعوت و تبلیغ اور اس کے اکابرین حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمہما اللہ سے نہایت ہی گہرے اور قلبی روابط و مراسم تھے، کچھ حضرات نے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت و تبلیغ سے گہری وابستگی پر تعجب کا اظہار کیا اور کہا کہ تبلیغ والوں نے دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم کو اپنا ہم نوا بنالیا، تو اس پر فرمایا: "واقعہ یہ نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں تبلیغی پہلے ہوں، مفتی بعد میں اور دارالعلوم کو مفتی کی ضرورت تھی تو تبلیغ والوں سے مفتی مانگا، انہوں نے یہ ضرورت پوری فرمائی۔" حضرت مفتی صاحب نے عملی طور سے دعوت و تبلیغ کے متعلق اتنے فتاویٰ تحریر فرمائے کہ برصغیر کی تاریخ میں کسی مفتی نے اتنے نہیں لکھے۔

چند سال قبل مفتی ذوالفقار صاحب رنگونی زید مجدہ نے حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمہ اللہ کے فتاویٰ و ملفوظات پر مشتمل تبلیغ سے متعلق حضرت مولانا فضل الرحمٰن اعظمی صاحب کا مرتب کردہ کچھ مواد دیا اور اس پر مزید کام اور اضافہ و تخریج کی خواہش کا اظہار کیا، بندہ اپنی تدریسی و تصنیفی مصروفیت کی وجہ سے اس کام کا بیڑا اٹھانے کی ہمت نہ کرسکا، البتہ گذشتہ سال عزیز برادر صغیر مولانا مفتی صابر محمود صاحب سلمہ اللہ سے اس خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے میری درخواست کو نہ صرف قبول کیا، بلکہ خوشی و رغبت کے ساتھ ان فتاویٰ جات کی تخریج کی، اس پر مزید حضرت کے فتاویٰ جات، جو تبلیغ سے متعلق فتاویٰ محمودیہ وغیرہ میں تھے ان کا بھی اضافہ کیا اور تبلیغ سے متعلق حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ملفوظات و بیانات اور ان کے حالات زندگی کو بھی شامل اشاعت کیا، تاکہ کتاب کا نفع عام اور تام ہوسکے۔

ان فتاوی میں تبلیغ کی مشروعیت وفرضیت، اس کی اہمیت وضرورت، فوائد وثمرات، اس کام کا اسوۂ رسول ﷺ سے ثبوت اور اس پر کیے جانے والے اعتراضات، خاص کر مستورات کی تبلیغ سے متعلق شبہات کے مکمل اور تشفی بخش جوابات موجود ہیں۔

اور آخر میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے چند بیانات کو بھی شامل کیا گیا ہے، جو حضرت رحمہ اللہ نے تبلیغی اسفار وتبلیغی اجتماعات میں بیان فرمائے تھے، جن میں دعوت وتبلیغ کی اہمیت وضرورت اور تبلیغی نقل وحرکت کے برکات وثمرات کو خوب اجاگر فرمایا گیا ہے۔

بندہ نے برادر صغیر مولانا مفتی صابر صاحب زید مجدہ کی حتی المقدور رہنمائی کی کوشش کی، کتابوں کی نشان دہی اور تخریج وتحقیق اور کتاب کی ترتیب وغیرہ امور سے متعلق، جہاں ان کو ضرورت پڑی، معاونت کی، ان کی طویل اور صبر آزما مشقت ومحنت کے بعد یہ کتاب اب زیور طبع سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر لائی جارہی ہے، کتاب علماء وعوامؒ اور دعوت وتبلیغ کی محنت سے وابستہ تمام احباب کی ضرورت ہے اور سب کے لیے یکساں مفید ہے۔

استاذی وشیخی، استاذ المحدثین، حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی تقریظ وتائید کے بعد ان بے ربط سطور کی کوئی ضرورت تو نہ تھی، مگر عزیزم بھائی کی خواہش اور چاہت پر اس عمل کو اپنی سعادت اور ذریعہ نجات سمجھتے ہوئے انجام دیا ہے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو، حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی خاص الخاص رحمتوں میں جگہ مرحمت فرمانے کا ذریعہ بنادے اور برادر عزیز اور راقم کے لیے دنیا وآخرت میں صلاح وفلاح ونجات کا سبب بنادے اور امت مسلمہ کی اصلاح کے لیے سودمند وکارگر فرمادے۔ آمین ثم آمین۔

خاکپائے اکابر

ابوالخیر عارف محمود عفی عنہ

دارالتصنیف جامعہ فاروقیہ کراچی

۱۵/۱۱/۳۳ھ، ۱۳/۹/۲۰۱۲ م

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حالات زندگی مفتی اعظم ہند

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ

دنیا میں ہر روز ہزاروں انسانوں کا اضافہ ہوجاتا ہے جو اپنی زندگی جی کر چلے جاتے ہیں، مگر دنیا کو نہ ان کے آنے سے دلچسپی ہوتی ہے، نہ جانے سے۔ بعض لوگ اپنی صلاحیت سے کوئی مقام اپنے لیے بنا لیتے ہیں تو ان کے چلے جانے پر یقیناً غم کا اظہار کیا جاتا ہے، جانے کے کچھ عرصہ بعد نہ ان کے لیے کوئی بے چین ہوتا ہے، نہ ان کی یادیں عمومی طور پر دلوں کو بے قرار رکھتی ہیں، لیکن اسی عالمِ فانی میں کچھ شخصیات ایسی بھی آتی ہیں جو جانے کے بعد لاکھوں انسانوں کو اپنے فراق کے غم دے جاتی ہیں، جو کبھی نہیں بھرتے، محفلوں میں ان کے تذکرے مسلسل ہوا کرتے ہیں۔(۱)

یہ اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کا احسان عظیم ہے کہ امت مرحومہ کو تاریخ کے کسی بھی دور میں عظیم تر شخصیات سے بانجھ نہیں رکھا، اسلام کی آغوش سے ایسی ایسی بلند قامت شخصیات ظاہر ہوئیں جنھوں نے اپنی گرمی نفس سے انجمن عالم کو زندگی و بندگی کی روشنی سے منور کردیا، آج صدیاں گزرنے کے باوجود ان کی یادیں، ان کے تذکرے اور ان کی خدمات نہ صرف کاغذ کے سفینوں میں موجود ہیں، بلکہ انسانیت کے سینوں کو مسلسل

---

(۱) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے حالات "حیات محمود" سے لیے گئے ہیں، مزید تفصیل کے لیے "حیات محمود" ملاحظہ فرمائیں۔

حرارت ایمانی دے کر اپنی ہستیاں منوا رہی ہیں۔

چناں چہ ہماری تاریخ عظیم ہستیوں اور عبقری شخصیات کی ایک خوبصورت کہکشاں ہے، اس لڑی کا ہر دانہ دیدہ بینا کے لیے ایک درِ آبدار ہے، جس پر امت مرحومہ تا قیامت فخر کرتی رہے گی اور اسی جلا سے تاریک دل روشنی پاتے رہیں گے۔ قریب کی ہندوستانی تاریخ میں حجۃ اللہ حضرت شاہ ولی اللہ سے لے کر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند تک اور پھر حضرت تھانوی سے لے کر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب تک فرزندانِ جلیل اسلام کی آغوش سے نکلے، ان کی فکر، اخلاص اور بے کراں خدمات سے یہ بقعہ عالم رہتی دنیا تک تابناکیاں حاصل کرتا رہے گا۔

لیکن نورِ نبوت کا یہ فیضان نہ کسی شخصیت پہ آ کے رکا ہے، نہ ان شاء اللہ رکے گا، قافلہ اسلام کی راہ میں ہزاروں سنگ میل آئے اور ہر سنگ میل پر اتنے مینار ہائے نور اس کی راہ کو روشن رکھنے کے لیے ملے کہ اس کاروانِ خیر کے کسی ہمرکاب کو تاریک رات کا مسافر نہیں کہا جا سکتا، بلکہ راہ ہدایت کے یہ راہی اپنی منزل کی طرف مسلسل گام زن رہے اور رہیں گے، ان شاء اللہ۔ ان ہی دینی رہنماؤں کے سلسلۃ الذہب میں ایک روشن نام حضرت شیخ، مفتی اعظم ہند، فقیہ الامت، حضرت مولانا محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، جو اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اور ماضی قریب میں ایک عرصہ دراز تک اپنی طویل متاع گراں مایہ دینی رہنمائی کے ساتھ اصلاح امت کی زبردست خدمات سر انجام دیتے رہے۔ آپ کے والد صاحب مولانا حامد حسن بن محمد خلیل حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور حضرت گنگوہیؒ سے بیعت تھے۔

فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ میزبان رسولِ اکرم

ﷺ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں، اسی خانوادہ ایوبی کے چشم و چراغ اور بدر منیر ہیں، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ وہ خوش نصیب صحابی ہیں جن کو ہجرت کے موقع پر مدینہ منورہ میں سرور دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا اور ناقہ مبارکہ ان کے مکان کے سامنے بیٹھ گئی، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا سامان اپنے گھر لے گئے اور آنحضرت ﷺ نے ان کے گھر پر چند ماہ قیام فرما کر ان کے مکان کو رشک خلد بنا دیا (1)۔

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد
ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

نام ونسب

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ کا نام ونسب یہ ہے:

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی بن مولانا حامد حسن بن حاجی خلیل بن ولی محمد بن قلندر بخش بن محمد علی بن غلام رسول بن عبدالحمید بن قاضی محمد فاضل بن جمیل محمد بن قاضی محمد خلیل بن قاضی ولی محمد بن قاضی کبیر بن قاضی امن بن خواجہ فرید الدین بن خواجہ محمد فاضل بن خواجہ محمد ہاشم بن خواجہ علاؤ الدین بن خواجہ رکن الدین بن خواجہ نجم الدین بن خواجہ شرف الدین بن خواجہ عبدالحمید بن خواجہ کبیر بن خواجہ رکن الدین بن خواجہ شرف

---

(1) عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: "قدم صلى الله عليه وسلم المدينة، فنزل في علو المدينة في حي يقال لهم: بنو عمرو بن عوف، فأقام فيهم أربع عشرة ليلة، ثم أرسل إلى بني النجار، فجاؤوا متقلدين سيوفهم، فقال أنس: فكأني أنظر إلى رسول الله ﷺ على راحلته، وأبوبكر ردفه، وملأ بني النجار حوله، حتى أقر بفناء أبي أيوب رضي الله عنه"۔

(سنن أبي داود، باب في بناء المساجد: ٧٧، رقم الحديث: ٤٥٣، دار السلام)

الدین بن خواجہ تاج الدین بن خواجہ منہاج الدین بن خواجہ ہاشم بزرگ بن خواجہ اسماعیل بن شیخ الاسلام خواجہ ابو اسماعیل عبداللہ انصاری بن خواجہ ابو منصور بن علی بن محمد بن احمد بن علی بن جعفر بن ابو منصور بن حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ میزبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

ولادت باسعادت

آفتاب رشد و ہدایت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کی وفات کے ٹھیک دو سال بعد، اسی مہینہ، اسی دن اور اسی تاریخ میں ماہتاب رشد و ہدایت فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ ۸ یا ۹ جمادی الثانیہ ۱۳۲۳ھ بروز جمعہ (اذان جمعہ کے بعد) بوقت ساڑھے بارہ بجے دن، اٹھتر سال، سات مہینہ اور تین دن کی عمر میں اس دار فانی سے رحلت فرما گئے اور ۸ یا ۹ جمادی الثانیہ ۱۳۲۵ھ کو ہی شب جمعہ میں اسی خانوادہ کے چشم و چراغ اور بدر منیر حضرت مولانا محمود حسن گنگوہی قدس سرہ کی ولادت ہوئی۔

تعلیم

بسم اللہ: بزرگان دین اور اولیاء اللہ سے بچوں کی ''بسم اللہ'' کرانے کا دستور دینی و علمی گھرانوں میں ہے، تاکہ ان اولیاء اللہ و اہل اللہ کی دعا اور توجہ کے اثرات و برکات بچے تک پہنچ جائیں، اس لیے بزرگوں سے بسم اللہ کرانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

ایک موقع پر حضرت شیخ الہند اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے

پوری قدس اسرارہما گنگوہ تشریف لائے ہوئے تھے اور بھی چند بزرگ علماء ساتھ تھے، حضرت مفتی صاحب کے والد محترم حضرت مولانا حامد حسن صاحب قدس سرہ نے اپنے فرزند ارجمند کی بسم اللہ ان دونوں بزرگوں سے کرائی۔

حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہ اپنی ''بسم اللہ'' کا واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں:

''میری بسم اللہ کا قصہ یوں ہوا کہ میں ایک بار گلی میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، والد صاحب میرا ہاتھ پکڑ کر لے گئے، دیکھا کہ دروازے پر چند بزرگ جمع ہیں، ان میں سے کسی ایک صاحب نے مجھے کچھ کلمات کہلوائے، میں نے زور سے کہے نہیں، آہستہ آہستہ کہے، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ میری ''بسم اللہ'' تھی اور بسم اللہ کرانے والے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ تھے اور ان کے ہمراہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمہ اللہ تعالیٰ تھے''۔

اردو اپنے شوق سے خود ہی اس دوران سیکھ لی تھی، پند نامہ کا کچھ حصہ اور بوستان کا کچھ حصہ مولانا فخر الدین گنگوہیؒ سے پڑھا، میزان و منشعب اپنے والد صاحب سے پڑھی۔

۱۳۴۱ھ میں مظاہر علوم سہارن پور میں داخلہ لیا، صرف میر اور نحو میر وغیرہ سے یہاں تعلیم کا آغاز کیا، ۱۳۴۷ھ تک میر زاہد، غلام یحییٰ، قاضی مبارک، دیوانِ حماسہ، دیوانِ متنبی اور حمد اللہ تک کتابیں پڑھیں، شوال ۱۳۴۸ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ہدایہ (آخرین) اور مشکوٰۃ شریف پڑھی، ۱۳۴۹ھ میں بیضاوی، ابوداؤد اور مسلم

شریف پڑھیں اور ۱۳۵۰ھ میں شیخ الاسلام حضرت مدنی سے بخاری اور ترمذی پڑھ کر فارغ ہوئے، اگلے سال مظاہر علوم سہارن پور میں داخل ہو کر دورہ کی کتابیں دوبارہ پڑھیں اور فن تجوید وقراءت کی تکمیل بھی یہیں کی۔

۴ ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ میں بحیثیت مفتی دس روپے مشاہرے پر وہیں تقرر ہوا، ۱۳۵۳ھ میں نائب مفتی بنائے گئے، ۱۳۷۰ھ تک مظاہر علوم میں اسی عہدہ پر رہے اور اس عرصہ میں میزان الصرف سے ہدایہ اولین اور جلالین تک کتابیں پڑھائیں۔

۱۳۷۱ھ میں جامع العلوم کان پور تشریف لے گئے، ۱۳۷۵ھ میں وہاں کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور پہلی دفعہ بخاری شریف کا درس دیا۔

۱۳۸۴ھ میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی مقرر ہوئے اور حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ کے ارشاد پر بخاری شریف (جلد دوم) کا درس دیا، ۱۳۸۶ھ میں مظاہر علوم کے سرپرست بنائے گئے۔

بیعت

بازارِ عشق وشوق ومحبت کے جان فروش
لپکیں کہ چل چلاؤ ہے دنیائے دون کا
سیکھیں طریق وصل ولقائے خدائے پاک
دل بیچ کر خرید لیں سودا جنون کا

اللہ جل جلالہ عم نوالہ نے اپنے عشق ومحبت کی چنگاری بچپن سے آپ کے قلب مبارک پر رکھی تھی، خاندان اور گنگوہ کے عشق ومحبت کے نورانی ماحول نے اس کو اور زیادہ روشن کیا تھا، علوم نبوت کی تحصیل نے تو اس شرابِ محبت کو مزید دو آتشہ بنا دیا تھا، جس کی

بنا پر عشق و محبت کی حرارت رگ و پے میں سرایت کرتی اور پھیلتی جارہی تھی اور قدرت نے بھی ولایت کا مقام آپ کے مقدر میں لکھا تھا اور وقت کا ولی کامل اور شیخ ہونا آپ کے لیے مقدر فرمایا تھا اور سنت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ بغیر شیخ کامل اور رہبر صادق کی صحبت اور رہنمائی کے یہ گراں مایہ دولت میسر نہیں آتی ، جس طرح دنیا کے دیگر فنون بھی استاد کی صحبت و رہنمائی کے بغیر عموماً حاصل نہیں ہوتے : اس لیے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے قلب مبارک میں داعیہ پیدا ہوا کہ وہ کسی شیخ کامل کے مبارک ہاتھ میں ہاتھ دے کر، اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر کے مقصودِ زندگی حاصل کریں۔

انتخابِ شیخ

چناں چہ اس وقت مشائخ کاملین حکیم الامت، اشرف العلماء، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب، شیخ الاسلام و شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری، بانی تبلیغ حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب محدث سہارن پوری رحمہم اللہ تعالیٰ موجود تھے اور سب کی خانقاہیں آباد تھیں۔

مگر اس کے باوجود حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے بوجوہ مختلفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کا انتخاب فرمایا، حالاں کہ حضرت شیخ الحدیث ان اکابر میں سے کم عمر تھے اور شہرت بھی اس وقت اتنی زیادہ نہ تھی مگر :

ہمہ شہر پُر از خوبان منم و خیالِ ماہے ... چہ کنم کہ چشمِ خود بیں نکند بکس نگاہے

بیعت کی درخواست اور حضرت شیخ کا امتحان

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ سے

بیعت کی درخواست کی، حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ نے حضرت مدنی قدس سرہ سے بیعت ہونے کا مشورہ دیا، حضرت مفتی صاحب نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کی جانب اپنے طبعی میلان کا ذکر کیا، حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نے استخارہ مسنونہ کا حکم فرمایا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر استخارہ کے ذریعہ بھی شرح صدر نہ ہو تو دہلی، رائے پور اور سہارن پور کا سفر کریں اور ہر ایک کی مجلس میں بیٹھیں، پھر جن کی طرف رجحان اور میلان ہوا ان سے بیعت ہو جائیں۔

غرضیکہ کئی ماہ تک حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نے بیعت نہیں فرمایا، اسی طرح ٹالتے رہے اور طلبِ صادق کا امتحان فرماتے رہے، آخر جب طلب صادق کا یقین ہو گیا، تب بیعت فرمایا۔

پھر حضرت مفتی صاحب نوراللہ مرقدہ کی بیعت کوئی رسمی بیعت نہیں تھی، بلکہ وہ حقیقی بیعت تھی کہ انہوں نے مکمل طور پر اپنے آپ کو حضرت شیخ کے حوالہ اور سپرد فرمایا، ہر کلی وجزئی کام میں حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ سے مشورہ کو ضروری جانا اور حضرت کی مرضی ومنشا کی کبھی مخالفت نہیں کی اور یوں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ اس شعر کا مصداق ہو گئے:

سپردم بتو مایہ خویش را　　　تو دانی حساب کم وبیش را

شیخ کے ساتھ ربطِ قلب اور محبت وتعظیم کے ساتھ تھوڑے عمل پر بھی حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے وہ کچھ عطا ہوتا ہے جو بڑے مجاہدات پر بھی میسر آنا مشکل ہوتا ہے۔

حضرت والا قدس سرہ نے حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کے ساتھ دلی ربط ومحبت اور قلبی تعلق قائم کرنے کے ساتھ ساتھ مجاہدات بھی اتنے کیے کہ ان کی نظیر ملنا مشکل ہے،

اسی بنا پر حق تعالیٰ شانہ نے جس قرب واختصاص اوز انوار وکیفیات سے نوازا، ان کے ثمرات واثرات روز روشن کی طرح ظاہر وباہر ہیں۔

اجازت وخلافت

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ فراغت اور مظاہر علوم میں قیام کے چند سال بعد ہی اجازت وخلافت سے سرفراز کردیے گئے، حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ علاج معالجہ کی غرض سے سہارن پور میں قیام پذیر تھے، ان کی عیادت کے لیے جاتے ہوئے راستہ میں حضرت شیخ نے اجازت مرحمت فرمائی۔

اجازت وخلافت ملنے کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ گنگوہ میں ایک عورت تھی، جو اوراد ووظائف کی بہت پابند تھی، اس کے پیر کا انتقال ہوا، اس نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ سے بیعت کی درخواست کی، حضرت نے بیعت سے انکار فرمایا اور یہ خیال کیا کہ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ جب گنگوہ تشریف لائیں گے ان سے بیعت کرادوں گا، حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے سفر گنگوہ کے بارے میں حضرت شیخ قدس سرہ سے دریافت کیا اور بتایا کہ گنگوہ میں ایک عورت ہے، بیعت ہونا چاہتی ہے، اس کو بیعت کرانا ہے، اس پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے حضرت والا کو اس کو بیعت کرنے حکم فرمایا اور اجازت بیعت مرحمت فرمائی۔

ایک طویل عرصہ تک حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت دہلویؒ، حضرت رائے پوریؒ اور حضرت شیخ سے فائدہ اٹھایا۔ حضرت مفتی صاحبؒ کو تمام علوم متداولہ مستحضر تھے اور فقہ وحدیث میں تو ایسا اختصاص تھا کہ شاید وباید، بخاری شریف کا درس سالہا سال تک دیا اور اکابر کی نگرانی میں فتویٰ نویسی میں عمر لگادی، آپ کے فتاویٰ ''فتاویٰ محمودیہ''

کے نام سے شائع ہو گئے ہیں، جو آپ کے تفقہ کا شاہ کار ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کا حافظہ اخیر عمر تک تقریباً رشک حفاظ رہا، فرقِ باطلہ سے بارہا مناظروں اور مباحثوں کی نوبت آئی اور بحمد اللہ ہر میدان میں غالب و منصور رہے اور آپ کی خداداد ذہانت وذکاوت اور خوش طبعی کے جوہر خوب خوب کھلے، حضرت مفتی صاحبؒ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے یہاں بڑے معتمد علیہ تھے، حضرت شیخؒ اپنے خاص معاملات میں ان کی رائے کو بہت اہمیت دیتے تھے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کو اپنے اکابر کے ساتھ عشق کی حد تک محبت تھی اور اکابر کے اتنے واقعات ان کے سینہ میں محفوظ تھے کہ شاید ہی کسی کو اتنے واقعات یاد ہوں، زہد واستغنا کا یہ عالم تھا کہ باہر سے بڑی بڑی تنخواہوں کی پیش کش ہوئی، مگر اس کو رد کر دیا اور اساتذۂ کرام کے زیرِ سایہ رہ کر خدمتِ دین کو ترجیح دی۔

حضرت مفتی صاحبؒ شعروسخن میں بھی دستگاہِ کامل رکھتے تھے، ان کا نعتیہ قصیدہ ''گلدستہ سلام'' ان کی اس فن میں پختگی اور قادر الکلامی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق ومحبت کو بھی ظاہر کرتا ہے اور ''وصفِ شیخ'' کے نام سے، جو قصیدہ تالیف فرمایا ہے، اس میں اپنے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے اوصاف وکمالات کو اس حسن وخوبی کے ساتھ نظم فرمایا ہے کہ عقل حیران ہے، یہ دونوں قصیدے ان کے مسترشد خاص جناب مفتی مولانا محمد فاروق میرٹھی زید مجدہ کی شرح کے ساتھ چھپ چکے ہیں۔

ان کے علاوہ حضرتؒ کی متعدد تصانیف اکثر آپ کے قلم سے اور بعض حضرت کے تلامذہ کے قلم سے شائع ہو چکی ہیں۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ضعف وپیرانہ سالی

کے ساتھ مختلف عوارض میں مبتلا تھے، جو ان کے رفعِ درجات کا سبب تھے، لیکن ان سب کے باوجود، ان کے معمولات اور مشاغل اور افادہ میں فرق نہیں آیا تھا۔

وفات

۲ ستمبر ۱۹۹۶ء، ۱۸ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ کا دن گزار کا پیر اور منگل کی درمیانی شب میں غروبِ آفتاب کے کچھ دیر بعد جوہانسبرگ (جنوبی افریقہ) میں رحلت فرمائی، افریقہ میں ساڑھے سات بجے تھے اور ہندوستان میں ۱۱ بجے تھے، تاریخ بھی ہندوستان میں ۱۷ تھی، یعنی ۱۷ اور ۱۸ کی درمیانی شب میں۔ **إنا لله و إنا إليه راجعون، إن لله ما أخذ، وله ما أعطى، و كل شيء عنده بأجل مسمى.**

جنازہ صبح ساڑھے نو بجے گھر سے نکالا گیا، بہت ازدحام تھا، ایلسبرگ کے قبرستان میں دفن کیا گیا، اتنا بڑا جنازہ جنوبی افریقہ میں شاید ہی دیکھا گیا ہو۔

دعوت وتبلیغ اور راہ اعتدال

دین کی اشاعت اور اس کی حفاظت اور امت میں دین کو زندہ رکھنے اور احکامِ دین کے اِحیاء کے سلسلے میں دعوت وتبلیغ کا کیا مقام ہے؟ یہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔ امت کی داعیانہ صفت ہی درحقیقت اس کی بقا کی ضامن ہے، اسلامی تاریخ کے ہر عہد اور اسلامی دُنیا کے ہر مقام پر جب بھی یہ داعیانہ کردار کمزور ہوا، اس کے طرح طرح کے سنگین نتائج سامنے آئے، اسی بنا پر امت سے خلافت وحکومت جاتی رہی، اسی وجہ سے امت اپنی معاشرت ومعاملات میں دوسری اقوام کی نقالی کرنے اور اپنا دین چھوڑنے کی روش چل پڑی ہے، اس کے نتیجے میں امت میں اعمال وعبادات اور اخلاق وآداب،

غرض پورے اسلام اور پھر ایمانیات تک میں شدید ترین ضعف پیدا ہوا۔

غرض کہ امت کی ہر خرابی کی جڑ، دین کی کمزوری اور اس کا سبب دعوت وتبلیغ کا یہ فریضہ قرآن مجید، ارشادات نبویہ، سیرت طیبہ، تاریخ اسلام اور عقل وتجربہ سے واضح اور اس کی اہمیت، فرضیت اور امت کے لیے اس کے لازم ہونے کی صراحت قطعی اور غیر محتاجِ دلیل ہے، بلکہ ختم نبوت کے نتیجے میں امت کو کار نبوت کے فریضہ کی ادائیگی اسی دعوت کے نتیجے میں عطا ہوئی ہے اور یہ فریضہ کسی بھی حال میں امت سے ساقط نہیں ہوسکتا۔

برصغیر میں سینکڑوں سال تک مسلمان حکمرانی کرتے رہے، لیکن امت کی غالب اکثریت اس فریضہ دعوت کی ادائیگی سے غافل رہی، اس لیے علمائے امت کی محنت کے نتیجے میں دین گو محفوظ رہا، لیکن امت کے عام افراد زندگی سے لے کر حکومتِ وقت تک میں جو خرابیاں پیدا ہوئیں وہ بھی ناقابل انکار ہیں، بلاشبہ اگر امت کا غالب طبقہ اس فریضہ کی ادائیگی میں منہمک رہا ہوتا تو امید کی جاسکتی ہے کہ آج برصغیر کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔

مسلمانوں سے اقتدار چھن جانے کے بعد جب دین کو مٹانے کے لیے نہایت سنگین حالات پیدا کیے گئے اور پوری امت کا عوامی طبقہ دین سے بیگانہ ہوتا چلا گیا تو اللہ جل شانہ نے خصوصی فضل فرمایا کہ حضرت مولانا الیاس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور آج عالم کے کونے کونے میں دعوت وتبلیغ کی یہ محنت جاری ہے اور اس کے ثمرات کا ظہور اس طرح ہو رہا ہے کہ عالم اسلام کی مسلم حکومتوں کی کسی بھی محنت کے نتیجے میں ایسا ثمرہ سامنے نہیں آرہا ہے اور اس کے اعتراف سے بجز عناد وکج فہمی کے اور کوئی چیز مانع نہیں ہوسکتی۔

دعوت وتبلیغ کا یہ نہج بے شمار لوگوں کے لیے اجنبی اور قابل اعتراض ہے،

حالاں کہ شرعاً اس کے کسی بھی جز پر کوئی واقعی اعتراض کیا ہی نہیں جا سکتا، تاہم کچھ لوگ اس کے چار ماہ، چالیس دن، تین دن، گشت اور دوسرے امور پر یہ سطحی اعتراض کرتے ہیں کہ یہ تعیین غیر ثابت شدہ ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ دین کے تمام احکام کی دعوت کو اپنا مقصد نہیں بناتے، بلکہ صرف چند احکام تک ہی محدود رہتے ہیں۔ کچھ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ وقت کے سیاسی مسائل سے اغماض کرتے ہیں وغیرہ۔

بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ تعجب ہے کہ تبلیغ والوں نے دار العلوم دیوبند کے مفتی اعظم کو بھی اپنا ہم نوا بنا لیا۔ اس پر حضرت نے فرمایا:

> ''واقعہ یہ نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں تبلیغی پہلے ہوں، مفتی بعد میں اور دار العلوم کو مفتی کی ضرورت تھی تو تبلیغ والوں سے مفتی مانگا، انھوں نے یہ ضرورت پوری فرمائی۔'' او کما قال۔
>
> (ماہنامہ النور، تذکرہ فقیہ الامت، حصہ دوم: ۲۴۸)

اسی تعلق کی بنا پر حضرت تبلیغی اجتماعات میں نہایت بشاشت سے شرکت فرماتے، بیانات فرمایا کرتے اور دعوت وتبلیغ سے وابستہ افراد سے تو کبھی دعاؤں کی درخواست تک کرتے، کبھی کوئی جماعت ملاقات کے لیے آتی تو آپ انتہائی شفقت واپنائیت کا مظاہرہ فرماتے۔

دعوت وتبلیغ کے اکابرین خصوصاً حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تو نہایت ہی گہرے اور قلبی روابط تھے، چناں چہ ایک موقع پر جب حضرت مفتی صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب کی

ملاقات ایک ریلوے اسٹیشن پر ہوئی تو مولانا محمد یوسف نے فرمایا:

"مفتی صاحب! مصافحہ تو بعد میں کیجیو، پہلے مجھے فلاں فلاں مسئلہ کا جواب بتا دو"۔ حضرت نے جوابات ارشاد فرمائے۔ بعد میں مولانا محمد یوسف نے فرمایا کہ "ہم کو دعوت میں لگایا اور خود بیٹھ گئے؟" حضرت نے فرمایا کہ:

"ایک دو کو کسی کونے میں بیٹھ کر کتابوں کی ورق گردانی کرنے دیں تا کہ آپ کے اس طرح کے سوالات کے جوابات تلاش کرتے رہا کریں"۔ (تذکرہ فقیہ الامت، حصہ دوم: ۲۴۸)

اس کا نتیجہ تھا کہ جب بھی آپ دہلی تشریف لے جاتے تو مرکز تبلیغ ضرور تشریف لے جاتے اور اکابرِ ین مرکز بھی آپ کے لیے چشم براہ ہوا کرتے۔ علمی طور پر دعوت وتبلیغ کے متعلق آپ نے اتنے فتاویٰ تحریر فرمائے کہ دوسرے کسی مفتی نے برصغیر کی پوری تاریخ میں اتنے نہیں لکھے، ان فتاویٰ میں تبلیغ کی ضرورت، اس کی مشروعیت وفرضیت، اس کے فوائد وثمرات اور اس پر کیے جانے والے ہر قسم کے اعتراضات کے مکمل اور تشفی بخش جوابات موجود ہیں۔

تبلیغ میں کم از کم تین چلیے، ایک چلہ اور سہ روزہ کا مطالبہ ہوا تو آپ نے اولاً یہ فرمایا کہ اس طرح کی چیزوں کے لیے نص سے ثابت ہونا لازم نہیں ہے، چناں چہ ایک عالم نے، جو کسی مدرسے میں استاذ تھے، یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ:

"مدرسہ میں نصاب کی کتابیں پڑھانا، پھر کچھ کتابیں ایک سال میں کچھ دوسری کتابیں دوسرے سال، اسی طرح رجسٹروں میں بچوں کی حاضری لکھنا، تعلیم کے لیے گھنٹے مقرر کرنا،

تعلیم کے آغاز واختتام کے لیے یومیہ اور پھر سالانہ وقت مقرر کرنا، امتحانات لینا، نتائج درج کرنا، ترقی دینا وغیرہ کسی نص سے ثابت نہیں، پھر اگر یہ چیز غیر شرعی نہیں تو تبلیغ کے چار ماہ اور چالیس دن کیوں غیر مشروع ہیں؟

''دراصل اس طرح کے امور کے لیے انسانوں کے اپنے تجربہ سے کسی نظام کا نفع بخش ہونا اس کے جائز اور مشروع ہونے کے لیے کافی ہے''۔

یہ کہہ کر پھر تبلیغ کے وسیع ترین منافع اور اثرات کو دلنشین انداز میں بیان فرمایا کرتے تھے۔

انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ جب کسی شخص یا کسی کام سے نفع محسوس کرتا ہے تو اس کی قدر ومنزلت کو دل کی گہرائیوں میں بسالیتا ہے، کبھی کبھی یہ قدر اپنی حدود سے بڑھ کر دوسرے اشخاص اور دوسرے کاموں کی تحقیر کا سبب بنتی ہے، چناں چہ ایک ایسا شخص جو دین سے دور ہو اور دعوت وتبلیغ میں لگ کر دین دار بنے، ظاہر ہے اس کی نظر میں اس کام کی عظمت اور عقیدت کتنی ہوگی؟! لیکن اگر یہ عقیدت دوسرے کسی شعبہ کو توہین کا باعث بنے تو یہ غلط ہے۔

چناں چہ دعوت سے وابستہ کچھ حضرات نے یہ سمجھا کہ مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ صاحب کو الہام ہوا کرتا تھا اور یہ سارا کام بطور الہام کے آپ کو عطا کیا گیا۔ حضرت فقیہ الامت کے سامنے یہ سوال آیا تو آپ نے اس کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ:

''اگر حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی

موجودگی میں یہ بات کہی جاتی تو وہ ضرور اس کی تردید فرمادیتے، یہ غلو عقیدت کا نتیجہ ہے، ایسا عقیدہ رکھنا درست نہیں ہے"۔

اسی طرح آپ صاف فرمایا کرتے تھے:

"دعوت و تبلیغ میں لگ کر وعظ، تذکیر، تزکیہ وارشاد کو، خانقاہی نظام کو اور مدارس کے کام کو جو قدر کی نگاہ سے نہ دیکھے یا تحقیر کرے، وہ غلطی میں مبتلا ہے"۔

اس بات کو طرح طرح سے بیان فرماتے، چناں چہ اس نوع کے فتاویٰ بھی شائع شدہ موجود ہیں، جس میں تبلیغ والوں کو دوسرے دینی کاموں کی قدر کرنے کی تلقین کی گئی ہے(۱)۔

چند واقعات:

ایک دفعہ جنوبی افریقہ میں حضرت مفتی صاحبؒ کی قیام گاہ پر چند تبلیغی ذمہ دار اور چند تبلیغی کام سے متعلق علمائے کرام تشریف لے گئے، ایک مشورہ کے لیے کہ ایک عالم صاحب تبلیغی کام کے خلاف لکھتے رہتے ہیں، ان کو کس طرح سمجھایا جائے کہ وہ ایسا نہ کریں؟ بعض حضرات کی رائے یہ تھی کہ انہی عالم صاحب کے خانقاہی سلسلہ کے بعض علمائے کرام کو، جو تبلیغی کام سے اتفاق رکھتے ہیں، ان کے پاس بھیجا جائے، شاید ان کے سمجھانے سے سمجھ جائیں، ایک مولانا نے فرمایا: میں نے خود اس مسئلہ میں ان سے بات کی ہے، لیکن وہ نہیں مانتے۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا: میری رائے یہ ہے کہ ان سے کوئی بات نہ کی

---

(۱): کتاب العلم، باب التبلیغ، عنوان: ایک تبلیغی کی تقریر کہ مولانا الیاس صاحب الہامی نبی تھے'۔

جائے، اپنا کام کیا جائے، وہ جو کچھ کر رہے ہیں اپنا فرضِ منصبی سمجھ کر کر رہے ہیں، ان کو جتنا منع کریں گے وہ اور کریں گے، آپ لوگ اپنا کام کریں، ان کو ان کا کام کرنے دیجیے۔

بس یہی فیصلہ تھا، اس پر یہ بات ختم ہوگئی۔ اس مجلس میں حضرتؒ نے اپنے کچھ واقعات سُنائے کہ دار العلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ پہلے تبلیغی کام سے مانوس نہیں تھے، ان کو اس کی افادیت کا علم نہیں تھا، سہارن پور میں ایک دفعہ اجتماع تھا، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے ارشاد فرمانے سے تبلیغی ذمہ داروں نے حضرت قاری صاحبؒ سے، جو سہارن پور میں آئے ہوئے تھے، اجتماع میں بیان کرنے کی درخواست کی، حضرت قاری صاحبؒ نے بیان کیا اور تبلیغ والوں کو خوب جھاڑا اور ملامت کی، حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک سفر میں میرا اور حضرت قاری صاحب کا ساتھ ہوگیا، میں نے سوچا اس دفعہ میں بولوں گا، حضرت کو بولنے نہیں دوں گا، پورے سفر میں جماعت کی کارگزاریاں اور ان کے احوال سُناتا رہا، اس کا اثر یہ ہوا کہ حضرت قاری صاحبؒ کا ذہن بالکل بدل گیا، پھر ایک دفعہ سہارن پور میں اجتماع ہوا، حضرت قاری صاحبؒ تشریف فرما تھے، حضرت شیخؒ نے تبلیغی لوگوں سے فرمایا کہ حضرت قاری صاحبؒ کا بیان اجتماع میں رکھو، اب حضرت قاری صاحبؒ نے تبلیغ کے چھ نمبر ایسے بیان کیے کہ تبلیغی حضرات بھی ایسا نہیں بیان کر سکتے۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے شروع میں حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی رحمہ اللہ کے ساتھ تبلیغی اسفار بھی کیے، جب دار العلوم کے مفتی ہوگئے تو دار الافتاء سے تبلیغی کام کی خوب تائید کی اور تبلیغ والوں کی اصلاح بھی کی، فرمایا: کوئی استفتاء دار العلوم میں آتا تو اس

کا جواب میں خود لکھتا ہوں، کسی اور مفتی کو نہیں دیتا، جانے کیا جواب لکھ دے۔

ایک دفعہ فرمایا:

''میں پہلے تبلیغی ہوں، پھر مفتی۔'' (تفصیلی قصہ اس طرح پیش آیا):

آپ نے فرمایا: حضرت مولانا عبدالباری صاحب نے فرمایا: کیا ان جاہلوں میں تبلیغ کرتے پھرتے ہو؟ انگریزی داں طبقہ میں تبلیغ کرو۔ میں نے ان میں کسی کے ایمان کو سلامت نہیں پایا، بشرطیکہ اس نے اپنا عقیدہ ظاہر کرنے میں جھجک سے کام نہ لیا ہو۔ میں نے کہا: جاہلوں میں ہم جاتے ہیں، ہم اَن پڑھ ہیں، اَن پڑھوں میں کام کرتے ہیں، آپ پڑھے ہوئے ہیں، آپ ان میں کام کریں۔

فرمایا: لکھنؤ میں اجتماع ہوا، مولانا ابرار الحق صاحب، مولانا صدیق احمد صاحب بھی تشریف لائے، میں بھی گیا، مولانا عبدالباری مجازِ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی گئے، انھوں نے چائے بنانا شروع کی، چائے بناتے ہوئے فرمایا: جی ہاں! کسی کی تقریر حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کے طرز پر نہیں تھی، بیج بکھیر کر چلے جاتے ہیں، اپنے گھر کی اصلاح نہیں کرتے ہیں، پہلے اپنے گھر کی اصلاح کرنی چاہیے، اپنے خاندان اور اپنی بستی کی اصلاح کرنی چاہیے، تب باہر جانا چاہیے، اسی وجہ سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس طریقہ سے ناخوش تھے، چائے بناتے ہوئے بات کر رہے تھے، ہم تینوں خاموش۔ مولانا صدیق صاحب اور مولانا ابرار الحق صاحب دونوں نے چپکے چپکے مجھ پر بات کرنے اور جواب دینے کا زور دیا، مولانا عبدالباری صاحبؒ نے فرمایا: مفتی صاحب! جواب دینا ہوگا، میں نے کہا: بزرگوں کی مجلس میں جب تک کان بن سکے، زبان نہیں بننا چاہیے۔ فرمایا: جواب ضرور دینا ہوگا، آپ کی ذمہ داری ہے۔

میں نے کہا اچھا تو سُنیے ! آپ کی رائے غلط ہے، حضرت تھانویؒ نے اصلاح الرسوم لکھی بہشتی زیور لکھی اور جگہ جگہ جا کر وعظ فرمائے، کیا پہلے اپنے محلّہ، اپنے قصبہ کی اصلاح کرلی تھی؟ اور اپنے گھر کی اصلاح کرلی تھی؟ کون سی رسم ایسی ہے جو تھانہ بھون میں نہیں ہوئی؟ حضرت تھانویؒ کی اہلیہ میری قریبی رشتہ کی پھوپھی تھیں، مجھے گھر کے سب حالات معلوم ہیں۔

مولانا عبدالباری صاحبؒ نے فرمایا: باقی اصل طریقہ یہی ہے، پہلے اپنی اصلاح کی جائے، پھر گھر والوں کی، پھر خاندان کی، پھر اپنی بستی کی، پھر قرب وجوار کی، اس طرح کام کو لے کر چلا جائے، میں نے کہا: کیا حضرت تھانویؒ نے اول اپنے گھر اور اپنے خاندان کی اصلاح کی، اس کے بعد وعظ شروع فرمایا اور دوسروں کی اصلاح فرمائی؟ اور آپ نے اتنی کتابیں دوسروں کی اصلاح کے لیے لکھی ہیں، کیا اپنے گھر کی پہلے اصلاح فرمالی تھی اور اپنے کسی ایک بیٹے کی بھی اصلاح کی؟ فرمایا: میں نے لڑکوں کو گھر سے نکال دیا، میں نے کہا یہ غلط کیا گیا، اس سے ان کی اصلاح ہوگئی؟ کیا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ تبلیغ یہی تھا کہ کوئی بات نہ مانے تو اس کو گھر سے نکال دیں کہ جو اصلاح کی توقع ہوسکتی تھی، وہ بھی ختم ہوجائے؟

مولانا نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں تھا کہ دیوبند کے مفتیِ اعظم کو بھی تبلیغی جماعت اس درجہ متاثر کرسکتی ہے، اگر تبلیغی جماعت کا اور بھی کارنامہ نہ ہو، یہی بہت بڑا کارنامہ ہے کہ دارالعلوم کے مفتیِ اعظم کو متاثر کرلیا۔ میں نے کہا: ''یہ بھی غلط ہے، معاملہ برعکس ہے، دارالعلوم کو مفتی دیا ہی تبلیغی جماعت نے ہے، دارالعلوم کو مفتی کی ضرورت تھی تبلیغی جماعت سے درخواست کی، تبلیغی جماعت نے دارالعلوم کو مفتی دیا، چوں کہ میں تبلیغی پہلے

ہوں، مفتی بعد میں۔''

اس پر انہوں نے فرمایا: اس کام سے فائدہ بھی بہت ہے، بہت سے لوگ بے نمازی تھے، نمازی ہو گئے اور دین کی بہت سی باتیں سیکھ گئے، مگر یہ تو ایسا طریقہ ہے کہ بیج ڈالتے جا رہے ہیں، چڑیاں آ کر چگ گئیں، استحکام استقرار نہیں ہوتا؟

اس پر میں نے کہا: آپ چلہ پر چلیے، میں بھی چلوں، آپ بھی چلیں، جس طرح سے آپ چاہیں گے اس طرح سے کام کریں گے، باقی یہ بات کہ کام کے لیے ایک قدم نہ اٹھائیں اور مکان پر بیٹھ کر اعتراض کریں، تو ہمارے یہاں ایسے اعتراض کی کوئی حیثیت نہیں، بالکل ناقابلِ التفات ہے۔

(افریقہ اور خدماتِ فقیہ الامت ج ۲ ص ۴۵۸۔۴۶۰)

ایک واقعہ سُنایا کہ ایک دفعہ دارالعلوم میں غلہ اسکیم کا جلسہ تھا، اساتذہ جمع تھے، وہاں یہ بات نکل آئی کہ تبلیغ والے عجیب ہیں، اجتماع میں بڑے بڑے علماء شیوخِ حدیث موجود ہوتے ہیں، لیکن بیان کسی تبلیغی کارکن کا رکھتے ہیں، جس نے وقت لگایا ہو، چار مہینے چلہ، خواہ وہ عالم نہ ہو، جاہل ہو، یہ تو علماء کی توہین ہے، غلط ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا: مولانا انعام الحسن صاحبؒ جو جماعت کے امیر ہیں، وہ ہمارے ہی علماء میں سے ہیں، ہمارے اکابر کے صحبت یافتہ ہیں، ان کے پاس چلیں، ان سے بات کریں، وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ بعض علماء نے فرمایا: آپ وہاں جاتے رہتے ہیں ان سے بات کرلیں۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا: اگر یہیں اس کا جواب مل جائے تو کیسا ہے؟ پھر فرمایا کہ یہاں دارالعلوم میں غلہ اسکیم کا جو جلسہ ہوتا ہے اس میں کس کا بیان ہوتا ہے؟ کیا سب سے بڑے عالم کا ہوتا ہے؟ اس میں اس کا

بیان ہوتا ہے جس کے بیان سے زیادہ غلہ ملے، کیوں کہ مقصود اس سے زیادہ غلہ حاصل کرنا ہے، اسی طرح تبلیغی اجتماع میں جو جماعت میں نکلنے کے فوائد اچھی طرح سمجھا سکتا ہو اس کا بیان رکھتے ہیں، تا کہ زیاہ سے زیادہ لوگ جماعت میں نکلیں اور ان کی اصلاح ہو، اور وہ یہ کام کرنے لگیں، ظاہر ہے کہ یہ وہی کرسکتا ہے جو جماعت میں خود نکلا ہو، نکلتا ہو یا خاص طور سے جب کہ وہ عام آدمی ہو تو سامعین دیکھیں گے کہ یہ عالم بھی نہیں، لیکن جماعت میں "نکلنے" سے اس کی ایسی اصلاح ہوئی اور ماشاء اللہ! اب ایسی اچھی فکر رکھتا ہے اور اس کام کی ضرورت اچھی طرح سمجھتا ہے تو اس سے اور فائدہ ہوگا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے یہ جواب دیا تو بعض علماء نے فرمایا: آپ تبلیغ والوں کی حمایت کرنے لگے؟ حضرت نے فرمایا: یہ بے جا حمایت نہیں ہے، بلکہ حقیقت ہے۔ (انتھی بمعناہ)

حضرت کو دعوت تبلیغ سے بہت گہرا تعلق تھا، حضرت کی سوانح میں مفتی محمد فاروق میرٹھی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

دعوت وتبلیغ

حضرت والا کی تمام زندگی ہی درس و افتاء، تزکیہ نفس وتربیت باطن، وعظ و ارشاد کے ساتھ ساتھ ہی دعوت وتبلیغ میں گزری، حضرت والا تمام امت کے لیے دعوت و تبلیغ کو بہت ضروری خیال فرماتے تھے اور اکثر اس کی ترغیب دیتے اور تاکید فرمایا کرتے تھے، بہت سے نو فارغین کو تبلیغ میں سال لگانے کا مشورہ دیتے اور قلبی تقاضہ ہوتا کہ ہر ہر فرد دعوت وتبلیغ کو مقصدِ حیات سمجھے۔ (حیاتِ محمود ۲/۱۵۶)

مفتی صاحب رحمہ اللہ کے تبلیغی اسفار

حضرت والا قدس سرہ نے ابتدا میں حضرت الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ کی

ہمراہی میں میوات وغیرہ میں متعدد اسفار فرمائے ہیں اور ان اسفار کے حالات بھی حضرت والا قدس سرہ بڑے لطف سے بیان فرمایا کرتے تھے۔ (ایضا: ۱۶۵/۲)

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ پہاڑی سفر

ایک دفعہ سنایا:

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ میوات میں تشریف لے گئے، پہاڑی سفر تھا، پہاڑ پر چڑھ رہے ہیں، وہاں ایک مولانا تھے، حضرت مولانا ان کو ماموں کہا کرتے تھے، ان کو فکر ہوا کہ اب مولانا چائے کو فرمائیں گے کہاں سے چائے لاؤں گا؟ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ماموں! حضرت نبی کریم ﷺ دین کو پھیلانے کے لیے کتنے پہاڑوں پر چڑھتے ہیں؟ آج پہلی دفعہ ایک پہاڑ پر چڑھنے کا موقع ملا ہے، اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے، اس طرح ان کا ذہن اس طرف لگایا۔

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ سفرِ میوات

ایک دفعہ کا واقعہ سنایا:

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے ساتھ میوات جانا ہوا، سخت ترین گرمی کا زمانہ، پھر دوپہر کا وقت، پہاڑی سفر اور پتھر کے مکان تھے، ایک پتھر کے مکان میں لے کر ٹھہرا دیا، ایک چارپائی پر مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور دوسری چارپائی پر ہم تین آدمی، ابھی حضرت مولاناؒ کی آنکھ لگی ہی تھی کہ ایک بڑا مجمع مصافحہ کے لیے آ گیا، میں نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تکلیف کی وجہ سے ان لوگوں کو روکنا چاہا کہ ابھی حضرت آرام فرما رہے ہیں، بعد میں آنا۔ حضرت مولانا کی آنکھ کھل گئی، تو فرمایا: روکو مت۔ روکو مت۔ اور فرمایا: داشت کرو، آنے دو، آنے۔ اور کھڑے ہو کر ایک ایک سے مصافحہ فرمایا

اور خیریت دریافت فرمائی، پھر ان کو رخصت فرمایا اور فرمایا: مولوی محمود! جب تک طالب کے قلب میں اپنی اتنی قدر نہ پیدا کردو کہ وہ تمھاری جوتیوں کو چپاتی سمجھنے لگے، تب تک ان پر سختی کرنے کا حق نہیں۔ (ایضاً)

حضرت مولانا الیاسؒ کے ساتھ ایک سفر میں وعظ پر ہنگامہ

ایک سفر کا واقعہ سُنایا:

ایک جگہ جانا ہوا، درمیان میں جمعہ کا دن آیا، جمعہ کی نماز راستہ میں ایک بستی میں پڑھنی تھی، وہاں ٹھہرنا نہیں تھا، صرف جمعہ کی نماز پڑھنی تھی، مگر وہاں پہلے سے خبر پہنچ گئی، کچھ بھائی لوگ (مخالفین) بھی وہاں موجود تھے، انہوں نے جب ہم لوگوں کو دیکھا تو کہنے لگے، اوہو! یہ آرہے ہیں، شور کرنا شروع کردیا کہ تقریر نہیں ہوسکتی (مولانا الیاس صاحبؒ اور ہم لوگوں کی)۔ کسی نے کہا ضرور ہوگی، کسی نے کہا نہیں ہوگی، مسجد میں پہنچے تو یہی ہنگامہ، وہاں کے امام صاحب کہنے لگے، آج مولانا صاحب آئے ہوئے ہیں، یہ تقریر کریں گے اور نماز پڑھائیں گے تو اس سے ان کی شان نہیں بڑھ جائے گی، ان کے جانے کے بعد تو میں ہی ہوں ٹوٹا پھوٹا قاضی، اس پر کسی نے کہا تقریر نہیں ہوگی، میں نے کھڑے ہوکر کہا تقریر نہیں ہوگی، مولانا تقریر کرنے کے لیے تشریف نہیں لائے ہیں اور امام صاحب سے کہا نماز آپ پڑھائیں گے، بلکہ وہ آپ کے پیچھے پڑھیں گے، اس کے بعد امام صاحب نے نماز شروع کی، نماز کے فوراً بعد کسی نے کہا مولانا کا وعظ ہوگا۔ ادھر سے کسی نے کہا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اس طرح شوروشغب مسجد میں ہوتا رہا، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اطمینان سے سنتیں پڑھتے رہے، سنتوں سے فارغ ہوکر کھڑے ہوئے اور ہم سے خطاب فرمایا: کیوں بھئی! تقریر کرنے پر اتنا اصرار کیوں

ہے؟ کیا تم لوگوں کا کام تقریر کرنا ہے؟ میں نے کہا: حضرت! بالکل نہیں، یہاں تقریر نہیں ہوگی، ہم تقریر کرنے نہیں آئے، ہمارا کام صرف تقریر کرنا نہیں ہے۔ اس پر مولانا نے فرمایا: ہاں! بالکل نہیں، ہمارا کام تقریر کرنا نہیں اور نہ ہم تقریر کرنا جانتے ہیں، ہم تو صرف اتنی سی بات کہتے ہیں اور اتنی سی بات ہم کو کہنی ہے، وہ یہ کہ ..... اور اس.....، اتنی سی بات کو ڈیڑھ گھنٹہ میں بیان فرمایا: لوگ موجود تھے، پولیس بھی موجود تھی، مگر جو جہاں تھا اسی حالت میں ہکا بکا اور ساکت رہ گیا۔ ڈیڑھ گھنٹہ بیان فرمانے کے بعد کہا: بس اتنی سی بات کہنی تھی اور کچھ نہیں کہنا، ہم جا رہے ہیں۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

(ایضاً ۱۶۶/۲ و ملفوظات ۵۴/۵)

چند اقتباسات

اقتباس وعظ حضرت فقیہ الامت

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر خطبہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا: میں آج کے بعد تم لوگوں کے ساتھ شاید جمع نہ ہو سکوں، تم سے پوچھا جائے گا میرے بارے میں کہ احکام خداوندی تم تک پہنچائے یا نہیں؟ تم کیا جواب دو گے؟ سب نے جواب دیا ہم جواب دیں گے کہ آپ نے سب احکامات ہم تک پہنچا دیے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر فرمایا: "اللّٰھم، اشھد. اللّٰھم، اشھد. اللّٰھم، اشھد". اے اللہ! گواہ ہو جا۔ میں نے تیرے سب احکام تیرے بندوں تک پہنچا دیے، کسی کو چھپایا نہیں اور پھر حاضرین کو حکم فرمایا: "ألا فلیبلغ الشاھد منکم الغائب"، خبردار! تم میں جو حاضرین ہیں وہ غائبین تک پہنچا دیں، جو ذمہ داری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، اب وہ ذمہ داری تمام صحابہ کرام رضوان اللہ

علیہم اجمعین پر ڈال دی گئی کہ جو حاضر ہیں، موجود ہیں، وہ دوسروں تک بھی ان احکام کو پہنچادیں، یہ سن کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک بڑی جماعت تبلیغ کے لیے وہیں سے نکل کھڑی ہوئی، دور دراز ملکوں میں اللہ کے احکام کو پہنچانے کے لیے، جو پھر اپنے گھر نہیں لوٹے، ساری عمر واپس نہیں آئے، ساری زندگی اسلام کی اشاعت میں لگا دی، ہر صحابی نے تبلیغ کو اپنی زندگی کا اصل مقصد بنالیا، تجارت بھی کرتے تھے، مگر تبلیغ کو مقدم رکھتے تھے، تجارت میں تبلیغ کرتے جاتے، لوگ ان کی عادات اور خصلتوں کو دیکھ کر اسلام میں داخل ہوتے جاتے، جہاں جاتے اسلام پھیلتا جاتا، دین زندہ ہوتا جاتا، آج کل ہم لوگوں کے ساتھ دوکان داری اور ملازمت لگی ہوئی ہے، کھیتی باڑی لگی ہوئی ہے اور کتنے دھندے ساتھ لگے ہوئے ہیں اور ان چیزوں میں ایسے مشغول ہوئے، روپیہ کمانے میں ایسے لگے کہ تبلیغ کا خیال تک نہیں آیا، انہیں چیزوں کو اصل مقصدِ زندگی بنالیا، جو چیزیں خادم تھیں ان کو مقصود ومخدوم بنالیا، اس لیے ضرورت ہے کہ جس چیز کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر دنیا میں تشریف لائے، جو ذمہ داری صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر ڈالی گئی، اس مقصد کو اپنا مقصد بنالیں، اس فکر کو اپنی فکر بنالیں، کام دھندے بھی کریں، مگر ذہن تبلیغ میں مشغول ہو، کہ دین ہی کے لیے بھیجا گیا ہے، تجارت کی اجازت دی گئی ہے، تجارت خادم، دین مخدوم ومقصود، مگر آج ہمارے یہاں تجارت مقصود ہے، مال و دولت کی ہوس اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ دوکانوں پر دوکانیں بڑھائے چلے جاتے ہیں، حالاں کہ تجارت تو گزارہ کے لیے تھی کہ جو نفقہ واجبہ ہے، اس کو ادا کریں اور تاکہ کسی کا مال غصب نہ کریں، حلال روزی حاصل ہو، اللہ کے دین کے لیے خرچ کریں، باقی وقت دین کے لیے صرف کریں، اس لیے ضرورت ہے کہ اپنے

اوقات اور اذہان کو فارغ کر کے کچھ وقت تبلیغ میں لگائیں، تب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم اجمعین کی حیاتِ مبارکہ سمجھ میں آئے گی۔

(حیاتِ محمود: ۲/ ۱۵۷، وافریقہ اور خدماتِ فقیہ الامت: ۲/ ۵۳۰)

حضرت رحمہ اللہ کے ایک وعظ کا اقتباس

مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ رات کو اٹھے پوری رات ٹہلتے رہے اور فرماتے تھے، ہائے! میں کیا کروں؟ ہائے! میں کیا کروں؟ اہلیہ کی آنکھ کھل گئی، عرض کیا، کیا بات ہے؟ کیا درد ہے؟ کیا پریشانی ہے؟ فرمایا: اللہ کی بندی! تو اٹھ جا، اللہ کے سامنے رونے والی چار آنکھیں ہو جائیں گی۔ میں نے امتِ محمدیہ کے خون کی نہریں دیکھی ہیں، اسی غم و فکر میں رہتے، آج ہم غور کریں، جس غم کو لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے وہ غم ہمارے اندر کتنا ہے؟ یہی اصل خزانہ ہے، مال و دولت کوئی خزانہ نہیں، بڑے بڑے مکانات کا ہونا خزانہ نہیں، روپیہ پیسہ کا ہونا خزانہ نہیں، اصل خزانہ یہ ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر کو اپنی فکر بنائیں، آپ ﷺ کے غم کو اپنا غم بنائیں، جو فکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر تھی، وہ جتنی جس کے اندر ہوگی، اتنا ہی وہ مقبول ہوگا، جس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلیفیں برداشت فرمائیں، گالیاں سنیں، کفارِ مکہ نے تعلقات بند کر دیے، سب برداشت کیا، کفار نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ستایا کوڑے مارے، ابوجہل نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی والدہ کی شرم گاہ پر نیزہ مارا کہ ہلاک ہوگئیں، حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو کفارِ مکہ نے زمین میں گڑھا کر کے اس میں آگ جلا کر اس پر لٹا دیا کہ آگ سے چربی پگھلی، جس سے آگ بجھی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کوڑے مارے جاتے

تھے، زمین پر گھسیٹا جاتا، کیا قصور تھا ان حضرات کا؟ یہی کہ وہ ایک خدا کو مانتے تھے، اس کی دعوت دیتے تھے، اسی وجہ سے ان کو ستایا جاتا تھا اور اتنا ستایا کہ قتل کے منصوبے بنائے، وطن چھوڑنے پر مجبور کیا، اس پر بھی بس نہ کیا، ہجرت فرمانے کے بعد بھی چین سے نہیں رہنے دیا، مدینہ پر چڑھائی کرتے رہے، کبھی بدر میں، کبھی احد میں، کبھی خندق میں جا کر چڑھتے رہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین برابر مقابلہ کرتے رہے۔ جو غم تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ کم نہیں ہوا، وہ برابر بڑھتا ہی رہا، اس لیے جو اللہ کا جتنا قرب چاہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غم کو اپنا غم بنائے، حضرت مولانا الیاس صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس وقت سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ جو دل دین کی طلب سے خالی ہیں ان دلوں میں دین کی طلب پیدا کر دی جائے، تاکہ وہ خود بھی عمل کریں اور دوسروں کے دلوں میں یہی طلب پیدا کریں اور جہاد کا مقصد بھی یہی ہے، جہاد یہی نہیں کہ قتال کیا جائے، گو کبھی تلوار کی ضرورت پڑتی ہے، مگر وہ اصل نہیں، مقصد تو اللہ کے دین کو بلند کرنا ہے کہ دین کو غلبہ ہو جائے، اتنی محنت اور جہد و جہد کی جائے کہ یا تو دین غالب ہو جائے یا خود ختم ہو جائے، قرآن شریف میں ہے:

﴿وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾. (سورۃ النساء: آیت نمبر ۷۴)

''اور جو شخص اللہ کی راہ میں لڑے گا، پھر خواہ جان سے مارا جائے یا غالب آ جائے، ہم اس کو اجرِ عظیم دیں گے۔''

یہ ہے مقصد، اسی کے لیے مسلمان دنیا میں آیا ہے، مغلوب ہو کر رہنے کے لیے دنیا میں نہیں آیا۔

قیامت میں رجسٹر کھولا جائے گا کس کے ہاتھ پر کتنے مسلمان ہوئے؟ اس رجسٹر میں بھی اپنا نام آنا چاہیے، آج ہم سفر کرتے ہیں سیر و سیاحت کے لیے، تجارت کے لیے، کاروبار کے لیے، کبھی یہ بھی تو ہو کہ اللہ کے دین کو پھیلانے کے لیے سفر ہو، کتنی راتیں کھیت پر گزارتے ہیں، کاروبار میں گزارتے ہیں، سوچیں کہ اللہ کے دین کے لیے کتنی راتیں گزاریں؟

ایک شخص نے پوچھا کرکٹ کھیلنا کیسا ہے؟ میں نے اس کو جواب دیا: اللہ کے بندے! ذرا سوچو، ایک جگہ گولا باری ہونے والی ہے، ایک شخص کو جہاز دے کر بھیجا کہ وہاں لوگوں کو جلدی جا کر بچاؤ، وہ وہاں جانے کے بجائے راستے میں کھیل میں لگ جائے اور دشمن ان لوگوں کو ہلاک کر ڈالیں، یہ کھیل میں لگا رہا، یہ کیسا ہے؟ یہی حال مسلمان کا ہے، کیا مسلمان کو اس لیے بھیجا؟ تمہارے ذریعہ کتنوں کی جانیں بچ سکتی ہیں؟ کتنے لوگ جہنم میں جا رہے ہیں، کوشش کر کے کتنوں کو جہنم سے بچایا جا سکتا ہے؟ مگر تم لوگ کھیل کود میں لگ گئے، کمانے میں لگ گئے، کیا یہ چیزیں قبر میں جائیں گی؟ کیا یہ چیزیں مرنے سے بچائیں گی؟ کیا مال دار نہیں مرتے؟ کیا قارون نہیں مرا؟ کتنا مال دار تھا قارون؟ شداد نہیں مرا جس نے جنت کا نمونہ تیار کرایا؟ کیا بڑی بڑی بلڈنگوں والے نہیں مرتے؟ کیا ہامان نہیں مرا؟ کیا حکومت والے نہیں مرتے؟ کیا فرعون نہیں مرا؟ کتنی بڑی تھی اس کی سلطنت؟ جو مرنا ہے اور ضرور مرنا ہے تو کیا یہ چیزیں قبر میں ساتھ جائیں گی؟ ہرگز نہیں جائیں گی، آج تک کسی کے ساتھ نہیں گئیں، اس لیے ضرورت ہے کہ اپنی زندگی کو اصل مقصد پر لگائیں، جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو لگایا۔ (حیات: ۲/۱۵۸ افریقہ اور خدمات: ۲/۵۳۷)

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی اجتماعات میں شرکت،

تین دن کے لیے جماعت میں نکلنا اور اپنے متعلقین کو جماعت میں نکالنا

مفتی فاروق صاحب مدظلہ لکھتے ہیں:

حضرت والا رات دن اسی فکر اور درد و بے چینی میں گزارتے تھے، کان پور قیام کے زمانہ میں وہاں مرکز تبلیغ میں ہفتہ واری اجتماع میں ضرور شرکت فرماتے، حسب مشورہ بیان بھی ہوتا، تبلیغی احباب کے ساتھ مشوروں میں بھی شریک رہتے اور احباب کو لے کر مرکز نظام الدین بھی مشوروں میں شرکت فرماتے اور سہ روزہ جماعتوں میں تشریف لے جاتے، سالانہ اجتماعات وغیرہ میں بھی شرکت فرماتے، بیان بھی حسبِ مشورہ حضرت والا کا ہوتا، اجتماع میں ہونے والے تمام بیان بغور سماعت فرماتے، سہارن پور، مظفرنگر اور ملک کے دیگر علاقوں میں ہونے والے اجتماعات میں حسبِ موقع شرکت فرماتے، غیر ملکی سفر کے دوران وہاں مرکزِ تبلیغ میں ہفتہ واری اجتماع اور سالانہ اجتماعات میں بھی برابر شرکت فرماتے اور بیان بھی فرماتے اور وہاں کے احباب کو مفید مشوروں سے نوازتے، کان پور کی جامع مسجد، جو کہ مدرسہ جامع العلوم کی مسجد تھی، حضرت نے اپنے انتظام سے وہاں سالانہ اجتماع کرایا اور مدرسہ کے اس سال کے فارغین مولانا انوار صاحب اور مولانا عبدالغنی صاحب وغیرہ کو چلّے کے لیے بھیجا اور تعلق والے احباب کی ایک بڑی جماعت اپنی فکر سے چلّے کے لیے نکالی اور جب تک وہاں قیام رہا ملنے جلنے والے احباب کو زور دے کر جماعتوں میں برابر بھیجتے رہے، بلکہ جن دیہاتوں میں تشریف لے جاتے تھے، وہاں اہلِ تعلق کو جماعتوں میں نکلنے کی ترغیب فرماتے رہے۔

تبلیغی جماعت کے متعلق سیدی ومولائی

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی مدظلہ کا مکتوب گرامی

مولانا احتشام الحق کاندھلویؒ کے نام

مکرم ومحترم! زیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج گرامی بعافیت ہوگا، باعثِ تحریر آنکہ آپ کا رسالہ ''زندگی کی صراطِ مستقیم'' ملا، چھپنے سے پہلے بھی اس کا مطالعہ کیا تھا اور آپ کے دیگر رسائل کی طرح اس کو بحیثیت مجموعی نافع سمجھا تھا، اختتامی دستخط کے بعد جہاں تک میں نے دیکھا تھا، اب بطورِ ضمیمہ بعنوان ''نہایت ضروری تنبیہ'' اضافہ کرکے اس کو شائع کیا گیا ہے، اس میں میرا نام بطورِ گواہ تصدیق پیش کیا گیا ہے، جس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے کہ مجھے اس ضمیمہ سے اتفاق ہے، حالاں کہ نہ میں نے اس کو دیکھا تھا، نہ اس وقت تک اس کو لکھا گیا تھا، نہ مجھے اس سے اتفاق ہے، اس لیے اسی کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔

حضرت اقدس مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ نے جس نہج پر نظام الدین سے تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا تھا، اس سے تو آپ کو پورا اتفاق ہے، کیوں کہ بقولِ خود آپ اس کے روح رواں تھے اور آپ کے خیال میں آپ کے اب تک کے رسائل سے موجودہ تبلیغ کی حمایت مقصود نہیں اور آپ کے نزدیک حضرت کے وقت میں وہ تبلیغ بدعتِ حسنہ کے درجہ میں تھی اور اب اس میں منکرات شامل ہیں اور یہ ایک غلط چیز ہے، جو دین کے نام پر پھیل رہی ہے اور اس کی وجہ سے ملت تباہی و بربادی میں مبتلا ہو رہی ہے، اس لیے اب یہ بدعتِ حسنہ بھی نہیں۔ (جس کا ماحصل یہ ہے کہ یہ بدعتِ سیئہ اور

بدعتِ ضلالت ہے) اب جو علماء تبلیغ میں شریک ہیں، ان کی ذمہ داری ہے کہ اس کو قرآن وحدیث، ائمہ سلف اور علمائے حق کے مطابق کریں۔(جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ تبلیغ نہ قرآن کے مطابق ہے، نہ حدیث کے نہ ائمہ سلف کے، نہ علمائے حق کے)۔

آپ نے مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا نام بھی لکھا ہے کہ ان کو یہ رسالہ دیکھنے اور تصدیق کرنے کے لیے بھیجا اور آپ نے ان سے بھی اس کی صحت کا اطمینان کرلیا، حالاں کہ مولانا موصوف نے سہارن پور کے بڑے اجتماع میں کئی گھنٹے تقریر فرمائی اور اس موجودہ تبلیغ کے جملہ اصول کو قرآن پاک اور حدیث شریف سے مؤید ومؤکد فرمایا، اب قریب ہی مظفر نگر کے اجتماع میں انہوں نے شرکت اور تقریر فرمائی اور یہاں دیوبند کے مقامی اجتماعات میں بھی شرکت فرماتے رہتے ہیں اور نظام الدین جانے کی ترغیب بھی دیتے ہیں اور خود اپنی خواہش بھی ظاہر فرمائی، جن لوگوں نے حضرت مہتمم صاحب کی براہِ راست تقریر سُنی اور سنتے رہتے ہیں وہ آپ کے رسالہ کا یہ ضمیمہ دیکھ کر کیا رائے قائم کریں گے؟

آپ اس تبلیغ کو قرآن پاک اور حدیث شریف کے خلاف فرما کر اس کو ملت کی تباہی کا ذریعہ تحریر فرمارہے ہیں اور حضرت مہتمم صاحب سے اپنے رسالہ کی صحت کا اطمینان بھی کر چکے ہیں، اگر حضرت مہتمم صاحب اس کو قرآن پاک اور حدیث شریف کے موافق ، بے شمار رحمتوں کے نزول کا باعث اور آفات وبلیات سے حفاظت کا ذریعہ قرار دے رہے ہیں تو پھر اس کی جوز دفطرۃً پڑنی چاہیے وہ پڑے گی، آپ نے واضح طور پر یہ نہیں فرمایا کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ کی وفات کے کتنے عرصے بعد یہ تبلیغ بدعتِ حسنہ کی حد سے خارج ہو کر بدعتِ ضلالت اور ملت کی تباہی کا ذریعہ

بن گئی، کیا متصلاً ہی ایسا ہوا؟

خدانکردہ یہ ایسی بات نہ ہو، جیسی ایک گروہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی چند اہلِ بیت کے سواب سب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین صراطِ مستقیم سے ہٹ گئے اور گم راہی میں مبتلا ہو گئے (نعوذ باللہ)۔ لیکن وہاں تو منشا یہ تھا کہ وہ گروہ خلافت کو بزعمِ خود حق اہلِ بیت تصور کرتا تھا اور جن کو بمشورہ ارباب حل وعقد خلیفہ بنایا گیا اور باجماع خلیفہ تسلیم کیا گیا، ان کو (معاذ اللہ) غاصب کہتا تھا، مگر یہاں کا تو معاملہ برعکس ہے۔

میں اب تک یہی سمجھتا رہا کہ خرابیِ صحت کی وجہ سے آپ نے کاندھلہ مستقل قیام فرمایا اور نظام الدین کا قیام ترک کر دیا اور اسی وجہ سے تبلیغی کام میں حصہ نہیں لے سکتے، مگر اس ضمیمہ سے معلوم ہوا کہ حصہ نہ لینے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے نزدیک یہ تبلیغ دینی کام نہیں، بلکہ مخرب دین ہے، مگر تعجب ہے کہ جس کام سے آپ کو گہرا تعلق تھا اور جس پر آپ نے محنت بھی کی اس کو خراب ہوتے اور اجڑتے ہوئے بیسیوں برس صبر وسکون سے کیسے دیکھتے رہے اور کوئی تحریر اس کے خلاف شائع نہیں کی اور لطف یہ ہے کہ قوم آپ کے رسائل کو اس کا مؤید سمجھتی رہی۔

کام میں اگر خرابی آئی تھی تو اس کی اصلاح کچھ دشوار نہیں تھی، حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ، حضرت حافظ فخر الدین صاحبؒ، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہ، حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کے متحدہ مشورہ سے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہ کو اس کام کا ذمہ دار بنایا گیا تھا، یہ سب حضرات ان پر مطمئن تھے اور ان کی فطری صلاحیتوں سے واقف تھے اور وہ مرحوم اپنے علو مرتبت کے باوجود عمرو

رشتہ کے اعتبار سے آپ کے خورد، بلکہ آپ کے پروردہ تھے، ان پر آپ کا حق تھا، فہمائش سے کام نہ چلتا تو آپ قوت کے ساتھ بھی کہہ سکتے تھے اور وہ اپنی غایتِ سعادت اور مرتبہ کی رعایت کے پیشِ نظر آپ کی بات کو ہرگز نا قابلِ التفات نہ قرار دیتے، بلکہ اس پر غور فرماتے اور دلائل کی روشنی میں جو چیز قابلِ اصلاح سمجھتے وہ ضرور اصلاح فرمالیتے، وہ تو مشوروں کے بہت عادی تھے، معمولی معمولی آدمیوں کے مشورہ کی بھی بہت قدر فرمایا کرتے تھے، کام سے تعلق رکھنے والے خاص کر نظام الدین کے حاضر باش سب ہی اس چیز سے واقف تھے کہ ﴿أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ پر کس مضبوطی سے عامل تھے؟

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ کے وقت سے برابر یہ طرز چلا آرہا ہے کہ شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم سے مشورہ ہوتا ہے اور اسی سابق طرز پر اجتماعات، تعلیمی حلقے، علمی مذاکرے، تشکیلیں، شب گزاری، جماعتوں کی چلت پھرت وغیرہ سب اجزا اسی طرح جاری ہیں، اصل کام کرنے والے بڑی تعداد میں وہی ہیں جن اکابر کے مشورہ سے ان کے سر ذمہ داری عائد ہوئی تھی، ان کے علاوہ حضرت مدنی، مفتی کفایت اللہ صاحب، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب رحمہم اللہ وغیرہم بھی برابر تائید ونصرت فرماتے رہے، کسی کو خیال نہ آیا کہ دین کے نام پر غلط چیز پھیل رہی ہے اور اس سے ملت تباہ وبرباد ہورہی ہے، کیا یہ سارے حضرات قرآن وحدیث اور سارے دین سے نا آشنا اور بے خبر تھے، پھر بھی آپ نے کبھی ان کو متنبہ نہیں کیا، حالاں کہ یہ خود آپ کے بھی اکابر تھے، آپ کی ذمہ داری تھی کہ اگر یہ سب اکابر غلط چیز کی تائید فرمارہے تھے تو آپ ان کو متنبہ فرماتے، آپ کے دو بھائی اس میں پوری قوت سے لگے ہوئے ہیں، ان کا بھی آپ کے ذمہ حق تھا۔

غرض آپ کا علمی خاندان، نسبی خاندان، جن میں آپ کے بڑے بھائی بھی ہیں اور چھوٹے بھی ہیں، یہ سب آپ کے نزدیک غلط راستے پر چلتے رہے اور غلط چیز کو دین کے نام پر پھیلاتے اور اس کی تائید اور نصرت کرتے رہے، مگر آپ نے ان کو توجہ نہ دلائی، اگر آپ ان کو توجہ دلاتے اور اپنی بات کو دلائل کے ساتھ پیش کرتے اور وہ بات ان کے نزدیک صحیح ہوتی تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ قادیانیت، خاکساریت، مودودیت، رضاخانیت کی طرح اس کی بھی تردید نہ فرماتے، ان سب حضرات کے ایک طرف ہونے اور آپ کے دوسری طرف ہونے سے شبہ ہوتا ہے کہ کبھی معاملہ برعکس ہو۔

غرض آپ کی تحریر سے سخت حیرت ہے کہ اساتذہ متحد، مشائخ متحد، مشرب متحد، مذہب متحد، تربیت متحد، پھر بھی آپ ان سب سے بعید؟!

تبلیغی کام کسی خاص طبقہ کی ہی اصلاح کا ذریعہ نہیں، بلکہ تمام دین کے احیاء اور تمام مسلمانوں کی اصلاح اور پختگی کا ذریعہ ہے اور دائرہ اسلام کی بیش از بیش وسعت کا ذریعہ ہے اور دیگر اقوام کے مطالعہ کا ذریعہ ہے کہ جو غلط چیزیں، غلط ماحول اور جہالت کی وجہ سے لوگوں میں پھیل گئی ہیں، ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، چوں کہ یہ کام بہت عمومی حیثیت رکھتا ہے، ہر قسم کے آدمی اس میں آتے اور کام کرتے ہیں اور ہر ایک کی اصلاح اس کے حوصلہ کے موافق ہوتی ہے، اس لیے بے علم اور باعلم، ذہین اور غبی، نئے اور پرانے، تجربہ کار اور بے تجربہ، متقی اور غیر متقی، ذاکر اور غافل، نستعلیق اور شکستہ، شہری اور دیہاتی، شستہ زبان اور اکھڑ، سب کو تنقید کرتے وقت ایک معیار پر جانچنا اور ایک وزن سے تولنا صحیح نہیں، بلکہ اصولاً غلط ہے، کسی سے اگر کوتاہی ہو جائے، تو اس کو اصول نہیں قرار دیا جا سکتا، بلکہ اصلاح کی طرف متوجہ کیا جائے گا۔

آپ کی اس تحریر سے ان شاء اللہ کام کرنے والوں کے بددل ہوجانے کا اندیشہ تو نہیں، کیوں کہ ان میں جو اہلِ علم ہیں، وہ دلائلِ حقہ کی روشنی میں علی وجہ البصیرت کام کررہے ہیں، آپ کی مجمل تحریر سے ان کے دلائل میں اضمحلال پیدا نہیں ہوگا اور جو بے علم ہیں وہ اپنی عملی اور اخلاقی حالت کو بہتر سے بہتر ترقی پر دیکھتے ہیں اور ان کے ایمان میں قوت پیدا ہوتی ہے، جس سے یقین میں پختگی آتی ہے اور اللہ پاک کی رحمتیں ان پر نازل ہوتی ہیں، بے علم ہونے کے باوجود ان کو یہ چیزیں روزانہ زیادہ سے زیادہ اس کام پر مستعد کرتی ہیں۔

لیکن یہ اندیشہ ضرور ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ نے جس کام کی خاطر زندگی قربان کردی اور اپنے زمانہ کے اکابر، عرفاء، اہلِ نسبت، اہلِ علم حضرات سے اس کی صحت وحقانیت اور مقبولیت کو تسلیم کرالیا اور اس کو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہ کے سپرد فرمایا، اس کے متعلق جو یہ رائے قائم کی جائے کہ یہ دین کے نام پر ایک غلط چیز پھیل رہی ہے اور اس سے ملت تباہی وبربادی میں مبتلا ہورہی ہے تو ان کی روح کو کتنا زبردست صدمہ پہنچے گا اور جو روحانی رابطہ ان کے ساتھ تھا وہ کیسے قائم رہ سکے گا؟ میرے کہنے کی بات نہیں کہ چھوٹا منہ بڑی بات ہے، مگر آپ کی تحریر نے مجبور کیا۔

آپ کا ایک مضمون رسالہ ''تذکرہ'' میں بھی دیکھا، جس میں جماعتِ اسلامی کی ابتدائی داستان آپ نے بیان کی ہے اور اس کے دستور کا ماخذ اپنی ہی تحریر کو قرار دیا ہے اور اس میں مودودی صاحب کی ملاقات اور ملاقات کی محویت میں ہردو کا نماز سے بے ہوش ہوجانا بھی مذکور ہے، اور یہ مقام مدح میں ہے، یاللعجب۔

بہرحال اس کے متعلق اس خط میں کچھ عرض کرنا نہیں، ضرورت ہوئی تو پھر سہی، جواب کے لیے لفافہ ارسال ہے۔

احقر محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند ۳، ربیع الآخر ۱۳۸۷ھ

حضرت مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ اور مولانا انعام الحسن کو تبلیغ میں لگانا

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نور اللہ مرقدھما امیرِ تبلیغ شروع میں جماعتِ تبلیغ کی طرف زیادہ متوجہ نہیں تھے، علمی انہاک زیادہ تھا، حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہ نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو ہی مقرر فرمایا کہ ان کو تبلیغ کی طرف متوجہ کریں، چناں چہ حضرت والا قدس سرہ نے تدبیر وحکمت کے ساتھ مختلف مجالس میں گفتگو فرمائی اور اشکالات اور شبہات کو دور فرمایا اور ہر دو حضرات کو تبلیغ کی طرف فرمایا، چناں چہ ایک موقع پر جب کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب قدس سرہ ہردوئی اسٹیشن سے ٹرین سے گزر رہے تھے اور حضرت والا قدس سرہ ہردوئی قیام فرماتے تھے، حضرت والا ہردوئی شہر سے ایک بڑا مجمع لے کر اسٹیشن پر ملاقات کے لیے تشریف لیے گئے، حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی نظر جب حضرت مفتی صاحب قدس سرہ پر پڑی، آپ نے قریب بلایا اور فرمایا: بہت سے سوالات جمع ہو رہے ہیں، پہلے ان کو حل کرنا، بعد میں کسی سے ملاقات ہوگی، چناں چہ حضرت مفتی صاحبؒ نے ان تمام مسائل کو جلدی جلدی حل فرمایا، اس کے بعد دوسرے حضرات سے مصافحہ ہوا، حضرت مولانا قدس سرہ نے حضرت مفتی صاحبؒ سے فرمایا کہ پہلے تو ہمارے پیچھے پڑے رہتے تھے اور ہم کو ادھر لگا کر خود پیچھے ہٹ گئے، اب ہماری خبر نہیں لیتے حضرت

مفتی صاحبؒ نے فرمایا: ہمارے حوالے جو کام کیا گیا تھا، ہم نے اس کو انجام دے دیا اور ہم اس میں کامیاب ہیں اور کسی ایک کونے میں پڑا رہنے دیجیے، تا کہ کتابیں دیکھتے رہیں، ورنہ کوئی مسائل بتانے والا بھی نہیں ملے گا۔

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنے اشکالات ختم ہونے اور تبلیغی کام کے لیے شرح صدر ہونے پر خوشی میں ایک جوڑا کرتا پائجامہ بنوا کر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی خدمت میں پیش فرمایا۔

حضرت والا قدس سرہ تبلیغی جماعت کی ابتدا میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی معیت میں حضرت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ کے مشوروں میں بھی شریک رہے اور حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کے مرض الوفات میں تقریباً ایک ماہ حضرت نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں مرکز نظام الدین مستقل قیام فرمایا۔ (حیات ۱۶۲/۲)

ہم بم ساز ہیں، تم بم بار ہو:

حضرت مولانا انعام الحسنؒ نے ایک موقع پر سُنایا تھا کہ حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ نے سُنایا تھا کہ ہم بم ساز ہیں (کہ مدارس میں علماء کو تیار کرتے ہیں) اور تم بم بار ہو (کہ ان علماء کو مختلف ممالک میں تبلیغ کے لیے بھیج دیتے ہیں)۔

(افریقہ اور خدماتِ فقیہ الامت ۱۷۰/۱)

تبلیغی جماعت کو نصیحت

جو جماعتیں حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہو کر نصیحت کی درخواست کرتیں، حضرت والا ان کو نصیحت فرماتے، وہ نصائح بھی رہنما اصول کی حیثیت رکھتی ہیں، ایک جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''دیکھو! اصول کی پابندی کرنا، وقت کی نگرانی کرنا، اسے ضائع نہ ہونے دینا، اگر ایسا نہ کیا، بلکہ ادھر ادھر کی بکواس میں وقت ضائع کر دیا تو یہ کام آوارہ گردی میں تبدیل ہو جائے گا، اس کام کی مثال شیشہ کے گلاس جیسی ہے کہ وہ صاف شفاف بھی ہوتا ہے، قیمتی بھی ہوتا ہے اور نازک بھی ہوتا ہے، ٹوٹ جاتا ہے تو جڑنا مشکل ہو جاتا ہے، اس لیے بہت احتیاط کی ضرورت ہے اور دیکھو! کسی مشغول آدمی کو نہ چھیڑنا، مثلاً ایک آدمی سودا لے رہا ہے تو اس سے ہرگز گفتگو نہ کرو، جب تک وہ فارغ نہ ہو جائے، کیوں کہ مشاغل انسان کے لیے ایسے ہیں، جیسے کہ ماں کے لیے بچے، اگر اس کی گود سے بچے کو چھڑا کر ایک طرف پھینک دو، پھر اس سے کہو کہ میری بات سن، تو کیا وہ سنے گی؟ ہرگز نہیں، اس لیے کہ اس کے جگر کے ٹکڑے کو تو آپ نے پھینک دیا، اسی طرح مشاغل انسان کی اولاد ہیں، خصوصاً علماء کے اوقات کی رعایت بہت ضروری ہے، ان کا وقت ضائع نہ کیا جائے، اگر ان کے پاس آؤ تو ان کے درس میں بیٹھو، دیکھو کہ یہ وہ ہیں کہ جنہوں نے اللہ کے لیے دس سال لگا رکھے ہیں، ان کا احترام کرو، کیوں کہ تبلیغی نمبرات میں اکرامِ مسلم مستقل نمبر ہے اور اگر آپ کا مخالف ہے تب بھی اکرام کرو، کیوں کہ ہے تو وہ مسلمان ہی، اسی طرح ذاکرین اور خانقاہوں میں بیٹھنے والوں کی بھی تعظیم کرو، کیوں کہ وہ بھی دین

کے کام میں مشغول ہیں اور ہر وقت اپنی اصلاح کی فکر میں رہا کرو، نہ کہ دوسروں کی اصلاح کی فکر میں"۔ (ایضاً)

ایک جماعت کو نصیحت فرمائی:

"تبلیغی سلسلہ میں چھ باتیں بے حد مفید ہیں، ان چھ باتوں سے دین کے ہر پہلو کا واسطہ ہے، اس لیے ضروری ہے کہ جو شخص تبلیغی جماعت میں جائے وہ ان چھ نمبروں سے باہر نہ نکلے، ساتویں آٹھویں نمبر کی طرف رخ نہ کرے، اس سے خیال بٹ جاتا ہے، حتیٰ کہ تقریر بھی چھ نمبر پر کہنے کی عادت ڈالے، انہیں کی اچھی طرح مشق کرے، اگر کوئی مسئلہ پوچھے تو بتانے میں احتیاط کرے، کہہ دے کہ بھائی! میں دین سیکھنے آیا ہوں، فتویٰ دینا مفتیوں کا کام ہے، مسئلہ انہیں سے معلوم کیا جائے"۔ (ایضاً)

حضرت مفتی صاحبؒ کا ایک خواب

حضرت مفتی صاحبؒ اپنے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"احقر نے خواب میں زیارت کی، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دو کام کرتے رہنا: تعلیم و تبلیغ، جنت میں میرا ساتھی رہے گا۔" قریبی مسجد میں بعد فجر ترجمہ شروع کر رکھا ہے اور تبلیغ کے لیے بھی نمازی آمادہ ہو گئے ہیں، اس پنجشنبہ سے شروع کرنا طے کیا ہے......"۔

حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے اس خط کے جواب میں تحریر فرمایا:

''خواب مبارک ہے، اللہ جل شانہ مبارک فرمائے، جن دو ارکان کا حکم ہے دونوں اہم ہیں، تبلیغ کے متعلق تو میری ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ سہارن پور کی تبلیغی ذمہ داری آپ پر ہو، مگر جتنی دلچسپی کی اس کے لیے ضرورت ہے وہ نہ ہوسکی......''۔

(سوانح حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ از مولانا محمد شاہد صاحب سہارن پوری مدظلہ: ص ۳۵)

فلسطین کے مفتی اعظم کا ایک خواب

جماعت گئی فلسطین، وہاں کے جو مفتی اعظم تھے وہ جماعت کو دیکھتے تھے اور روتے تھے، ان سے پوچھا کیا بات ہے؟ انہوں نے بتلایا کہ میں نے خواب میں زیارت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تیزی سے تشریف لا رہے ہیں، میں نے مصافحہ کیا، انہوں نے اپنا ہاتھ جھٹک دیا اور فرما رہے ہیں میرے مہمان آرہے ہیں میں ان کے پاس جا رہا ہوں، وہ کہتے تھے: میں نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے، اس کو بھی دیکھا ہے، اس کو بھی دیکھا ہے خواب میں، ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مہمان فرمایا اور ان کے مصافحہ کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جا رہے ہیں۔

جاپان جماعت گئی، وہاں کے جو بدھ مذہب کے سردار تھے، وہ آئے اور جماعت کے ساتھ ٹھہرے، شرکت کی اور کہا ہمیں اجازت دو، ہم نماز میں تمہارے ساتھ شرکت کریں گے۔ انہوں نے کہا مجھے میری روح نے بتایا کہ اس پہاڑ سے اتر کر فرشتے آئیں گے، سو تم ہی وہ لوگ ہو جن کو فرشتہ کہا گیا، ان سے پوچھا کہ آپ کے پاس کیا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ میرے پاس بہت کچھ ہے، لیکن اس کے مقابلہ میں خاک نہیں،

کہا جو کچھ ہے وہ تو بتایئے؟ جو امیرِ جماعت تھے ان کی طرف ایک نظر دیکھا تو وہ گر پڑے بے ہوش ہوکر، کہ میرے پاس اتنی طاقت ہے، لیکن یہ جو کچھ آپ لوگ کہتے ہیں: **سُبْحَانَ اللّٰہ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اللّٰہُ اَکْبَرُ** پڑھتے ہیں، ان کی طاقت بہت بڑی ہے، ہر لفظ کے ساتھ ایک نور نکلتا ہے، جو آسمان تک جاتا ہے، ان کو وہ نظر آتا ہے، نماز میں آکر انہوں نے شرکت کی۔

بشارتیں موجود ہیں، حق تعالیٰ کی طرف سے نصرت موجود ہے، دل کی عافیت کے ساتھ اس کام میں لگنے کی ضرورت ہے، اصول کی پابندی کے ساتھ، دل کی عافیت سے مراد یہ ہے کہ اپنے دل کی حفاظت کرتے ہوئے کہ اس میں غیر اللہ کی چیز نہ آنے پائے کہ ہمارا نام ہوگا، ہم جاکر فخریہ بیان کریں گے گھر میں کہ ہم نے تین چلے دیے، ہم نے چار چلے دیے، اس قسم کی چیزیں نہیں ہونی چاہیے، اللہ کے دین کی خاطر نکلنا ہے اور اس نکلنے کو اللہ کے یہاں پیش کرنا ہے، یا اللہ قبول فرمالے، تو ہی اخلاص عطا فرمادے۔ (خطبات:۲/۲۴۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عرب کی تبلیغی جماعت کے ساتھ ہونا

(خط کا) جواب:

محترمی! زید احترامہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کے ساتھ تبلیغی مرکز کے صدر دروازہ پر تشریف فرما ہونا مقبولیت کی علامت ہے، نیز اشارہ ہے کہ عید تو یہ ہے کہ آدمی دین کی خدمت کرے، اشاعت کرے، خالی گھر پر خوشی منانا عید نہیں ہے، ماحول تو کہیں کا بہت

خراب ہے، کہیں کا کچھ غنیمت ہے، حدیث شریف میں موجود ہے "ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ دین پر قائم رہنا اتنا مشکل ہو جائے گا جتنا ہاتھ میں انگارہ لینا"۔

حق تعالیٰ تمام تصانیف اور جملہ خدمات کو قبول فرمائے، اللہ پاک آپ کو اور آپ کے جملہ متعلقین واولاد کو عزت وعافیت سے رکھے۔ آمین۔ فقط والسلام۔

املاہ العبد محمود غفرلہ (مکتوبات: ۲/۱۱۴)

خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغی جماعت کے ساتھ دیکھنا

السوال:

دو تین سال قبل ایک خواب دیکھا کہ تبلیغی جماعت کے ساتھ ہوں اور جماعت میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں، جماعت تمل ناڈو بستی میں پہنچی، ایک مسجد کے دروازہ پر دُعا کے حلقہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، پھر بعد میں جماعت کے حلقہ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، امیرِ جماعت نے تقریر کی، میں نے امیر جماعت سے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہاں سے کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ امیرِ جماعت نے کہا مدراس کا معلوم ہوتا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیلولہ کرتے بھی دیکھا، اس کے بعد نیند سے ہوشیار ہو گیا، چند دن بعد ایک جماعت رائے چوٹی آئی، اس میں میرا لڑکا نور اللہ بھی آیا ہوا تھا، جماعت نے کہا تو بھی چل، پھر جماعت وانمباڑی گئی، یہ وہی مقام تھا جو میں نے خواب میں دیکھا تھا، جماعت وانمباڑی سے مدراس گئی، میں جماعت کے ساتھ مدراس گیا، دیگر عرض یہ ہے کہ میں ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جانے کا ارادہ کر رہا ہوں، آپ سے دُعا کی درخواست ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً

خواب ماشاء اللہ مبارک ہے، اشارہ ہے کہ یہ دینی کام اور تبلیغی جماعت مقبول ہے، اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی حاصل ہے اور آپ کے بیٹے نور اللہ سلمہ کو اس میں کام کرنے کی توفیق ہوگی، آپ کے لیے اگر مدینہ طیبہ کا قیام خیر ہو تو حق تعالیٰ آسان فرمائے، آمین۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۸/۴/۹۵ھ

اکابرین کے چند ارشادات

(۱) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ارشادات:

بغیر دعوت کے دین دار نہیں بن سکتے: بس شکایت اس کی ہے کہ جو لوگ دین دار اور نمازی ہیں، جس طرح وہ نماز کو ضروری سمجھتے ہیں کیا اسی درجہ میں تبلیغ کو بھی ضروری سمجھتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اگر کبھی نماز قضا ہو جائے تو اس پر تو ندامت ہوتی ہے، مگر ترکِ تبلیغ پر ذرا بھی ندامت نہیں ہوتی......، راز وہی ہے کہ ظہر کی نماز تو اپنے ذمہ فرض سمجھتے ہیں اور تبلیغ کو فرض نہیں سمجھتے، اس کو زائد کام سمجھ رکھا ہے......، یہ تو ایسا ہوا جیسے ایک آدمی صرف چار نمازیں پڑھے، عشاء کی نماز نہ پڑھے تو یہ کوئی نمازی ہے؟ اس کو کوئی بھی نمازی نہ سمجھے گا، پھر آپ تبلیغ کو ترک کر کے اپنے کو دین دار کیوں سمجھتے ہیں؟ خوب سمجھ لیجیے کہ اس کے بغیر آپ دین دار نہیں ہو سکتے۔

(دعوت و تبلیغ کے اصول واحکام، ص:۵۲)

عمومی تبلیغ کی ضرورت: یہ وجہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے لیے یہی

طریقہ تجویز فرمایا گیا اور اکابرِ امت نے بھی ہمیشہ سب سے زیادہ اس کا اہتمام فرمایا، باقی درس وتدریس، تصنیف وتالیف وغیرہ کو اسی کا مقدمہ قرار دیا۔ (ایضاً ص:۱۱۱)

فراغت کے بعد دعوت وتبلیغ میں مشغول ہونا چاہیے: اصل کام دعوت الی اللہ کا ہے اور اس کے محفوظ اور قائم رکھنے کے لیے مدارس کی ضرورت ہے، اب یہ چاہیے کہ جب مدارس سے ضروری علم حاصل کرلیں تو دعوت الی اللہ بھی کیا کریں، جس کا آسان ذریعہ وعظ ہے اور پڑھنا پڑھانا اس کا مقدمہ ہے، اس لیے یہ شغل بھی ضرور رکھیں، جیسے نماز کے لیے وضو اور وضو کے لیے پانی اور لوٹوں کا جمع کرنا ضروری ہے، ایسے ہی تبلیغ کے لیے پڑھنا پڑھانا ضروری ہے، مگر کوئی شخص وضو اور لوٹوں ہی کے اہتمام میں رہے، وہ پانی ہی بھرا کرے اور نماز کا وقت گزر جائے تو کیا یہ شخص قابلِ تعریف ہے؟ پس اسی طرح پڑھنا پڑھانا دعوت الی اللہ کے صرف مقدمات ہیں، مگر ان مقدمات میں ایسی مشغولی ہوئی کہ اصل کام کو بھی بھول گئے، افسوس! جو لوگ اس کے اہل تھے، وہ لوگ بھی اس کو بھولے ہوئے ہیں اور مقدمات اور وسائل ہی میں مشغول ہیں، اصل مقصود میں وقت صرف نہیں کرتے۔ (ایضاً ص:۳۱۰)

اور فرمایا: اصل کام تو یہی ہے۔ (ایضاً ص:۳۳۷)

حکیم الامتؒ کا ایک خط: السلام علیکم، حالات سے بہت کچھ امیدیں ہوئیں اور مجھ کو اس سے پہلے بھی صرف آپ جیسے مخلصین کا جانا اور پھر مولوی الیاس (صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کا ساتھ ہوجانا یقین کامیابی کی دلاتا ہے، علم غیب تو حق تعالیٰ کو ہے، مگر میرا قلب شہادت دیتا ہے کہ ان شاء اللہ سب وفود سے زیادہ نفع آپ صاحبوں سے ہوگا، بخدمت مولوی صاحب سلام مسنون۔ (ایضاً ص:۳۴۰)

(۱)۔حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند وخلیفہ حضرت تھانویؒ کے ایک بیان کے اقتباسات (یہ بیان سہارن پور کے اجتماع میں ہوا):

اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ تبلیغ اصلاح کے ان چاروں طریقوں کا ایک مجموعہ مرکب ہے تو یہ تبلیغی جماعت ایک ''معجونِ مرکب'' ہے، گویا یہ نسخہ امرت کا بن گیا، جس میں اصلاح نفس کے یہ چاروں طریقے جمع ہو گئے ہیں، الغرض اس میں محنت کرنے سے بہت ہی بڑا فائدہ ہوگا۔(اصلاح نفس اور تبلیغی جماعت، ص:۲۱)

بہر حال اصلاح نفس کے چار جز اور چار طریقے ہیں اور تبلیغ کے اندر حسن اتفاق سے چاروں طریقے جمع ہو گئے ہیں، صحبتِ صالح بھی ہے، ذکر وفکر بھی ہے، مواخاۃ فی اللہ بھی ہے، دشمن سے عبرت وموعظت بھی ہے اور محاسبہ نفس بھی ہے اور انہی چاروں کے مجموعہ کا نام تبلیغی جماعت ہے، عام لوگوں کے لیے اصلاح نفس کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا۔(ایضاً، ص:۲۷)

اور بھائی! اس سے کنارہ رہنا بڑی ہی محرومی کی بات ہے، فکری طور پر ہو، عملی طور پر ہو، جس درجہ میں بھی ہو اس میں شریک رہنا چاہیے۔(ایضاً، ص:۳۲)

آج کے دور میں بہت سی تحریکیں چل رہی ہیں لیکن یہ تحریک اپنی مثال آپ ہے، اس میں نہ عہدے ہیں، نہ منصب ہیں، نہ کرسیاں ہیں اور نہ سیٹیں ہیں، بلکہ اپنے ہی مال کا خرچ ہے، اپنی جیب پر بار ہے، یہ تحریک موجودہ دور میں دین کے تحفظ کے لیے بڑی پناہ گاہ ہے، آج جس دور سے ہم گزر رہے ہیں اس دور میں مسلمانوں کے لیے صرف دو پناہ گاہیں ہیں، ایک دینی مدرسے، دوسرے یہ تبلیغی کام۔

(جماعت تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات از شیخ الحدیث صاحبؒ، ص:۵۶)

تبلیغی جماعت سے متعلق حضرت تھانویؒ کی رائے

السوال:

تبلیغی جماعت کے متعلق حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خیالات کیا تھے؟ اگر وہ خیالات کسی کتاب میں شائع ہوئے ہوں تو اس کتاب کا نام کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

مستقلاً کسی کتاب میں ان کی رائے میں نے نہیں دیکھی، البتہ دوسرے حضرات نے خود ان سے سن کر جو نقل کیا ہے وہ متعدد جگہ دیکھی ہے، ایک چھوٹا سا رسالہ ''چشمہ آفتاب'' ہے اس میں متعدد اکابر کے خطوط تبلیغی کام سے متعلق شائع ہوئے ہیں، اس میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ کی رائے بھی منقول ہے، یہ رسالہ دفتر ماہ نامہ نظام کرنیل گنج کان پور یوپی سے شائع ہوا ہے۔

(۲)۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے چند ارشادات:

- میرے محترم بزرگ! یہ جماعتِ تبلیغیہ نہ صرف ایک ضروری اور اہم فریضہ کی حسبِ استطاعت انجام دہی کرتی ہے، بلکہ اس کی بھی سخت محتاج ہے کہ ان کی ہمت افزائی کی جائے۔

بھائیو! آپ کی یہ مجلس تبلیغ کی ہے، یہ تبلیغ اصل میں وظیفہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، وہ کام جو تم کرتے ہو معمولی نہیں، میں تم کو بشارت دیتا ہوں کہ خدا نے تم کو کیسی خدمت سپرد کی ہے۔ (جماعتِ تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات، ص:۴۶)

(۳)۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ لکھتے ہیں: میرے نزدیک یہ تحریک موجودہ حالات کے لحاظ سے نہایت ہی مفید اور بے انتہا ثمرات کا موجب ہے۔

نیز فرمایا: اس کے علاوہ بہت سے امور ایسے ہیں کہ جن کی بنا پر یہ ناکارہ مخالفت کو خطرناک سمجھ رہا ہے۔ (جماعتِ تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات ص ۳۸، ۳۹)

(۴)۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں: یہ ایک حقیقت ہے، جس کو بلا گریہ و تملّق کے کہا جاتا ہے کہ اس وقت عالمِ اسلام کی وسیع ترین، قومی ترین اور مفید ترین تبلیغی جماعت کی دعوت ہے، جس کا مرکز مرکزِ تبلیغ نظام الدین دہلی ہے، جس کا دائرہ عمل و اثر صرف برّصغیر نہیں اور صرف ایشیا بھی نہیں، متعدد برّاعظم اور ممالک اسلامیہ وغیرہ ہیں، دعوتوں اور تحریکوں اور انقلابی و اصلاحی کوششوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب کسی دعوت و تحریک پر کچھ زمانہ گزر جاتا ہے یا اس کا دائرہ عمل وسیع سے وسیع تر ہو جاتا ہے (اور خاص طور پر جب اس کے ذریعہ نفوذ و اثر اور قیادت کے منافع نظر آنے لگتے ہیں) تو اس دعوت و تحریک میں بہت سی ایسی خامیاں، غلط مقاصد اور اصل مقصد سے تغافل شامل ہو جاتا ہے، جو اس دعوت کی افادیت و تاثیر کو کم یا بالکل معدوم کر دیتا ہے، لیکن یہ تبلیغی دعوت ابھی تک (جہاں تک راقم کے علم و مشاہدے کا تعلق ہے) بڑے پیمانہ پر ان آزمائشوں سے محفوظ ہے الخ۔ (منتخب احادیث ص ۵)

تبلیغی جماعت پر اعتراض

ارشاد فرمایا کہ ایک مدرسہ کے مہتمم صاحب نے تبلیغی جماعت پر بطورِ اعتراض کے میرے پاس خط لکھا، جس میں تحریر تھا کہ تبلیغی جماعت کا یہ نصاب: عمر میں سات چلے، سال میں ایک چلہ، مہینہ میں تین دن، ہفتہ میں دو گشت اور روزانہ کی تعلیم کہاں

سے ثابت ہے؟ میں نے جواب میں لکھا کہ ایسے امور کے ثبوت کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ خلافِ شرع نہ ہوں، سو یہ خلافِ شرع نہیں، آپ بتلائیں کہ آپ کے یہاں درسِ نظامی کا نصاب اور اس کی مدت اتنے سال، پہلے سال میں فلاں فلاں کتاب اور دوسرے سال میں فلاں فلاں، اسی طرح ہر سال فلاں فلاں، نیز سال میں تین امتحان، یہ سب کہاں سے ثابت ہے؟ ظاہر ہے کہ آپ یہی کہیں گے کہ خلاف شرع نہیں اور تجربہ شاہد ہے کہ جو اس طرح پڑھ لیتا ہے وہ فاضل بن جاتا ہے، اس کے ثبوت کے لیے اتنا ہی کافی ہے، بس اسی طرح تبلیغی جماعت کے نصاب کو سمجھ لیجیے۔ (ملفوظات ۱/۱۴۲)

تبلیغی جماعتوں اور تبلیغی کتابوں پر کچھ

اعتراضات اوران کے جوابات

السوال:

(۱)۔ آج کل تبلیغی جماعت کا رویہ زور پکڑتا جارہا ہے کہ ہر محلہ کی مسجد میں تبلیغی نصاب کی کتاب پڑھتے ہیں، لوگوں کو زبردستی روکتے ہیں، اگر کوئی شخص نہ بیٹھے تو اس پر نکیر کرتے ہیں، یہ التزام شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲)۔ تبلیغی نصاب میں صرف عبادات کے فضائل کا بیان ہوتا ہے، مسائلِ ضروریہ کا حصہ نہیں اور اگر کوئی عالم سمجھائے کہ مسائل کی کتاب بھی پڑھو تو ہرگز نہیں پڑھتے، اگر کوئی شخص پڑھے تو پڑھنے نہیں دیتے، ان کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟

(۳)۔ (الف) ان فضائل کی کتابوں میں بہت سی ایسی احادیث ہیں جو موضوع ہیں، مگر مرتب کتاب نے عربی عبارت میں تو ان کا موضوع ہونا واضح کردیا ہے، لیکن اردو ترجمہ میں نظر انداز کردیا، اب وہ احادیثِ موضوعہ اردو میں پڑھی جاتی

ہیں، کیا ایسی حدیثوں کا پڑھنا جائز ہے؟

(ب)۔کیا مصنف کو ایسی حدیثیں جن کا وضع ہونا خود ان پر واضح تھا، درج کرنا اور بطورِ نصاب ان کی اشاعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

اصل یہ ہے کہ دین کا سیکھنا ہر ایک کے لیے ضروری ہے،(1) اس مقصد کے لیے کتابیں تصنیف اور شائع کی جاتی ہیں، مدارس قائم کیے جاتے ہیں، ان کے لیے مستقل نصاب تجویز کیا جاتا ہے، جماعتوں اور درجوں میں نظام بنایا جاتا ہے، خانقاہیں قائم کی جاتی ہیں، مبلغ واعظ رکھے جاتے ہیں، ان کی تقریریں ہوتی ہیں، انجمنیں بنائی جاتی ہیں، کتب خانے بنائے جاتے ہیں، غرض جس جس طریقہ پر دین حاصل کرنا آسان ہوجائے، وہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، بشرطیکہ وہ شرعاً ممنوع نہ ہو، اسی طریقہ پر تبلیغی جماعت کا حال ہے، مدارس میں نہ سب دین حاصل کرنے لیے جاتے ہیں، نہ سب کے پاس اتنا وقت ہے کہ پورا نصاب پڑھیں، نہ مدارس میں اتنی گنجائش ہے، نہ سب میں نصاب کے پڑھنے اور سمجھنے کی صلاحیت ہے، یہی حال خانقاہوں کا ہے، خود کتابیں دیکھ کر بھی دین حاصل کرنے کی صلاحیت عموماً نہیں، واقعہ تو یہ ہے کہ عمومی طور پر دین کی طلب ہی اس قدر قلیل ہے کہ جس کو شمار میں لانا ہی محلِ تامل ہے، کتنے کروڑ کی مسلم آبادی ہے اور کتنے مدارس و خانقاہوں سے استفادہ کرنے والے ہیں، انجمنوں اور واعظوں سے استفادہ اس سے بھی کماً و کیفاً کم ہے، بے دینی جس قدر عام ہے اس کو دور کرنے کے لیے بھی ایسے طریقے کی ضرورت تھی جو عام اور سہل ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ تبلیغی

---

(1) وعن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "طلب العلم فريضة على كل مسلم" (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني: ٣٤، قديمي)

جماعت کا طریقہ جاری فرمایا، خدائے پاک کے فضل وکرم سے اس کا نفع بہت ہی عام ہوا، کتنے لوگوں کا کلمہ درست ہوا، نماز درست ہوئی، بے نمازیوں نے نماز کی پابندی کی، کتنے تاجر زکوٰۃ نہیں دیتے تھے، سودی معاملہ کرتے تھے، انہوں نے باقاعدہ زکوٰۃ دینی شروع کی، سودی معاملات سے پرہیز کرنے لگے، کتنے لوگوں نے حج کیا، یہ جماعت بندرگاہ پر، جہازوں میں، جدّہ میں، مکہ مکرمہ میں، منیٰ میں، عرفات میں، مدینہ طیبہ میں، غرض سب جگہ کام کرتی ہے، جس کی بدولت بہت سے لوگوں کا حج صحیح طور پر ادا ہوتا ہے، انگریزی ممالک میں مساجد کی تعمیر ہوئی، قرآن پاک تراویح میں پڑھا جانے لگا، مکاتب قائم ہوئے، چوں کہ یہ جماعت کوئی منظم جماعت نہیں، بلکہ دین سیکھنے والے ہر چھوٹے بڑے طبقہ کے لوگ ہیں، اس لیے بے عنوانیاں بھی ہوتی ہیں، بعض جوش میں تقریر کرتے ہوئے اپنی حد سے بڑھ کر بھی بات کہہ دیتے ہیں، حالاں کہ ان کو یہ ہدایت دی جاتی ہے کہ وہ چھ نمبروں سے زائد بات نہ کہیں، شکایات معلوم ہونے پر تنبیہ بھی کی جاتی ہے، کبھی تقریر سے ہی بالکل روک دیا جاتا ہے، مقامی علماء اگر سرپرستی فرمائیں اور غلطیوں پر تنبیہ کریں تو اس جماعت کو قدر دانی کرنی چاہیے، ان مخلص علماء کو تبلیغ کا مخالف سمجھنا غلطی اور سخت غلطی ہے، اس جماعت کو ان کی شفقت اور خیر خواہی کا تجربہ نہیں، اس لیے اہلِ علم حضرات اگر ان حلقوں میں تھوڑی سی شرکت بطورِ نگرانی فرمالیں تو ان کی غلطی کی اصلاح بھی ہو جائے اور قلوب میں ہمدردی اور شفقت کا احساس بھی ہو جائے، بعد نماز جو شخص اپنی ضرورت کی خاطر جانا چاہتا ہے، اس کو زبردستی روکنا بھی نہیں چاہیے، غالباً اس سے بھی آپ کو انکار نہ ہوگا کہ قلوب میں دین کی طلب نہ ہونے کی وجہ سے لوگ بکثرت ضرورت کا حیلہ کر کے بھی چلے جاتے ہیں، اہلِ مدارس غیر حاضر طلباء، ناکام طلباء کا کھانا وظیفہ بند کر دیتے ہیں

اور دوسری سزائیں بھی دیتے ہیں، یہ جماعت اس قسم کا کوئی کام نہیں کر سکتی، بلکہ خوشامد کا طریقہ استعمال کرتی ہے، تاہم خوشامد سے آگے بڑھ کر کسی کو مجبور کرنا غلط ہے، اس سے پرہیز لازم ہے، چہ جائیکہ اس پر نکیر کی جائے۔

(۲)۔اس جماعت کے اصول میں علم کی تحصیل بھی ہے، لیکن جس طرح مدارس میں کتابیں ہدایہ وغیرہ پڑھائی جاتی ہیں اس طرح یہاں تعلیم نہیں، آپ جانتے ہیں کہ ہدایہ، شرح وقایہ وغیرہ پڑھانے کے لیے پہلے کتنی کتابوں کا پڑھانا ضروری ہے، مدارس میں میزان سے جماعت پڑھنا شروع کرتی ہے، شروح، حواشی، تراجم دیکھتی ہے، مطالعہ کرتی ہے، استاذ کی تقریر سنتی ہے، پھر ہدایہ وغیرہ میں کیا پوری جماعت ایسی ہوتی ہے کہ اس کی عبارت کو حل کر لے اور مسائل صحیح سمجھ جائے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ پھر تبلیغی جماعت میں کوئی تین دن کے لیے نکلا، کوئی دس بیس چالیس دن کے لیے نکلا، نہ امیر ایک رہتا ہے، نہ جماعت ایک رہتی ہے، ایسی حالت میں اگر مسائل کی کتابیں ان کو سنائی جائیں تو غلطی کا احتمال کس قدر غالب ہوگا؟ البتہ ان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اپنے طور پر اپنی استعداد اور حالت کے مطابق ضرور دین کا علم حاصل کریں اور وہ اس پر عمل بھی کرتے ہیں ،کوئی مسائل پوچھ کر، کوئی اہلِ علم کی صحبت میں جا کر، کوئی مطالعہ کتب سے، کوئی مدارس میں داخل ہو کر، جو شخص حاصل نہیں کرتا وہ کوتاہی کرتا ہے، اصول کا پابند نہیں، امام عالم اگر مسائل کی کتاب سنانا چاہیں تو ضرور سنائیں، جماعت نہ روکے، البتہ باہمی مصالحت سے وقت متعین کر لیا جائے کہ فلاں وقت مسائل کی کتاب ہوگی۔

(۳)۔ایسی حدیث تو شاید کوئی نہ ہو جس کے موضوع ہونے پر اتفاق ہو، ہاں! یہ کہ بعض حدیثیں ضعیف ہیں اور ایسی بھی ہیں کہ بعض محدثین نے ان کو موضوع کہا ہے، اس کو

مصنف مدظلہ نے بیان بھی کردیا، فضائلِ اعمال میں ضعیف احادیث کا بیان کرنا تدریب الراوی (۱/۲۹۸، ۲۹۹، المکتبۃ العلمیۃ بالمدینۃ المنورۃ) وغیرہ کتب میں جائز لکھا ہے، آخر ابنِ ماجہ کے متعلق آپ کیا کہیں گے، جس کی نصف سے زائد احادیث کو ابن جوزیؒ نے موضوع قرار دیا ہے، ابنِ ماجہ داخلِ درس ہے، بلکہ صحاح ستہ میں شمار ہے اور مصنف قدس سرہ نے کسی حدیث کے متعلق یہ نہیں بتایا کہ یہ حدیث موضوع ہے، بلانکیر اس کا درس دیا جاتا ہے؟

(ب)۔ مصنّف مدظلہ نے بہت احتیاط سے کام لیا کہ جس حدیث کو بعض حضرات نے موضوع قرار دیا، اس کو واضح کردیا اگر وہ حدیث بالاتفاق موضوع ہوتی تو ہرگز اس کو لکھ کر اس سے استدلال نہ کرتے، اب رہ گیا عوام کا حال تو ان کے لیے حدیث کی قوت وضعف کا بیان کرنا ہی کچھ مفید نہیں، اس لیے ترجمہ میں اس کا ذکر نہیں آیا، اہلِ علم حضرات کے لیے عربی عبارت میں موجود ہے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۲۴/۳/۱۳۹۵ھ

تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور جوابات

السوال:

(۱)۔ دورِ حاضر میں دعوت وتبلیغ یا تبلیغی جماعت کے نام سے جو محنت چل رہی ہے اور گشتوں، ذکر واذکار وغیرہ اعمال کی دعوت دیتی ہے، یہ جماعت قرآن وحدیث اور سلفِ صالحین کے طریقہ پر ہے یا نہیں؟

(۲)۔ کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ جماعت ایمان کو مردہ بناتی ہے اور جذبہ جہاد کو ختم کرتی ہے اور اسلام کے خلاف کام کرتی ہے یا غیر مسلموں کی اسلام کے خلاف سازش ہے؟

(۳)۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی جمع کردہ کتب فضائل،

تبلیغی نصاب یا فضائلِ اعمال کے بارے میں حضراتِ علماء کی کیا رائے ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

(۱)۔ حضرت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ نے نظام الدین دہلی سے تبلیغی جماعت کا کام جو شروع فرمایا جس کے چھ نمبر ہیں اور وہ کام اللہ کے فضل سے بڑھتے بڑھتے آج تمام دنیا میں، عرب وعجم میں پھیل چکا ہے، جس کی بدولت بے شمار بد دین فاسق اب متبع سنت اور پابندِ شریعت ہوگئے، بے نمازی بڑی تعداد میں نمازی بن گئے، جو لوگ کبھی زکوٰۃ نہیں دیتے تھے وہ باقاعدہ زکوٰۃ دینے لگے، کتنے ہی لوگ ایسے ہیں کہ مال دار ہونے کے باوجود ان کو حج کا خیال تک نہیں آتا تھا، انہوں نے حج کیا اور بار بار حج کرتے ہیں، کتنی مسجدیں ویران پڑی ہوئی تھیں؟ وہ نمازیوں سے آباد ہوگئیں، کتنی بستیوں میں دینی مدارس قائم ہوگئے، جن میں قرآن کریم، حدیث، تفسیر کی تعلیم ہوتی ہے، کتنے ان پڑھ اور جاہل آدمی عالم ہوگئے اور تمام دنیا میں دین کی خدمت اور اشاعت کے لیے پھر رہے ہیں، کتنے لوگوں کے ایمان نہایت پختہ ہوگئے، جب کہ وہ پہلے سے مشرکانہ عقائد میں مبتلا تھے؟ ان چیزوں کو دیکھ کر بھی کیا اس کے دینی کام ہونے میں شبہ ہوسکتا ہے، قرآن کریم اور حدیث شریف (1) کا بھی یہی حکم ہے اور سلف صالحین نے اپنی زندگیاں اسی کام کے لیے تو وقف کی ہیں۔

---

(1) قال الله تعالى: ﴿كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر، وتؤمنون بالله﴾. (آل عمران: ١١٠)

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه عن رسول الله ﷺ قال: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان". رواه مسلم". (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ٤٣٦، قديمي)

(۲)۔اس جماعت کے نصاب میں ایک کتاب ''حکایاتِ صحابہ'' بھی ہے، جس میں جذبہ جہاد اور صحابہ کرامؓ کی بہادری، شجاعت اور دین کی خاطر جان کی قربانی اور صحابی بچوں اور صحابی عورتوں کے واقعات بھی اس سلسلہ میں ترغیب اور اتباع کے لیے مذکور ہیں، کم سے کم اسی کا مطالعہ کرلیا جائے تو معترض کے اعتراضات خود بخود ختم ہو جائیں گے، اگر کوئی شخص ایمان کے زندہ ہونے کا نام ہی ایمان کا مردہ ہونا رکھ دے اور قرآن وحدیث شریف کے امر کو، جو کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے(۱) دشمنانِ اسلام کی سازش قرار دینے لگے، وہ اپنے کام کا خود ذمہ دار ہے یا اس کی اصطلاح ہی کچھ اور ہو کہ وہ ایمان واسلام کے ایسے معنیٰ بیان کرتا ہو جو قرآن و حدیث کے خلاف ہو اور سلف صالحین نے بھی کبھی ایسے معنیٰ بیان نہ کیے ہوں تو وہ اپنی جداگانہ اصطلاح میں مسلم ومومن ہے۔

(۳)۔ بہت مفید ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۲۹/۷/۱۴۰۶ھ

تبلیغی جماعت کے متعلق اہلِ بدعت کی پھیلائی ہوئی بدگمانیوں کا ازالہ

السوال:

چند دن پہلے ملک ویٹنام کے صدر مقام سائیگون شہر میں ہندوستان سے ایک

(۱) وعن ابن عباس رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "من قال في القرآن برأيه فأصاب فقد أخطأ، فليتبوأ مقعده من النار". (رواه الترمذي)

"وعن جندب رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "من قال في القرآن برأيه فأصاب فقد أخطأ". رواه أبوداود والترمذي". (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني: ۳۵، قديمي)

تبلیغی جماعت آئی اور چند دن یہاں قیام کر کے تبلیغی واشاعتِ دین کا اہم فریضہ انجام دیتی رہی، کچھ دن بعد یہ جماعت یہاں سے چلی گئی، اس کے بعد شہر کے جامع مسجد کے امام وخطیب نے لوگوں میں یہ بات پھیلانا شروع کردی کہ تبلیغ والے وہابی ہیں، اہلِ سنت والجماعت میں سے نہیں ہیں، اس سے اہل شہر میں ایک قسم کا اضطراب اور بے چینی پھیل گئی ہے اور امام صاحب نے سیلون سے چند پمفلٹ منگوا کر لوگوں میں پھیلانا شروع کردیا، جس میں مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا اسماعیل رحمۃ اللہ علیہما کیخلاف یہ تاثر پیش کیا گیا ہے کہ یہ لوگ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں اور اہلِ سنت والجماعت کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں، یہاں پر ان تمام واقعات نے بہت برا اثر پیدا کردیا ہے، اس لیے ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ اس کا مدلل جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں۔

نیز مولانا محمد الیاس اور مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہما کے بارے میں یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ لوگ اہلِ سنت والجماعت میں سے نہیں ہیں، ان کی کتابوں میں بہت سی غلط باتیں ہیں، آپ سے درخواست ہے کہ مذکورہ علمائے کرام کی حقانیت کے بارے میں مدلل جواب دیں، اگر دارالعلوم دیوبند سے یا کسی اور جگہ سے تبلیغی جماعت اور ان اکابر کی براءت میں کتابیں شائع ہوئی ہوں تو اس کی نشان دہی فرمادیں، تاکہ ان پر یہ کتاب بطورِ حجت پیش کرسکیں۔

نیز ان حالات میں تبلیغی جماعت کا کام یہاں سائیگون میں ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں حقانی علماءِ کرام کی ایک کانفرنس ۱۱ اکتوبر ۱۷ھ کو ہونا طے پائی ہے، جس میں اس بارے میں مشورہ ہوگا۔ آپ براہِ کرام ممکن حد تک جواب جلد عنایت

فرمادیں، تاکہ ہم اس کو جماعت کے سامنے پیش کرسکیں۔

مختصراً یہ کہ ہمارے یہاں تبلیغی جماعت کے خلاف لوگ ایک محاذ بنا چکے ہیں، جس سے آئندہ کے لیے ایک رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے، مدلل جواب عنایت فرمادیں تو بڑی نوازش ہوئی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً

تبلیغی جماعت کا مقصد دینِ برحق کی اشاعت ہے، یعنی حضرت رسولِ مقبول، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ رب العزت نے جو دین عطا فرمایا اور اس کے کامل فرمانے کی بشارت اس آیتِ کریمہ میں دی: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾.
اس دین کو دنیا کے تمام لوگوں کو پہنچادیں اور ان کو سکھادیں، اس مقصد کے لیے حدیث شریف کی روشنی میں جو جو ہدایات ملتی ہیں ان کے تحت اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو جو صورتیں بنا کر بستی بستی میں گشت (کیا ہے اسی طرح) کریں اور اپنے بھائیوں کو انتہائی شفقت ومحبت کے ساتھ مسجد میں لائیں، دین کی اہمیت سمجھائیں، حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق بتائیں اور یہ ذہن نشین کرائیں کہ:

نجات کا راستہ صرف یہ ہے کہ اپنی پوری زندگی کو حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور ہدایات کے موافق بنایا جائے، کوئی کام خلافِ سنت نہ کیا جائے، جس قدر اس میں پختگی حاصل ہوگی اسی قدر دنیا میں بھی فتنوں سے حفاظت رہے گی اور آخرت میں بھی، حضرت فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب نصیب ہوگا، جس قدر سنت سے بعد ہوگا، اسی قدر دنیا میں بھی فتنے بڑھیں گے اور آخرت میں بھی دوری رہے گی، اس کے اصول ایسے مضبوط اور پختہ ہیں جن میں کسی کا اختلاف نہیں، ایک چھوٹی سی

کتاب ہے جس کا نام ہے "چھ باتیں" اس کو دیکھ لیا جائے، اس جماعت کا کام صرف ہندوستان میں نہیں، بلکہ ساری دنیا میں ہو رہا ہے، بے شمار آدمیوں کا حج اس کی وجہ سے سنت کے موافق ادا ہو رہا ہے، ہر جہاز میں جماعت کے آدمی کام کرتے ہیں، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ زادہما اللہ شرفاً و کرامۃً، صفا، عرفات، بندرگاہ سب جگہ کام کرنے والے موجود ہیں۔ انگریزی ممالک لندن، امریکہ وغیرہ میں بھی بحمد اللہ تعالیٰ کام ہو رہا ہے، کروڑوں آدمی اس جماعت کی کوشش کی بدولت نمازی ہو گئے، روزہ رکھنے لگے، حرام کمائی سے تائب ہو گئے، شراب پینے سے، زنا کرنے سے توبہ کر چکے، زکوٰۃ ادا کرنے لگے، جہاں دینی مدارس نہیں تھے وہاں دینی مدارس کھل گئے، عام دینی بیداری پیدا ہو گئی، اس جماعت کا عمومی کام زبانی ہے، تحریری لٹریچر زیادہ نہیں ہے، ایک چلہ ساتھ رہ کر اصول کی پابندی سے آدمی کام کرے، ان شاء اللہ اس کے حالات میں کافی تغیر ہوگا اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی رغبت اور محبت میں اضافہ ہوگا، بدعات اور معاصی سے نفرت ہوگی، حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات اور خطوط اور حالات بھی کسی حد تک شائع ہو چکے ہیں، ان کے پڑھنے سے قلب میں نور پیدا ہوتا ہے اور تعلق مع اللہ و مع الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ترقی ہوتی ہے، مخالفین ان سب چیزوں کو برداشت نہیں کر پاتے تو مخالفت کرتے ہیں، حق تعالیٰ ان کو ہدایت دے اور صراط مستقیم پر چلائے، افسوس کہ وہ مخالفت کی وجہ سے بہت بڑی نعمت سے محروم ہیں..... فقط۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ

دارالعلوم دیوبند ۲۴/۷/۹۱ھ

کیا نصرت مدینہ طیبہ سے ہوئی، وہیں سے دین پھیلا، یا مکہ سے؟

محترم المقام! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اما بعد:

عرض ہے کہ ہمارے گاؤں میں بروزِ جمعرات تبلیغی جماعت آئی اور بعد نماز مغرب ان میں سے ایک صاحب نے تقریر کی، جس میں گاؤں کے بہت سے لوگ شریک تھے اور میں بھی موجود تھا، لائق مقرر نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ مکہ معظمہ میں نصرت نہیں ہوئی، جب نصرت اور ہجرت جمع ہوئی تب دین پھیلا، دین دراصل مدینہ منورہ ہی سے پھیلا ہے، لائق مقرر کی اس بات کو سن کر مجھ کو بہت رنج ہوا، کیوں کہ میرے ذہن میں حضرات مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کچھ واقعات ہیں، مثلاً جناب سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کمزور مسلمانوں کو اپنے روپے سے آزاد کرانا یا خانہ کعبہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں کپڑا ڈال کر بیٹھنے والے کو ہٹاتے ہوئے، بری طرح مار کھانا اور بوقت ہجرت سردار دو جہاں کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں چلنا اور پشت مبارک پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بٹھلا کر پنجوں سے چلنا وغیرہ، جناب سیدنا حضرت حمزہؓ و جناب سیدنا عمرؓ کا مسلمانوں کو لے کر خانہ کعبہ میں نماز پڑھنا اور دوسرے حضرات سے بھی اس قسم کے افعال سرزد ہوئے ہوں گے، میں تو ان واقعات کو نصرت ہی سمجھتا ہوں، درخواست یہ ہے کہ میری رہبری فرمائی جائے کہ کیا میں غلط سمجھتا ہوں، ایسے بھی واقعات میرے ذہن میں ہیں کہ مکہ معظمہ میں ان لوگوں نے

بھی مسلمانوں کی اور جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد کی ہے. جو اس وقت مشرف باسلام نہ ہوئے تھے، مثلاً طائف سے لوٹتے وقت مطعم بن عدی نے کی، یا ترک تعلقات کے وقت وہ پانچ اشخاص۔ یہ ضرور ہے کہ وہ امداد حمایت اسلام نہ سہی، رشتہ داری یا اور کسی بنا پر مبنی ہوگی، حالاں کہ مدینہ منورہ میں تو شاید ہی کوئی مثال ہو کہ دل میں اسلام کا داعیہ نہ ہو اور امداد کی ہو، رہا دین کا پھیلنا......، لائق مقرر نے فرمایا: دین مکہ سے نہیں پھیلا، بلکہ مدینہ منورہ سے پھیلا۔ تو میں تو یہ سمجھتا ہوں واقعی دین اشخاص کے لحاظ سے مدینہ منورہ سے پھیلا اور جناب انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بہت امداد کی اور تن من دھن سے ساتھ دیا، لیکن ہم کتابوں میں دیکھتے ہیں کہ جناب مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے رشتہ دار لڑائیوں میں سامنے ہوتے تھے اور وہ حضرات ان سے لڑتے تھے، جیسا کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کا سر کاٹ دیا تھا اور دوسرے حضرات نے بھی بہت کچھ کیا ہوگا، اس سے میرا مطلب جناب مہاجرین حضرات کی فضیلت ہے، انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی جگہ بھی بڑے ہیں اور ان کے کارنامے رہتی دنیا تک بے مثال ہیں، دین کی اشاعت بھی مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے بھی جناب سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی کوشش سے ایک جماعت مشرف باسلام ہوئی اور دوسرے حضرات نے بھی کوشش کی ہوگی، یہ ضرور ہے کہ مکہ معظمہ میں مخالفوں کا بہت زور تھا اور وہ ان کے عزیز و رشتہ دار تھے، حالاں کہ مدینہ منورہ میں شاید کوئی ایسی مثال نہ ہو کہ کوئی مشرف باسلام ہوا ہو اور عزیز رشتہ داروں نے اس پر سختی کی ہو، ہاں! باہر کے دشمنوں کا بہت زور تھا، اندر منافقوں وغیرہ سے ہر وقت بے اطمینانی تھی، مجھے اس بات کا بہت رنج ہے کہ عام مجمع میں کھڑے ہو کر یہ کہنا کہ مکہ معظمہ میں نصرت نہیں ہوئی،

جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرات مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نصرت نہیں کی اور دین بھی مکہ معظمہ سے نہیں پھیلا، لہٰذا درخواست یہ ہے کہ میری وجہ سے تکلیف کو گوارا فرما کر میری رہبری فرمائی جائے۔ فقط۔

محمد یٰسین ساکن موضع نگلہ

الجواب: حامداً و مصلیاً

اگر آپ ذرا وسعت حوصلہ سے کام لیں، ان مقرر صاحب کے کلام کا وہ محمل تجویز کرلیں جو آپ کے نظریہ کے خلاف نہ ہو تو آپ کا رنج ختم ہوجائے، مقامی حضرات جو کچھ جدوجہد اور دینی خدمت کرتے ہیں وہ ایسا ہے جیسا کہ ان کا اپنی اصلی کام، فرضِ منصبی، ڈیوٹی، ان کی محنت بہت وزنی اور قیمتی ہوگی اگر ایسے لوگ باہر جائیں اور وہاں کے آدمی ان کا استقبال کریں اور ان کے کام میں نصرت کریں تو وہ تھوڑی نصرت بھی کام کو بہت جلد آگے بڑھائے گی۔

مہاجرین نے دین کی خاطر وہ مشقتیں برداشت کی ہیں جو دوسروں کے بس کی نہیں، ان کو درجات بھی وہ ملے جہاں تک دوسرے نہیں پہنچ سکتے، ان حضرات کے مدینہ منورہ پہنچنے پر وہاں کے حضرات نے جو ان کا ساتھ دیا، اس کا نام نصرت ہے (1)

---

(1) قال القاري تحت حديث: "آية الإيمان حب الأنصار" بالحديث:

"وهو (الأنصار) جمع ناصر أو نصير، والمراد أنصار رسول الله ﷺ من الأوس والخزرج......، فسماهم النبي ﷺ الأنصار، فصار علماً لهم......، وإنما فازوا بهذه المنقبة لأجل إيوائهم النبي ﷺ ونصرته؛ حيث تبوّؤا الدار والإيمان، وجعلوه مستقراً ومتوطناً لهم لتمكنهم منه واستقامتهم عليه"۔ (مرقاة المفاتيح، كتاب المناقب، باب جامع المناقب، الفصل الأول: ١٠/٥٨٦، رشـ)

اس اصطلاح کے اعتبار سے یہ کہنا صحیح ہے کہ نصرت مدینہ پاک سے ہوئی، یعنی ان حضرات کی خدمت دین واعانت کا نام نصرت ہے اور دین کی جس قدر اشاعت بصورت وفود وبصورت غزوات وسرایا مدینہ طیبہ سے ہوئی ہے وہ مکہ مکرمہ سے نہیں ہوئی، حتی کہ اسی نصرت کی بدولت مکہ مکرمہ فتح ہو گیا، ان نصرتوں میں بھی مہاجرین کی ہدایات کے ماتحت اور بکثرت ان کی سرکردگی وامارت میں خدمات انجام دی گئی ہیں، یعنی مدینہ پاک میں جو دین کی خدمات ہوئی ہیں وہ تنہا انصار کی نہیں ہیں، ان میں مہاجرینؓ پیش پیش تھے، ہاں! مہاجرین کو قوت اور کام میں سہولت زیادہ تر انصار ہی کی نصرت و اعانت سے حاصل ہوئی، مکہ مکرمہ میں ۱۳ سال کی مدت میں چند حضرات ایمان لائے، اگرچہ وہ اس قدر بلند مرتبہ ہیں کہ دوسرے لوگ وہاں تک نہیں پہنچ سکتے، لیکن مدینہ منورہ پہنچ کر دس سال کی مدت میں سارا جزیرہ عرب اسلام سے مالا مال ہو گیا اور مکہ شریف کے وہ ازلی دشمن، جو سدِ راہ بنے ہوئے تھے، وہ مختلف غزوات میں مغلوب وختم ہو گئے اور جن کے لیے ہدایت مقدر تھی انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور جزیرہ عرب ہمیشہ کے لیے کفر سے محفوظ ہو گیا، اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اس کے باوجود مہاجرین مہاجرین ہیں۔ رضی اللہ عنہم اور انصار انصار ہیں۔ رضی اللہ عنہم۔

علاوہ اس اصطلاحی مفہوم نصرت کے دوسری بات یہ ہے کہ مقرر صاحب کے کلام کا مطلب یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ اکابر صحابہ ومہاجرین نے دین کی خدمت اور نصرت نہیں کی، معاذ اللہ، ان کی خدمت ونصرت کا تو قرآن پاک میں اعتراف ہے۔(1)

---

(1) قال اللہ تعالیٰ: ﴿الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ فِيْ سَبِيْلِ اللّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِندَ اللّهِ وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ، يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ﴾. (التوبة: ۲۰، ۲۱، ۲۲)

احادیث میں صراحۃً ذکر ہے، تاریخ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں، یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی ادنیٰ مسلم بھی ان کی خدمت ونصرت کا انکار کرے، بلکہ غیر مسلم تاریخ داں بھی انکار نہیں کرسکتا، پھر آپ ایسا مطلب کیوں مراد لیتے ہیں؟ کم از کم اتنا تو دیکھیں، مقرر جب ان کی ہجرت کا معترف ہے تو یہ ہجرت خود اتنی بڑی خدمت ونصرت ہے کہ جس کی تعریف قرآن کریم میں بار بار آئی ہے۔(1) اور مقرر بھی یہی کہتا ہے کہ جب نصرت اور ہجرت جمع ہوئی، تب دین پھیلا، لامحالہ اس کی یہ مراد نہیں، جو آپ کے لیے رنجیدہ ہے۔

آپ یہ مطلب مراد لیجیے کہ مکہ مکرمہ کے عام باشندوں نے نصرت نہیں کی، بلکہ دین کی راہ میں ہر طرح کی رکاوٹیں ڈالیں، چند مخصوص مقبول صحابہ کرامؓ خدمت کرنے والے تھے اور دشمن ان کو ہر طرح ستاتے اور اذیت دیتے تھے، مدینہ پاک کا یہ ماحول نہیں تھا، وہاں پہنچ کر یہ رکاوٹیں نہیں رہیں اور آزادی کے ساتھ دین پھیلا، اس کا حاصل یہ نکلا کہ مکہ مکرمہ میں نصرت نہ کرنے والوں کے مصداق مشرکین اور اعدائے دین ہیں، نہ کہ مہاجرین رضی اللہ عنہم اجمعین، نصرت حقیقی اللہ پاک کی طرف سے ہوتی ہے اور اس عالم اسباب میں اشاعت دین کے لیے یہ تدبیر تجربہ سے بہت مفید ومؤثر ثابت ہوئی ہے کہ لوگ اپنے مقام سے دین کی خاطر سفر کریں، جیسے مہاجرینؓ نے سفر کیا

=ابن مسعود رضي الله عنه، عن النبي ﷺ قال: "اقتدوا بالذين من بعدي من أصحابي: أبي بكر وعمر"۔ الحديث (مشكوة المصابيح، كتاب المناقب، باب جامع المناقب، الفصل الثاني : ٥٧٨، قديمي)

(1) قال الله تعالى: ﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَداً ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾. (التوبة: ١٠٠)

اور مدینہ طیبہ گئے اور جہاں جائیں وہاں کے لوگ ان کے ساتھ اس کام میں پورا تعاون کریں، جیسے کہ انصارؓ نے کیا تھا، اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ اپنا دین بھی پختہ ہوگا اور اشاعت بھی زیادہ ہوگی، مگر اصول کی پابندی بہر حال ضروری ہے، اصول چھوڑنے میں منفعت کم اور مفسدہ زیادہ ہوگا۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ (دارالعلوم دیوبند)

کیا تبلیغ نبیوں والا کام ہے؟

السوال:

آنجناب کو بخوبی علم ہوگا کہ مدتِ مدید سے تبلیغی جماعت کے نام سے ایک جماعت ہندوستان اور بیرونِ ہندوستان میں تبلیغ کا کام کر رہی ہے اور اب تو اس کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے بفضلہٖ تعالیٰ، غالباً شاید ہی دنیا کا کوئی ایسا گوشہ ہوگا جہاں یہ کام نہ ہو رہا ہو، بفضلہٖ تعالیٰ احقر کا بھی بارہا اس سلسلہ میں کئی مقامات پر جانا ہوا، مگر عینی مشاہدہ ہوا کہ جن لوگوں کو تبلیغی جماعت سے وابستگی کو ۲۰/۲۵/۲۰/۲۵ سال ہو گئے، ان کے اندر نماز جیسی اہم ترین عبادت کے آداب ولوازمات خشوع وخضوع کی بات ذرا نہیں پائی، ان کا محور صرف چھ نمبر ہیں، جو کہ زبانی سُنا دیے جاتے ہیں اور لوگوں سے اصرار کیا جاتا ہے کہ تم بھی زبانی یاد کرو اور عملی طور پر بس۔

اور ایک خاص بات یہ ہے کہ یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ نبیوں والا کام ہے، کیا اس طریقہ پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام نے تبلیغ کا کام کیا ہے؟ اگر ایسا ہے جیسا کہ یہ لوگ فرماتے ہیں تو ہمارے اسلاف کرام، علمائے سابقین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اس طریقہ تبلیغ کے تارک رہے ہیں اور تارکِ سنت محمدیہ صلی اللہ علیہ

وسلم بھی رہے اور ایسا ہونا بعید از فہم اور ناممکن ہے، براہِ کرم جواب بالتفصیل دیجیے کہ کیا واقعی یہ نبیوں والا کام ہے؟ فقط والسلام۔

المستفتی خادم العلماء پرُ معاصی اشفاق الرحمٰن۔

الجواب: حامداً ومصلیاً

چھ نمبروں کو زبانی سُنا دینے اور دوسروں کو یاد کرا دینے پر کفایت کر لینا اور بقیہ اعمال وافعال سے صرف نظر کرنا بڑی کوتاہی ہے، تبلیغ کا مقصد یہیں تک محدود نہیں، ہر عملِ صالح میں اخلاص پیدا کرنا ضروری ہے، جو کہ تمام اعمال صالحہ کی جان ہے، اعمالِ صالحہ کا سیکھنا بھی ضروری ہے، ان پر پابندی بھی ضروری ہے، ان میں اخلاص کی کوشش بھی ضروری ہے، بہت سے اللہ کے بندوں کو یہ دولت بھی نصیب ہو جاتی ہے، جو محروم رہتے ہیں وہ اپنی کوتاہی کی بنا پر محروم رہتے ہیں، ان کو اس طرح توجہ اور محنت کی ضرورت ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ وہ بھی محروم نہیں رہیں گے، ان چھ نمبروں کی کوشش کے ساتھ دیگر امور ضروریہ کی طرف بھی ان کو توجہ دلانے کی ضرورت ہے اور اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ ان کے ساتھ تشریف لے جاتے ہی ہیں، آپ ان کو متوجہ کیا کریں، اس طرح دیگر اخلاص والے جائیں تو وہ بھی متوجہ کیا کریں، جو شخص شریک کار ہوتا ہے، اس کی بات زیادہ مؤثر ہوتی ہے، خدا نے چاہا تو آپ کا اجر بہت زیادہ ہو جائے گا، جتنے آدمیوں میں آپ کی کوشش سے اخلاص، خشوع، خضوع ہوگا، وہ آپ کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا، ہر جماعت کے امیر کو اگر توجہ دلائی جائے کہ بار بار تنبیہ کرتے رہا کریں تو جلد نفع کی توقع ہے۔

انبیاء علیہم السلام عموماً اور ہمارے آقاءِ نامدار حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ

وسلم خصوصاً معلم بنا کر بھیجے گئے (1) اور دین سیکھنے اور سکھلانے کی ذمہ داری سب پر ڈالی گئی، (2) پھر اس کے طریقے مختلف رہے، شروع میں نہ آج کل کی طرح مدارس تھے، نہ خانقاہیں تھیں، نہ کتابیں تصنیف کرنے کا سلسلہ تھا، نہ وعظ وتقریر کے جلسے ہوتے تھے، نہ انجمنیں بنانے کا دستور تھا، بلکہ زبانی ہی سیکھنے سکھانے کا عموماً معمول تھا، اصحابِ صفہ نے بھی اسی طرح سیکھا۔ (3) اور جہاں جہاں آدمی بھیجے گئے، مثلاً حضرت ابوالدرداء، حضرت عبادۃ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سب اسی طرح سکھاتے تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی درخواست پر حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن

---

(1) عن عبدالله بن عمرو رضي الله عنه قال: خرج رسول الله ﷺ ذات يوم من بعض حجرته، فدخل المسجد، فإذا بحلقتين: أحدهما يقرؤون القرآن، ويدعون الله، والأخرى يتعلمون، ويعلمون، فقال النبي ﷺ: "كل على خير، هؤلاء يقرؤون القرآن، ويدعون الله، فإن شاء أعطاهم، وإن شاء منعهم، وهؤلاء يتعلمون، ويعلمون، وإنما بعثت معلماً"، فجلس معهم۔ (سنن ابن ماجه: المقدمة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم: ۲۱ قديمي)

(2) عن ابن مسعود رضي الله عنه قال: قال لي رسول الله ﷺ: "تعلموا العلم، وعلموه الناس، تعلموا الفرائض، وعلموها الناس، تعلموا القرآن وعلموه الناس؛ فإني امرء مقبوض، والعلم سيقبض، وتظهر الفتن حتى يختلف اثنان في فريضة لايجد أحدا يفصل بينهما۔" رواه الدارمي والدارقطني۔ (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، آخر الفصل الثالث: ۳۸، قديمي)

(3) عن عبادة بن الصامت رضي الله عنه قال: علمت ناساً من أهل الصفة الكتابة والقرآن۔" الحديث (مسند أحمد: ٦/ ٤٣٠، رقم الحديث: ٢٢١٨١، دار إحياء التراث العربي)

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: أتى علينا رسول الله ﷺ، ونحن أناس من ضعفة المسلمين، ورجل يقرأ علينا القرآن، ويدعولنا۔" الحديث (حلية الأولياء، ذكر أهل الصفة: ١/ ٣٤٢، دار الكتاب العربي، بيروت)

مسعودؓ کو کوفہ بھیجا، وہ ڈیڑھ ہزار آدمیوں کی بڑی جماعت کو ساتھ لے کر گئے اور تمام علاقہ کوفہ میں دین سکھانے کا انتظام فرمایا، پھر احادیث جمع کرنے اور سیکھنے کا رواج ہو گیا، تو ان کے ذریعہ سے دین سیکھا گیا، پھر مدارس قائم کیے گئے، ان کے ذریعہ سے سیکھا گیا اور اس جیسے طریقے سب جائز ہیں اور مفید ثابت ہوئے، لیکن اوّل اوّل جو طریقہ تھا وہ بلا کتاب کے ہی تھا اور ہر زمانہ میں بلا کتاب ہی سیکھنے سکھانے کا دستور باقی رہا، اگرچہ قرونِ اولیٰ کی طرح نہیں، مگر فنا کبھی نہیں ہوا، اب تبلیغی جماعت کی مساعی سے اللہ پاک نے پھر اس طریقہ کو رواجِ عام دے دیا۔ لہٰذا یہ کہنا درست ہے کہ یہ نبیوں والا کام ہے یعنی بغیر مدرسہ و کتاب زبانی دین سیکھنے اور سکھانے کی کوشش کرنا اور اپنی زندگی کو اس کے لیے وقف کر دینا طریقۂ انبیاء ہے، مگر دین سیکھنے کے جو دوسرے طریقے ہیں ان کو ناجائز کہنا جائز نہیں اور اصولِ تبلیغ کے بھی خلاف ہے، اس سے پورا پرہیز لازم ہے اور ہر مسلم کا اکرام اور علمی اور دینی خدمت کرنے والوں کا اکرام بھی لازم ہے۔ فقط۔

واللہ الموفق لما یحب یرضیٰ

حررہ العبد محمود غفی عنہ

تبلیغی جماعت والے کیا وہابی ہیں؟

السوال:

ہم لوگ ہندوستان سے بہت دور ساؤتھ افریقہ کے ایک سریتام میں رہتے ہیں، ہمارے یہاں ۱۹۵۰ء سے پاکستان وغیرہ سے بریلوی حضرات آتے رہتے تھے، ۱۹۶۸ء کے بعد سے تبلیغی جماعت کا سلسلہ جاری ہوا، ہمارے قریب ملک باردوس سے، پھر لندن اور افریقہ سے جماعتیں آتی رہیں، اس کے بعد گزشتہ سال امریکہ کے

اجتماع سے پہلے ہندوستان میں سورت اور بمبئی سے وہاں کے سات حضرات جماعت میں آئے تھے، کافی ووافی کام کیا تھا جس سے بہت لوگ متاثر ہو کر اجتماع میں شریک ہوئے تھے اور ہمارا پورا یقین ہے۔

لیکن پاکستان سے بریلوی اشرف القادری آ کے یہاں رہتا ہے، جس کے پاس ایک بڑی مسجد اور بڑی جماعت ہے، وہی زیادہ شور مچاتا ہے اور کہتا ہے کہ مولوی الیاس۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ وہابی ہے، وہابی مدرسہ کا پڑھا ہوا ہے، وہابی کا شاگرد ہے، وہابی عقیدہ پھیلاتا ہے اور مولانا اشرف علی کی تعلیم کو دنیا میں عام کرنا چاہتا ہے، ایسا ایک پرچہ بمبئی سے منگوا کر لوگوں میں تقسیم کیا ہے اور لوگوں کو بتایا ہے کہ سب دیوبندی اور تبلیغی جماعت والے وہابی اور کافر ہیں۔ لہذا زبردستی مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ اور مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ اور مولانا اسماعیل دہلوی رحمہ اللہ وغیرہ کو کافر کہلواتا ہے اور مجھ کو کہتا ہے کہ تم لوگ تبلیغی جماعت والوں کا ساتھ چھوڑ دو، ان کو مسجدوں میں گھسنے نہ دو، لات مار کے نکالو، یہ لوگ پہلے پہلے نماز، کلمہ کی دعوت دیتے ہیں، پھر اپنا رسوخ ہونے کے بعد اپنا وہابی عقیدہ ظاہر کریں گے۔

لہذا مفتی صاحب! آپ تفصیل سے نقل شدہ پرچہ کا جواب دیں، تاکہ ہم دوسرے حضرات کو دکھا سکیں اور مفتیان کرام کے دستخط اور مدرسہ کی مہر کے ساتھ جواب جلدی سے روانہ فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیا

تبلیغی جماعت والے، چاہے پرانے ہوں یا نئے ہوں، یا عالم ہو عامی ہوں، اسی طرح سے دیوبند سے تعلق رکھنے والے اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ صاحب اور حضرت مولانا

اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ صاحب سے عقیدت اور تعلق والے (ان کے شاگرد، مرید اور معتقد) لاکھوں موجود ہیں، جنہوں نے ہزاروں دینی مدارس قائم کیے، جن میں قرآن کریم، حدیث شریف، تفسیر، فقہ کی تعلیم ہوتی ہے اور تبلیغی جماعت تو خدا کے فضل سے تمام دنیا میں دینی کام کر رہی ہے۔

اس کام کی برکت سے فرائض زندہ ہو رہے ہیں، سنتیں زندہ ہو رہی ہیں، مسلمانوں کی زندگی سنت رسول ﷺ کے مطابق درست ہو رہی ہے، جو لوگ کبھی زکوۃ نہیں دیتے تھے، وہ باقاعدہ زکوۃ دے رہے ہیں، جن کے ذمہ حج فرض تھا اور ان کو حج کرنے کا خیال بھی نہ ہوتا تھا، وہ حج کر رہے ہیں، بے نمازی نماز کے پابند ہو رہے ہیں، غلط رسوم میں جو لوگ مبتلا تھے، وہ ان کو چھوڑ رہے ہیں، بدعات سے توبہ کر رہے ہیں، پکے پکے پرانے بدعتیوں اور بریلویوں کے عزیز بھی تبلیغی جماعت میں آ رہے ہیں۔

اسی عملی انقلاب کو دیکھ کر بریلوی رہنما پریشان ہیں، ان کو اس کی توفیق نہیں ہوتی کہ وہ بے نمازیوں کو مسجد میں لائیں، جس کی تاکید قرآن وحدیث سے ثابت ہے(1) اور جس کے لیے اللہ پاک نے ایک لاکھ سے زیادہ پیغمبر بھیجے اور حضور ﷺ اور ان کے صحابہ کرام اور امت کے اکابر نے اپنی زندگیاں صرف کر دیں۔ ہاں! ان بریلویوں کا کام صرف یہی رہ گیا

---

(1) قال اللّٰہ تعالی: ﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر وأولئك هم المفلحون﴾. (آل عمران:١٠٤)

"وعن حذيفة أن النبي ﷺ قال: "والذي نفسي بيده، لتأمرن بالمعروف، ولتنهون عن المنكر، أو ليوشكن الله أن يبعث عليكم عذابا من عنده، ثم لتدعنه، ولا يستجاب لكم". رواه الترمذي". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الثاني: ٤٣٦، قديمي)

ہے کہ نماز کے لیے مسلمانوں کو مسجد میں بلانے والوں کو گالیاں دے کر، کافر بنا کر، سیدھے سادے مسلمانوں کو دین سے دور رکھیں، تاکہ وہ اصل دین سے بے خبر رہیں اور بریلویوں کے معتقد بنے رہیں اور نذرانہ ان سے لیتے رہیں۔ قیامت آنے والی ہے، اس وقت سب کچھ سامنے آجائے گا اور اپنے اعمال وعقائد کی حقیقت کھل جائے گی۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مولانا علی میاںؒ کی عبارت سے

مولانا الیاس صاحبؒ پر اعتراضات

السوال:

مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور ان کی دینی دعوت (مرتبہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ) باب ہفتم ص ۲۰۵ پر ہے کہ مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے اپنے عزیز مولوی ظہیر الحسن صاحب ایم اے علیگ سے فرمایا، جو ایک وسیع النظر عالم ہیں:

"ظہیر! اس میں میرا مدعا کوئی پاتا نہیں، لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تحریک صلوٰۃ ہے، میں قسم کھاتا ہوں کہ ہرگز تحریکِ صلوٰۃ نہیں۔"

فرمایا: "ظہیر الحسن ایک نئی قوم پیدا کرنی ہے"۔ ص ۲۰۶ پر ہے، منشی نصر اللہ راوی ہیں کہ ایک روز میں نے عرض کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ مجدد وقت ہیں، فرمایا: "تم سے کون کہتا ہے؟" میں نے کہا لوگوں میں چرچا ہے، فرمایا: "نہیں، میری جماعت مجدد ہے....."

ص ۲۰۹ اور ۲۱۰ پر ہے:

"اگر کوئی شخص ان جگہوں سے غیر مسلم اہل شوکت کے مقامات ومرکزوں سے قنوت نازلہ پڑھے بغیر گزرے تو سلب

ایمان کا خطرہ ہے''۔

ص ۱۸۵ پر ہے، فرمایا:

''میں مشغول بہت ہوں، میں محسوس کر رہا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کو اذیت ہے، میں کسی اور چیز کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا''۔

(نعوذ باللہ)

دریافت طلب یہ امور ہیں:

(۱)۔ بانیِ تبلیغ کا اعلان کھلا اور صاف ہے کہ تحریکِ نماز نہیں اور پھر اس بات کو وہ قسم سے کہتے ہیں تو کیا یہ دھوکہ نہیں ہے؟

(۲)۔ مجدد کی کیا تعریف ہے؟ مجدد کتنے عرصہ بعد پیدا ہوتا ہے؟ کیا پوری جماعت مجدد ہو سکتی ہے؟

(۳)۔ کیا یہ صحیح ہے کہ اگر بغیر قنوتِ نازلہ پڑھے غیر مسلم کے مقامات سے کوئی گزر گیا تو ایمان سلب ہونے کا اندیشہ ہے؟

(۴)۔ کیا یہ صحیح ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت ہوتی ہے؟ نعوذ باللہ کیا یہ ہو سکتی ہے؟ ایسے سننے والے اور سوچنے والے اور لکھنے والے کے متعلق از روئے شریعت کیا حکم ہے مسلمان ہے یا نہیں؟ توبہ و تجدیدِ ایمان لازم ہے یا نہیں؟

(۵)۔ مجدد ایک وقت میں ایک ہوتا ہے، کیا ایک وقت میں پوری جماعت کے افراد جو ذمہ دار ہیں اور کل افراد شریک تبلیغ مجدد کہلائیں گے؟ برائے کرم مفصل حکم شرع مع حوالہ و دلیل سے تحریر فرمائیں۔

محمد حنیف قادری دھولوی، مظفر نگر

الجواب: حامداً ومصلیاً

تبلیغی جماعت اور اس کی خدمتِ دین، نقل وحرکت اس قدر پھیل چکی ہے کہ محتاجِ تعارف نہیں، تبلیغی جماعت کے لیے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ نے کچھ ہدایات دی ہیں، ان میں ایک نمبر یہ بھی ہے:

> ''ہماری جماعت کا اصل مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین پورا پورا سکھادیں، یہ تو ہمارا اصل مقصد ہے، رہی قافلوں کی چلت پھرت تو یہ اس مقصد کے لیے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ ونماز کی تلقین گویا ہمارے پورے نصاب کی الف ب ت ہے''۔

مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ نے نظام الدین دہلی میں کچھ مدت قیام کر کے ملفوظات کو جمع کیا تھا، اس مجموعہ میں یہ ملفوظ بھی ہے اور ایک چھوٹی سی کتاب ''چھ باتیں'' ہے، اس کے اخیر میں بھی ص ۳ پر یہ ملفوظ ہے، اس میں غور کرنے سے یہ اشکال خود رفع ہو جائے گا، مثلاً ایک استاد ایک جماعت کو قاعدہ بغدادی شروع کراتا ہے، جس کی ابتدا میں ہے الف ب ت اور سب کو تاکید کرتا ہے کہ اس کو پڑھو، دوسری طرف سے توجہ ہٹالو، جو وقت سبق یاد کرنے کا ہے اسی میں خرچ کرو، اس کے بعد پھر وہ پارہ عم اور قرآن کریم پڑھاتا ہے، پھر فارسی، عربی، حدیث، تفسیر، ایک طویل نصاب پڑھاتا ہے اور اس جماعت کو تربیت دے کر ہمہ تن علم دین کی خدمت واشاعت کے لیے مشغول کر دیتا ہے، اس جماعت کا مقصد یہی ہے کہ جس طرح خود الف ب ت سے ابتدا کر کے تمام علوم دینیہ کو پڑھا اور اس کا یقین دل میں قائم کیا، اپنے ظاہر و باطن کو دین کے تابع کیا، اعمال

صالحہ، اخلاقِ فاضلہ، غرض حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہر بات کو اختیار کیا، اسی طرح تمام دنیا میں یہ جماعت اسی کو لے کر پھرتی ہے اور اپنا مقصدِ حیات بتاتی ہے، کیوں کہ اس مقصدِ عظیم پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش نودی مرتب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی بھی، اب اگر وہ شخص معلم یہ کہے کہ میرا مقصد صرف قاعدہ بغدادی پڑھنا نہیں، حالاں کہ ابتدا اسی سے کی ہے، بلکہ یہ تو میرے مقصد کا الف ب ت ہے، میرا مقصد ایسی جماعت کو تیار کرنا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو پوری طرح پڑھے، سمجھے، اس پر یقین کرے، عمل کرے، اس کو پڑھائے، پھیلائے، تو کوئی دانش ور اس کی اس بات کو دھوکہ نہیں کہے گا، تاہم نمبروار جوابات عرض ہیں:

(۱)۔ یہ بالکل دھوکہ نہیں، ایسی جماعت میں شریک ہونا عین سعادت اور اِکمالِ دین کا ذریعہ ہے اور بعثتِ انبیاء علیہم السلام کے عین مطابق ہے۔

(۲)۔ ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر رأس مائة سنة (ہر سو سال کے آخر) پر ایسے شخص کو بھیجتے ہیں، جو دین کی تجدید کرتا ہے،(1) ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ ایک جماعت بھی مجدد ہو سکتی ہے۔(2)

---

(1) عن أبي هريرة رضي الله عنه فيما أعلم عن رسول الله ﷺ قال: "إن الله تعالىٰ يبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة من يجدد لها دينها". (سنن أبي داود، كتاب الملاحم، باب ما يذكر في قرن المائة: ۲/۲٤۱، مكتبه امداديه، ملتان)

(2) قال الملا على القاري رحمه الله تعالىٰ: "وقد تكلم العلماء في تأويله (أي الحديث المذكور) والأولى الحمل على العموم؛ فإن لفظة "من" تقع على الواحد والجمع، والأظهر عندي -والله أعلم- أن المراد بمن يجدد ليس شخصاً واحداً، بل المراد به جماعة يجدد كل أحد في بلد، في فن أو فنون من العلوم الشرعية ما تيسر له من الأمور التقريرية أو التحريرية، ويكون سبباً لبقائه، وعدم اندراسه، وانقضائه إلى أن يأتي أمر الله".

(مرقاة المفاتيح، كتاب العلم، قبيل الفصل الثالث: ۱/۵۰۷، رشيديه)

(۳)۔ کفر کی شوکت اور اہلِ کفر کی وجاہت کو دیکھ کر قلب کے اندر ضرور خدشہ ہونا چاہیے اس کا تقاضا وہی ہے جو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، حدیث پاک میں ایک مضمون ہے کہ ''ایک بستی پر عذاب نازل کرنے کا ملائکہ کو حکم ہوا، ملائکہ نے عرض کیا بہت اچھا، ہم تعمیلِ ارشاد کے لیے جا رہے ہیں، مگر وہاں ایک شخص ایسا بھی ہے جو ہمیشہ عبادت میں مشغول رہتا ہے، کبھی نافرمانی نہیں کرتا، کیا اس کو بھی تباہ کر دیں؟ حکم ہوا کہ ہاں! اس کو بھی تباہ کر دو، اس لیے کہ وہ ہماری نافرمانی کو دیکھتا رہا اور اس کے چہرہ پر تغیر تک نہیں آیا۔'' (1) کفر کے برابر کیا نافرمانی ہوگی؟ اس کی مثال ایسی سمجھیے جیسے کوئی نظیف الطبع آدمی کسی مکان میں جائے اور وہاں غلاظت پڑی ہو، کیا اسے ناگواری نہیں ہوگی۔ اور ناگواری کا اثر چہرہ پر ظاہر نہیں ہوگا؟ کیا اس کا طبعی تقاضا نہ ہوگا کہ یہ غلاظت یہاں نہ ہوتی؟ کیا وہ اس کی کوشش نہیں کرے گا کہ یہ غلاظت یہاں نہ رہے؟ اگر یہ اس کے قابو میں نہ ہو تو کیا وہ اس کی فکر نہ کرے گا کہ وہ وہاں سے دور ہٹ جائے؟ قنوتِ نازلہ اسی فکرِ عظیم کو دور کرنے کی ایک کوشش ہے۔

(۴)۔ امت کے اعمال حضرت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں، (2) بداعمالیوں سے اذیت بھی ہوتی ہے، روایات حدیث میں موجود ہے کہ ظاہر

---

(1) "عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "أوحى الله عزّوجل إلى جبريل عليه السلام أن أقلب مدينة كذا وكذا بأهلها، قال: يا ربّ! إن فيهم عبدك فلان، لم يعصك طرفة عين، قال: فقال: أقلبها عليه وعليهم؛ فإن وجهه لم يتمعر فيّ ساعةً قط"۔ رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الثالث: ٤٣٨، ٤٣٩، قديمي)

(2) "عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "حياتي خير لكم، تحدثون ويحدث لكم، ووفاتي خير لكم، تعرض عليّ أعمالكم، فما رأيت من خير =

حیات طیبہ میں بھی اذیت کی چیزوں سے نبی اکرم ﷺ کو اذیت ہوتی تھی، خود حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میرا ٹکڑا ہے، جس نے اس کو اذیت دی اس نے مجھ کو اذیت دی، (2) نیز قرآن کریم میں ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَاباً مُهِيناً﴾. (الاحزاب:۵۷)

اور حیاتِ برزخی تو زیادہ قوی ہے، اس کے احساسات بھی زیادہ قوی ہیں، اس کی وجہ سے ایمان میں شک کرنا اور توبہ وتجدیدِ ایمان کا سوال کرنا آیات واحادیث سے عدم واقفیت یا عدمِ استحضار کی بنا پر ہے۔

(۵)۔اس کا جواب نمبر۲ میں آچکا ہے، لیکن کسی شخص کے متعین طور پر مجدد ہونے کے لیے کوئی نص نہیں ہوتی، یہاں قرائن واحوال سے ہر زمانہ کے اصحاب علم واصحاب عرفان سمجھتے ہیں۔

مولانا ابوالحسن علی میاں صاحب بفضلہٖ تعالیٰ حیات ہیں، اگر براہِ راست ان سے دریافت کریں تو ممکن ہے وہ کوئی اور جواب تشفی بخش تحریر فرمادیں، میرا یہ جواب ان کے پاس بھیجنا چاہیں تو اس کی بھی اجازت ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ ان کے نزدیک یہ جواب صحیح ہے یا غلط؟ اور اگر مجھ کو بھی اطلاع کردیں تو مزید احسان ہوگا۔

فقط۔واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ العبد محمود غفرلہ

= حمدت الله عليه، وما رأيت من شر أستغفر الله لكم". روه البزار، ورجاله الصحيح". (مجمع الزوائد: ۹/ ۲۴، بحواله: تسكين الصدور: ۳۳۴)

(2) عن المسور بن مخرمة قال: قال رسول الله ﷺ: "إنما فاطمة بضعة مني، يؤذيني ما آذاها". (الصحيح لمسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل فاطمة رضي الله تعالىٰ عنها: ۲/ ۲۹۰، قديمي)

تبلیغی جماعت سے مولانا احتشام الحسن صاحبؒ کا اختلاف جہاد فی سبیل اللہ کی تشریح میں

السوال:

مکرمی محترمی جناب حضرت قبلہ مفتی صاحب! مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

واضح ہو کہ جناب کا تحریر کردہ ملفوف بنام جناب اشفاق الرحمٰن موصول ہوا اور احقر نے بھی اس کا مطالعہ کیا، بڑی مسرت ہوئی، مگر احقر کو کچھ اشکال تھا، اس لیے یہ تحریر کرنے پر مجبور ہوا، آنجناب نے تحریر فرمایا ہے کہ تبلیغ والوں کا یہ کہنا بھی بجا اور درست ہے کہ یہ نبیوں والا کام ہے اور اس کی وجہ بھی جناب والا نے تحریر کی ہے، اوّل تو وہ حضرات اس توجیہ سے خالی ہیں، بلکہ وہ حضرات اس کو حقیقت پر محمول کرتے ہیں، لیکن آپ نے حسنِ ظن رکھتے ہوئے توجیہ فرمائی ہے، تو آپ ہی فرمائیں کیا ادنی مناسبت سے کلی پر حکم لگایا جاسکتا ہے؟ اگر زید گوشت آگ پر سینک کر کھائے اور کہے کہ یہ نبیوں والا کام ہے تو آیا یہ درست ہوگا؟ اگر چہ یہ ایک بعید مثال ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک ہوتی ہے عقیدہ کی غلطی اور دوسری عمل کی غلطی، میں سمجھتا ہوں عملی غلطی بہتر ہے عقیدہ کی غلطی سے، یہ حضرات بے شک عملی غلطی کی اصلاح کرتے ہیں، مگر اس میں عقیدہ کی غلطی ضرور پیدا ہو جاتی ہے، جو زیادہ مضر ہے، اوّل یہ کہ مستحب کو فرض سمجھتے ہیں، فضائل جہاد کو محمول کرتے ہیں فضائل تبلیغ پر، آپ کی توجیہ سے زیادہ سے زیادہ استحباب کا درجہ دیا جاسکتا ہے، مگر وہ حضرات سنتِ مؤکدہ کا درجہ دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ تارکِ تبلیغ کو مبغوض اور تارکِ سنت کہتے ہیں، اگر یہ سنت ہے تو کیا علمائے کرام خود زیادہ

گنہگار ہیں؟ اور کیا انہوں نے کتمانِ علم کیا اور قیامت میں جواب دہ ہوں گے؟

احقر نے جمعہ ایڈیشن میں پڑھا تھا کہ حضرت مولانا محمد طیب صاحب نے فرمایا کہ بعض لوگ تبلیغ کے نام پر کچھ دین کا کام کر رہے ہیں، مگر وہ تبلیغ نہیں ہے، تحریف ہے اور حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی نے فرمایا (جو حضرت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ ہیں) نظام الدین کی موجودہ تبلیغ نہ قرآن وحدیث کے موافق اور نہ علمائے حق اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مسلک کے مطابق، بلکہ آگے فرماتے ہیں: بے انتہا اصولوں کے بعد جو کام حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے سامنے بدعتِ حسنہ کی حیثیت رکھتا تھا، اب بے انتہا بے اصولیوں کے باجود اس کو بدعتِ حسنہ بھی نہیں کہا جا سکتا ہے، نام کتاب ''بندگی کی صراطِ مستقیم'' ہے۔ امید ہے کہ جناب والا بلا ردو رعایت کے جواب قرآن وحدیث کے موافق عنایت فرما کر شکریہ کا موقعہ دیں گے۔ **قل الحق ولو کان مراً**۔ فقط۔ والسلام محتاج دعاء وخاکپائے بزرگاں:

مولوی محمد حارث دہلوی

خطیب مسجد املی والی، ۱۰۴ گلی مسجد تہور خان، نیا بانس، شہر دہلی

الجواب: حامداً ومصلیاً

محترمی! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے جس بے تکلفی سے اپنا اشکال تحریر فرمایا، اس سے بہت مسرت ہوئی، دین کے جس کام یا جس مسئلہ میں بھی شبہہ پیدا ہو، اس کو ضرور حل کرنا چاہیے، دل میں نہیں رکھنا چاہیے، اگر نفس الامر میں وہ مسئلہ غلط چل رہا ہے تو اصلاح کی جائے گی، اگر

اپنی سمجھ میں غلطی ہے تو اس کی اصلاح ہو جائے گی، یعنی غلط روی اور غلط فہمی دونوں ہی کی اصلاح ضروری ہے۔

احقر نے اس کام کو نبیوں والا کام قرار دینے کی جو توجیہ کی ہے اس پر آپ کا اشکال ہے (گوشت آگ پر سینک کر کھانا بھی نبیوں والا کام ہے۔) اس کا جواب بغیر رورعایت کے یہ ہے کہ نبیوں نے دو قسم کے کام کیے ہیں: ایک وہ جو طبعی بشری تقاضے کے تحت ہیں، جیسے کھانا، پینا، سونا، جاگنا، چلنا، بیٹھنا، خریدنا، فروخت کرنا وغیرہ کہ چاہے وحی آئے نہ آئے، نبی غیر نبی اپنی اپنی ضرورت کے مطابق یہ سب کام کرتے ہیں،(1) ایسے کاموں کے متعلق تو نبیوں نے ان کے طریقوں کی اصلاح کی ہے، مثلاً فلاں فلاں چیز کا کھانا درست ہے اور فلاں فلاں چیز کا کھانا پینا درست نہیں، نیز کھانے پینے کا طریقہ یہ ہے کہ فلاں فلاں چیز کی خرید و فروخت کا طریقہ یہ ہے، ایسے کاموں کے متعلق یہ نہیں کہا جائے گا کہ نبی ان کاموں کے لیے بھیجے گئے ہیں، کیوں کہ یہ کام تو دنیا میں پہلے ہی سے ہو رہے ہیں اور سب لوگ کر رہے تھے، خواہ نبی پر ایمان لائیں یا نہ لائیں، ہاں! نبیوں نے ایسے کاموں کے طرق وحدود کو متعین فرما دیا۔

دوسرے کام نبیوں نے وہ کیے جن کے لیے نبی اَصالۃً مبعوث ہوئے، ان کا

---

(1) أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه يقول: "جاء ثلثة رهط إلى بيوت أزواج النبيّ ﷺ، يسألون عن عبادة النبي ﷺ، فلمّا أخبروا، كأنهم تقالوها، فقالوا: وأين نحن من النبي ﷺ؟ قد غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر. قال أحدهم: أما أنا فأنا أصلي الليل أبداً......، إلى أن قال: فجاء رسول الله ﷺ، فقال: أنتم الذين قلتم كذا وكذا؟ أما والله، إني لأخشاكم الله، وأتقاكم له، لكني أصوم، وأفطر، وأصلي، وأرقد، وأتزوج".

(صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب الترغيب في النكاح: ٧٥٧/٢، قديمي)

خلاصہ اجمالی اور کلی طور پر یہی ہے کہ بندوں کو بندگی کی زندگی سکھائی جائے، (1) جس کی بنیاد توحید و رسالت پر ہے، یعنی کلمہ طیبہ: اس کے الفاظ سکھائے جائیں (2)، مطلب بتایا جائے، مطالبہ سمجھایا جائے، مطالبہ میں نماز، ذکر، علم، اکرام مسلم، تصحیح نیت، تفریق وقت سب چیزیں آجائیں گی، ان پر پابندی اصول کے ساتھ محنت کی جائے تو دین کا ہر ہر دروازہ کھلتا چلا جائے گا اور عملی مشق ہوتی چلی جائے گی، یہاں تک کہ پورے دین کے ساتھ تعلق قوی ہوجائے گا اور جس قدر بھی دنیا میں یہ جماعتیں دین کو لے کر نکلیں گی ان کا دین پختہ ہوگا اور دوسروں تک دین کی اشاعت ہوکر کارِ نبوت پورا ہوگا، درحقیقت اسی کام کے لیے انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی اور یہی نبیوں والا کام ہے، باقی کام ضمناً وطبعاً عمل میں آئے، حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے اس مقصد کی خود ہی

---

(1) وعن مالك بن أنس رحمه الله تعالىٰ: بلغه أن رسول الله ﷺ قال: "بُعثتُ لِأتمم حسن الأخلاق". رواه في الموطإ. (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الرفق والحياء وحسن الخلق، الفصل الثالث، قديمى)

وقال: "مَثَلي ومثل الأنبياء كمثل قصر أحسن بنيانه، ترك منه موضع لبنة". الحديث.

قال الطيبي: "هذا من التشبيه التمثيلي، شبّه الأنبياء ومابعثوا من الهدى والعلم، وإرشاد الناس إلى مكارم الأخلاق بقصر شيّد بنيانه، وأحسن بناء ه، لكن ترك منه ما يصلحه، وما يسد خَلَله من اللبنة، فبعث نبينا لسد ذلك الخلل مع مشاركته إياهم في تأسيس القواعد ورفع البنيان". (المرقاة، كتاب الفضائل، باب فضائل سيدالمرسلين ﷺ، الفصل الأول: ١٠/١٠، رشيديه)

(2) قال الله تعالىٰ: ﴿قُلْ هَـٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُوا إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي﴾. (يوسف:١٠٨) قال العلامة الآلوسي: "أي هذه السبيل التي هي الدعوة إلى الإيمان، والتوحيد سبيلي......، أي: أدعو الناس إلى معرفته سبحانه بصفات كماله ونعوت جلاله، ومن جملتها التوحيد". (روح المعاني: ٦٧/٣، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

وضاحت فرمادی ہے، چناں چہ وہ فرماتے ہیں:

''ہماری جماعت کا اصل مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین پورا پورا سکھا دیں، یہ تو ہمارا اصل مقصد ہے، رہی قافلوں کی چلت پھرت تو یہ اس مقصد کے لیے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ نماز کی تلقین، گویا ہمارے پورے نصاب کی الف ب ت ہے.....''۔(1)

مثال کے طور پر سمجھیے کہ ایک طالب علم مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتا ہے تو کہا جائے گا کہ اس کا مقصد تحصیلِ علم ہے، اگر چہ وہ کھانا، پینا، سونا، جاگنا سب ہی کام کرتا ہے، مگر اس کا سفر اور مدرسہ میں قیام ان کاموں کے لیے نہیں ہے، یہ کام تو وہ پہلے بھی کرتا تھا اور ہر جگہ کرتا تھا اور جو لوگ مدرسہ میں داخل نہیں وہ بھی یہ کام کرتے ہیں، لہٰذا اس کا اصل کام، جس کے لیے مدرسہ میں آیا ہے، پڑھنا ہے۔

تنبیہ: اس مقصدِ عظیم (تبلیغ) نبیوں والے کام کے لیے بڑی اہلیت اور بڑے اوصاف جلیلہ کی ضرورت ہے، ورنہ نا اہلیت اور پست اوصاف کی وجہ سے یہ کام نظروں سے گر جائے گا، اسی لیے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے جب اس کام کی ابتدا میوات کے غیر تعلیم یافتہ طبقہ سے کی تو ان کو یہ ذہن نشین کرایا کہ دین سیکھنے کے لیے چلو، اپنے اپنے مکانات پر رہتے ہوئے شب و روز کے مسائل، کھیتی، لڑائی، چوری اور دیگر جرائم کی وجہ سے نہ ذہنوں میں دین سیکھنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے، نہ اس کے اسباب موجود ہیں، لہٰذا وقت کو فارغ کر کے اپنے کھانے کے سامان لے کر چلوں کے لیے نکلو،

---

(1) کتاب ''چھ باتیں'' تبلیغی کام کرنے والوں کو ہدایات (رقم: ۳۰/ ۹۷، قدیمی)

ایک چلہ گزار کر واپسی پر ان میں اتنا تغیر ہو گیا کہ کسی کا ایک پارہ ہو گیا، کسی نے نماز سیکھ لی، کسی کو استنجا، وضو کا صحیح طریقہ آ گیا، کسی کو ستر ڈھانکنے کا اہتمام ہو گیا، کسی کو مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے اور دیگر اوقات کی کچھ دُعائیں یاد ہو گئیں، کسی نے گالی دینا چھوڑ دیا، کسی نے شراب اور کسی نے دوسری برائیوں سے توبہ کر لی۔ الی غیر ذلک۔

پھر دوسرے چلہ میں اور تغیر ہوا، غرض حسب استعداد وطلب دین سیکھتے گئے اور اصلاح ہوتی گئی اور کار نبوت انجام پاتا گیا، اس اعتبار سے یہ تمرین بھی ہے۔

اصول کی پابندی نہ کرنے اور اپنی حد سے بڑھ کر تقریر کرنے سے خرابیاں بھی پیدا ہوتی ہیں اور بعضوں کے ذہن میں یہ بھی آتا ہے کہ اصل کام تو ہمارا ہی ہے، باقی دوسرے طریقوں پر مدارس، خانقاہیں، وعظ وتذکیر، تصنیف وغیرہ کے ذریعہ جو دینی کام کیا جاتا ہے، اس کو وہ لوگ معمولی کام، بلکہ نا اہل تو حقیر کام سمجھنے لگتے ہیں، یہ ان کی غلطی اور فتنہ کی چیز ہے، اہلِ علم ودانش کو ان کی نگرانی اور اصلاح ضروری ہے، ورنہ یہ متعدی فتنہ ہو جائے گا۔

حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب کے متعلق اتنا عرض ہے کہ یہ تبلیغ کے چھ نمبر ان کے ہی قلم سے لکھے گئے ہیں اور دیر تک وہ خود بھی اس کام کو بہت جدوجہد سے کرتے رہے، انہوں نے ایک کتاب لکھی ''مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج'' اس پر اکابر کے دستخط کرائے، اس میں بھی اس کام کو بہت سراہا اور اس پر لوگوں کو اُبھارا، حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے انتقال کے بعد جو ان کی سوانح لکھی گئی، اس پر مولانا نے مقدمہ لکھا اور اس کام کی تعریف لکھی، مولانا نے ''بندگی کی صراطِ مستقیم'' لکھی اور چھپنے سے پہلے مجھے بھی دکھائی، پھر میرے دیکھنے کے بعد جب وہ چھپ کر آئی تو اس

کے اخیر میں ''نہایت ضروری انتباہ'' کو لوگوں نے پڑھا اور میرے پاس خطوط آئے کہ میرے نزدیک کیا یہ تبلیغ ملت کی تباہی اور بربادی کا سبب ہے؟ اور کیا یہ قرآن وحدیث اور طریقہ سلف کے موافق نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ تب میں نے ایک نسخہ منگا کر اس کو پڑھا اور حیرت میں پڑھ گیا کہ یا اللہ! اس خطرناک بات کو میری طرف سے منسوب کیا جارہا ہے، یہ ہوسکتا ہے کہ چالیس بیالیس سال کے بعد مولانا کی رائے بدل گئی ہو اور جس چیز کو انھوں نے مسلمانوں کے حق میں علاج تجویز کیا تھا اور اس پر قرآن کریم اور حدیث شریف اور عملِ اسلاف سے قوی دلائل پیش کیے تھے اور اس کو اپنے لیے بہت مایہ نازفخر تصور کرتے تھے، آج وہ چیز تباہی وبربادی بن گئی ہو یا انہوں نے اپنی پہلی رائے کو غلط سمجھا ہو اور آج محسوس ہوا ہو کہ جس چیز کو علاج بنا کر پیش کیا تھا اور اس پر اکابر کی تصدیق بھی تھی وہ تباہی اور بربادی تھی اور جن آیات اور احادیث کو بطور دلیل پیش کیا تھا، ان کے متعلق بھی آج ان کو محسوس ہوا ہو کہ ان کا مطلب وہ غلط سمجھتے تھے اور اب صحیح سمجھتے ہیں، غرض اللہ ہی کے میں علم ہے کہ حقیقتِ حال کیا ہے؟

تاہم میں نے ان کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ برائے خدا دو لفظ لکھ کر مجھے دے دیجیے یا خود شائع کردیجیے کہ محمود کی رائے اصل کتاب کے بارے میں تو موافق ہے، مگر ''نہایت ضروری انتباہ'' کے ذیل میں، جو تبلیغی کام کو ملت کی تباہی کا ذریعہ بتایا گیا ہے، یہ مضمون محمود نے نہیں دیکھا، بلکہ یہ اضافہ بعد میں کیا گیا، اس کی رائے اس سے متفق نہیں۔ مگر مولانا اس کے لیے آمادہ نہیں ہوئے، کئی بار خط لکھا، مگر مولانا نے درخواست منظور نہیں فرمائی اور اخیر میں، میں نے اپنا وہ خط شائع کردیا جو ان کی خدمت میں لکھا تھا اور اس میں قدرے تفصیل بھی تھی۔

ادھر حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ان کی خدمت میں مدرسہ کے مبلغ مولانا ارشاد احمد صاحب کو بھیجا کہ اس غلط نسبت سے عوام میں غلط فہمی پھیلے گی، میری طرف اس کی نسبت نہیں ہونی چاہیے، مگر مولانا احتشام الحسن صاحب نے اس غلط فہمی کے زائل کرنے لیے کوئی تحریر شائع نہیں فرمائی، حالاں کہ اس وقت جہاں جہاں وہ کتاب ''بندگی کی صراطِ مستقیم'' پہنچی اور خوب پہنچی، اس کی وجہ سے بہت فتنے پیدا ہوئے، بعض جگہ کشیدگی کی نوبت بھی آئی، مولانا کے پاس بھی ان کے قدیم احباب متعارفین مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا منظور احمد نعمانیؒ، مولانا جمیل احمد حیدرآبادی، مولانا عامر انصاری وغیرہ کے خطوط آئے، حتی کہ حجازِ مقدس سے مولانا کے خاندانی عزیز مولانا سلیم صاحب، مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ، کے پاس سے تو بہت سخت قسم کا خط آیا، جس نے مولانا کی نفسیات کو بالکل کھول کر رکھ دیا (وہ خاندانی عزیز اور بے تکلف ہیں، ان کو حق ہوگا)، سب نے ہی مولانا کی اس تحریر کو نامناسب، مضر، غلط قرار دیا اور مشورہ دیا کہ آپ اس سے رجوع کرلیں، میں نے اپنا خط شائع کرنے کے لیے کان پور بھیجا، وہاں اس کے ساتھ چند اکابر کے خطوط بھی شائع کردیے گئے، جس سے تبلیغ کے متعلق ان کا نظریہ معلوم ہوتا ہے اور ان سب کو ایک رسالہ کتابچہ کی شکل میں دے کر ایک پیش لفظ بھی ناشر نے لکھ دیا، اس میں مولانا احتشام الحسن صاحب کے متعلق بعض ایسے الفاظ بھی آگئے، جن سے مجھے دکھ ہوا، میں نہیں چاہتا تھا کہ مولانا کے احترام کے خلاف ایسے گرے پڑے الفاظ استعمال کیے جائیں، ان کی رائے اگر بدل گئی اور مجھے ان سے اتفاق نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ان سے لڑائی کی جائے، یا ان کا احترام نہ کیا جائے، وہ کتابچہ بھی آپ کی خدمت میں ارسال ہے، آئندہ بھی جو اصلاحی مشورہ دیں گے شکر گزار

ہوں گا۔

ہاں! ایک بات رہ گئی، وہ یہ کہ فضائل جہاد کی حدیثوں کو تبلیغ پر چسپاں کیا جاتا ہے تو یہ بات صحیح ہے اور اس کی وجہ جو عام فہم ہے وہ یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں: ایک تو ہے خدا کی راہ میں دشمنانِ اسلام سے قتال کرنا، عامۃً اسی کو جہاد کہا جاتا ہے (1) اس کی فضیلتیں مستقل ہیں اور وہ بہت ہی اعلیٰ ہیں (2)، دوسری چیز ہے خدا کے دین کے لیے کوشش کرنا، اگر چہ اس میں قتال کی نوبت نہ آئے، قرآن کریم اور حدیث شریف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی جہاد ہے، چناں چہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح بخاری میں لکھا ہے کہ امور دین کا علم حاصل کرنا (پڑھنا)، تعلیم دین (پڑھانا)، امر بالمعروف، نہی عن المنکر سب جہاد ہے، اسی طرح دینی کتابیں تصنیف کرنا، مسائل بتانا، مخالفین کے اعتراض کا جواب دینا، ان سے مناظرہ کرنا بھی سب جہاد ہے، حتیٰ کہ امام

---

(1) "والجهاد بكسر الجيم، أصله لغةً: المشقة......، وشرعاً: بذل الجهد في قتل الكفار، ويطلق على مجاهدة النفس والشيطان والفساد. فأما مجاهدة النفس فعلى تعلّم أمور الدين، ثم على العمل بها، ثم على تعليمها، وأما مجاهدة الشيطان، فعلى دفع ما يأتي به من الشبهات، وما يزيّنه من الشهوات، وأما مجاهدة الكفار: فتقع باليد، والمال، ثم اللسان، ثم القلب، وأما مجاهدة الفساق: فباليد، ثمّ اللسان، ثم القلب".

(فتح الباري، كتاب الجهاد: ٣/٦، قديمي)

(2) "وفضل الجهاد عظيم، وكيف؟ وحاصله بذل أعز المحبوبات، وإدخال أعظم المشقات عليه، وهو نفس الإنسان ابتغاء مرضاة الله، وتقرباً بذلك إليه تعالىٰ......، وقدجاء أنه جعله أفضل بعد الإيمان في حديث أبي هريرة رضي الله عنه قال: سئل رسول الله ﷺ: أيّ الأعمال أفضل؟ قال: "إيمان بالله ورسوله". قيل: ثم ماذا؟ قال: "الجهاد في سبيل الله". قيل: ثم ماذا؟ قال: "حجّ مبرورٌ". متفق عليه۔

(المرقاة، كتاب الجهاد، قبيل الفصل الأول: ٣٤٨/٧)

نوویؒ نے غالباً تیرہ قسمیں جہاد کی لکھی ہیں، قرآن کریم میں ہے۔ ﴿یَا أیھا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ﴾ (1) اس آیت میں کفار اور منافقین سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے، مگر منافقین سے جہاد بالسیف کی نوبت نہیں آئی، دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُم سُبُلَنَا﴾. الآیۃ(2) یہاں بھی قتال بالسیف مراد نہیں، نیز خروج فی سبیل اللہ کا لفظ بھی قتال کے ساتھ مخصوص نہیں، حضرت امام بخاریؒ نے کتاب الجہاد ص ۳۹۴ میں حدیث نقل کی ہے: "مَا اغْبَرَّت قَدَمَا عَبْدٍ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَمَسَّهُ النَّارُ" (3) اور اسی مضمون کی حدیث کتاب الجمعہ ص ۱۲۴ میں بیان کی ہے: "مَنِ اغْبَرَّت قَدَمَاهُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ" اس سے معلوم ہوا کہ جہاد کو قتال بالسیف کے ساتھ مخصوص کرنا درست نہیں ہے۔(4)

---

(1) (التوبة:۷۳)

قال العلامة الألوسی رحمه الله تعالیٰ: "وروی عن الحسن وقتادة أن جهاد المنافقين بإقامة الحدود عليهم. واستشكل بأن إقامتها واجبة على غيرهم أيضاً، فلا يختص ذلك بهم، وأشار في "الأحكام" إلى رفعه بأن أسباب الحد في زمنه ﷺ أكثر ما صدرت عنهم"۔ (روح المعانی: ۱۳۷/۱۰، دار إحياء التراث العربی)

(2) (العنكبوت:٦٩)

(3) عبدالرحمن بن جبر أن رسول الله ﷺ قال: "ما اغبرت قدما عبد فی سبيل الله، فتمسه النار". (صحيح البخاری، كتاب الجهاد، باب من اغبرت قدماه فی سبيل الله: ۳۹٤/۱، قديمی)

(4) قال (ابن بطال): "المراد فی سبيل الله جميع طاعاته".(فتح الباری: ٣٦/٦، قديمی) وقال القاری تحت قوله عليه الصلوة والسلام: "إن فی الجنة مأة درجة......، الحديث: "هم الغزلة أو الحجاج أو الذين جاهدوا أنفسهم فی مرضاة الله تعالیٰ". (المرقاة: ٣٥١/٧، رشيديه) وقال أيضاً: "هو فی الحقيقة كل سبيل يطلب فيه رضاه". (المرقاة: ٣٥٩/٧)

دوسرا۔ غور کیا جائے کہ قتال سے مقصود اصلی خوں ریزی نہیں، بلکہ دین کا فروغ مقصود ہے اور قتال بالسیف کی وہاں نوبت پیش آتی ہے جہاں دین کے فروغ میں ایسی رکاوٹ پیش آجائے جو بغیر قتال بالسیف کے دور نہ ہو سکے، اسی لیے ابتداً دین کی دعوت دی جائے، اگر وہ قبول ہو جائے تو سیف کی ضرورت نہیں، اگر دعوت قبول نہ ہو تو پھر جزیہ کا حکم ہے، اگر اس کو منظور کر لیا جائے تب بھی سیف کی ضرورت نہیں، ورنہ مجبوراً اتنی مقدار میں سیف کی ضرورت ہے کہ رکاوٹ دور ہو اور اصل مقصود (فروغ دین) حاصل ہو جائے، (1) جو اجر و ثواب وسیلہ پر ہے اس سے زیادہ اجر و ثواب اصل مقصود پر ہونا بالکل ظاہر ہے۔ فقط۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

کیا تبلیغی جماعت کے ساتھ جانا جہاد ہے؟

السوال:

کیا تبلیغی جماعت کے ساتھ جا کر لوگوں کو صرف نماز کی دعوت دینا جہاد ہے؟

---

(1) عن سليمان بن بريدة عن أبيه قال: كان رسول الله ﷺ إذا أمر أميراً على جيش أو سرية، أوصاه: "......، وإذا لقيت عدوك من المشركين......، ادعهم إلى الإسلام، فإن أجابوك فاقبل منهم، وكف عنهم، ثم ادعهم إلى التحول من دارهم إلى دار المهاجرين، وأخبرهم أنهم إن فعلوا ذلك، فلهم ما للمهاجرين، وعليهم ما على المهاجرين، فإن أبوا أن يتحولوا منها، فأخبرهم أنهم يكونون كأعراب المسلمين......، فإن أبوا فسلهم الجزية، فإن هم أجابوك، فاقبل منهم، وكف عنهم، فإن هم أبوا، فاستعن بالله وقاتلهم". (صحيح مسلم: ٢/ ٨٢، قديمي)

وفي الدر المختار: "فإن حاصرناهم، دعوناهم إلى الإسلام، فإن أسلموا فبها، وإلا فإلى الجزية لو محلاً لها......، فإن قبلوا ذلك فلهم ما لنا من الإنصاف، وعليهم ما علينا من الانتصاف ......، ولا يحل لنا أن نقاتل من لا تبلغه الدعوة إلى الإسلام......، وندعو ندباً من بلغته إلا إذا تضمن ذلك ضرراً......، وإلا يقبلوا الجزية، نستعين بالله، ونحاربهم......". (٤/ ١٢٨، ١٢٩، رشيديه)

الجواب: حامداً ومصلیاً

جہاد کہتے ہیں خدا کے دین کی خاطر محنت ومشقت جدو جہد کرنے کو، اس کی بہت سی صورتیں ہیں، ایک صورت یہ بھی ہے، جو تبلیغی جماعت کرتی ہے اور خدا کے راستہ میں جان دے دینا، یعنی دشمنوں سے لڑتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے لیے مقبول ہو جانا، یہ جہاد کا بڑا درجہ ہے، جو کہ قتال سے ہی حاصل ہوتا ہے۔(1)

علماء پر تبلیغ نہ کرنے کا اعتراض

السوال:

مسلمان نہ صرف علوم دینی سے بے بہرہ ہیں، بلکہ ان کے دنیوی اور دینی لیڈر بھی مسلمانوں کے علوم دین سے مستفید ہونا پسند نہیں کرتے، اب سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کے دینی لیڈر تو علمائے کرام ہیں اور دنیوی غیر متقی اور مسلمان ہیں، تو کیا یہ دونوں رہبران دینی علوم حاصل کرنا پسند نہیں کرتے؟

الجواب: حامداً ومصلیا

علماء نے تو مدارس قائم کیے، کتابیں جمع کیں، اساتذہ کو مقرر کیا، طلبہ کو اکٹھا کر کے تعلیم کا انتظام کیا، جگہ جگہ وعظ کہتے ہیں، جلسے کرتے ہیں، تبلیغ کرتے ہیں، کتابیں تصنیف کرتے ہیں، پھر اس کا مشاہدہ کر لیا جائے، پھر ان کے متعلق یہ بات کیسے صحیح ہو سکتی ہے کہ یہ مسلمانوں کا دینی علوم سے مستفید ہونا پسند نہیں کرتے؟ اس بات کا غلط ہونا تو آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

---

(1) قد سبق تخریجہ تحت عنوان: "تبلیغی جماعت سے مولانا احتشام الحسن صاحب کا اختلاف......"۔

کیا روزانہ تعلیم کرنا حدیث کے خلاف نہیں؟

السوال:

مشکوۃ کے اندر حدیث سے ثابت ہے کہ روزانہ تعلیم نہ کرنا چاہیے، ایک صحابی جمعرات کے روز تعلیم فرماتے تو اس کو غالباً منع فرمایا گیا۔(1) اب لوگ ہر روز تعلیم دیتے ہیں، حالاں کہ دین کی بات سننے میں جتنی دلچسپی اس وقت تھی اب اس کا عشر عشیر بھی نہیں، پھر روزانہ تعلیم کے بارے میں کیا مسئلہ ہے؟

الجواب: حامدا ومصلیاً

دین کی ضرورت کا احساس کرایا جائے، جس قدر دین سے بے رغبتی ہو اسی کے اندر تعلیم کی زیادہ ضرورت ہے، دینی مدارس قائم کیے جائیں، یہاں دارالعلوم میں فجر سے تعلیم شروع ہو جاتی ہے، چھٹی کے بعد بھی تعلیم ہوتی ہے، مغرب کے بعد بھی، عشاء کے بعد بھی، جمعہ کے روز بھی، اصحاب صفہ تو سب کاموں سے فارغ ہو کر دین ہی حاصل کرنے کے لیے خدمت اقدس میں آ پڑے تھے۔(2) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حلقہ درس میں سولہ سو طلباء تھے اور محدثین نے شب و روز علم حاصل کیا،

---

(1)"عن شقيق قال: كان عبدالله بن مسعود رضى الله تعالى عنه يذكر الناس فى كل خميس فقال له رجل: يا أبا عبدالرحمن، لوددت أنك ذكرتنا فى كل يوم؟ قال: أما إنه يمنعني من ذلك إني أكره أن أملكم، وأني أتخولكم بالموعظة كما كان رسول الله ﷺ يتخولنا بها مخافة السآمة علينا. متفق عليه".(مشكوة المصابيح: ٣٣، كتاب العلم، قديمى)

(2) مجمع بحار الأنوار: ٣/٣٣١، مجلس دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد)

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ سے نوے ہزار لوگوں نے بخاری شریف پڑھی۔(1) مشکوۃ شریف کا آپ کا نے حوالہ دیا ہے، وہ وعظ تذکیر کی صورت ہے۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

ایک تبلیغی کی تقریر

السوال:

یہاں پر ایک تبلیغی صاحب نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی:

نبوت ختم، کارِ نبوت باقی: ۱۔ نبوت ختم ہو چکی، لیکن کارِ نبوت باقی ہے، اس کی تکمیل سارے مسلمانوں پر ضروری ہے۔

مولانا الیاس صاحبؒ الہامی نبی نہیں تھے: ۲۔ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ دراصل الہامی نبی تھے، انبیاء پر وحی آتی تھی، لیکن مولانا الیاس صاحبؒ ایسے نبی تھے، جن کو ہر آنے والے واقعہ کا الہام ہوتا تھا، گویا الہامی نبی تھے؟

مشورہ وحی کا پورا بدل نہیں: ۳۔ مشورہ دراصل وحی کا بدل ہے، جس طرح انبیاء کے مسائل وحی سے اللہ تعالیٰ حل فرما دیتے تھے، اسی طرح مشورہ بمنزلہ وحی کے ہے، یعنی وحی کا بدل ہے، آپ ان باتوں کی تشریح فرمائیں، تاکہ مغالطے دور ہوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً

ا۔ اتنی بات تو صحیح ہے کہ نبوت کا دروازہ بند ہو گیا ہے......، اب کسی نئے نبی کے

---

(1) قال الحافظ: "وذكر الفربری أنه سمعه منه تسعون ألفاً".

(هدية الساری مقدمة فتح الباری: ٦٧٨، ذكر تصانيفه والرواة عنه، قديمی).

آنے کی گنجائش نہیں (1) اور جس مقصد کے لیے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا سلسلہ جاری فرمایا گیا تھا وہ مقصد باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا، اس کو پورا کرنا حسب استعداد وصلاحیت امت کے ذمے لازم ہے، جس کے لیے آیات و احادیث بکثرت شاہد ہیں۔(2)

۲۔حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو نبی کہنا درست نہیں، نہ الہامی نبی، نہ کسی اور قسم کا نبی، ایسے عنوانات سے بہت غلط فہمی پیدا ہوتی ہے، اس لیے کلی احتراز واجب ہے۔(3) اس پر بھی کوئی دلیلِ شرعی قائم نہیں کہ حضرت مولانا مرحوم کو ہر آنے والے واقعہ کا الہام ہوتا تھا، اگر حضرت مولانا مرحوم حیات ہوتے تو ہرگز ہرگز ایسی باتوں کی اجازت نہ دیتے، بلکہ سختی سے روک دیتے۔

۳۔مشورہ شریعتِ اسلامیہ میں بہت مفید اور اہم ہے، قرآن و حدیث میں

---

(1) قال الله تعالىٰ: ﴿ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين﴾. (الأحزاب: ٤٠) "عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: "فضلت على الأنبياء بستٍ: أعطيت جوامع الكلم......، وأرسلت إلى الخلق كافةً، وختم به النبيون". رواه مسلم." (مشكوة المصابيح، كتاب الفضائل، باب فضائل سيدالمرسلين صلوات الله تعالىٰ وسلامه عليه، الفصل الأول: ٥١٢، قديمي)

(2) قال الله تعالىٰ: ﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر، وأولئك هم المفلحون﴾. (آل عمران: ١٠٤) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ٤٣٦، قديمي)

(3) "وعن معاوية رضي الله عنه قال: "إن النبي ﷺ نهى عن الأغلوطات" رواه أبو داود". (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني: ٣٥، قديمي)

اس کی تاکید آئی ہے(1)، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی تھی، لیکن مشورہ کا وہاں بھی حکم تھا، مشورہ سے اگر کوئی بات طے ہو جائے تو اس میں خیر و برکت ہے، اگر مشورہ میں کچھ کوتاہی رہی تو اس کی اصلاح وحی سے ہو جاتی تھی، اب وحی بند ہے(2)، اشاعت و حفاظتِ دین کے لیے کسی ایک شخص کی رائے پر اعتماد نہیں ہوتا، (3) اس لیے مشورہ سے کرنا بہتر ہے، وحی قطعی چیز ہے، جس میں شبہ اور غلطی کا احتمال نہیں (4)، مشورہ میں غلطی اور شبہ کا احتمال رہتا ہے، اس لیے مشورہ وحی کا پورا بدل نہیں، ہاں! خدائے پاک کی رحمت ضرور مشورہ میں شامل رہتی ہے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند ۱۰/۳۰/ ۸۵ھ

الجواب صحیح۔ بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند

---

(1) قال الله تعالىٰ: ﴿فاعف عنهم واستغفر لهم، وشاورهم في الأمر، فإذا عزمت فتوكل على الله﴾. (آل عمران:١٥٩) وقال الله تعالىٰ: ﴿والذين استجابوا لربهم وأقاموا الصلوة، وأمرهم شورىٰ بينهم﴾. (الشورى:٣٨)

(2) "وكانت الشورىٰ بين النبي ﷺ وأصحابه فيما يتعلق بأحكام الحروب......، وكانت بينهم ايضاً في الأحكام كقتال أهل الردة......، والمراد بالأحكام ما لم يكن لهم فيه نص شرعي، وإلا فالشورىٰ لامعنى لها". (روح المعاني :٤٦/٢٥)

(3) "عن علي كرم الله وجهه قال: قلت: يا رسول الله، الأمر ينزل بنا بعد لم ينزل فيه قرآن، ولم يسمع منك فيه شيء، قال: "أجمعوا له العابد من امتي، واجعلوه بينكم شورىً، ولا تقضوه برأي واحد". (روح المعاني، المصدر السابق)

(4) قال الله تعالىٰ: ﴿قرآناً عربياً غير ذي عوج لعلهم يتقون﴾. (الزمر:٢٨)

"(غير ذي عوج)......، وقد يقال: مراد من قال: أي لا لبس فيه، ولا شك، نفي بعض أنواع الاختلال، وعلى ذلك ما روى عن عثمان بن عفان رضي الله عنه من أنه قال: "أي غير مضطرب ولامتناقض". (روح المعاني: ٢٦٢/٢٣، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

مستقل قوم کا مطلب

السوال :

عرصہ ہوا تبلیغی جماعت سے متعلق آپ سے سوال کیا گیا تھا، آپ نے نہایت اطمینان بخش جواب دیا تھا، پھر میں کتابوں کے مطالعہ میں مشغول ہوا، بریلویوں کی ضد سامنے آئی اور یہی خیال کرتا رہا کہ یہ لوگ ضدی ہوتے ہیں، مگر مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا ارشاد کتاب مسمیٰ ''دینی دعوت'' نظر کے سامنے ہے، جس کے ص ۲۲۶ پر یہ تحریر ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موصوف نے اپنے عزیز مولوی ظہیر الحسن ایم اے علیگ سے فرمایا جو ایک وسیع النظر عالم بھی ہیں: ''ظہیر الحسن! میرا مدعا کوئی پاتا نہیں، لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تحریکِ صلوۃ ہے، میں قسم سے کہتا ہوں کہ یہ ہرگز تحریکِ صلوۃ نہیں''۔ ایک روز بڑی حسرت سے فرمایا: ''میاں ظہیر الحسن! ایک نئی قوم پیدا کرنی ہے''۔ دو سال پیشتر جو استفسار کیا گیا تھا اور موجودہ تحریر کردہ عبارت میں بہت بڑا فرق ہے، دماغ پریشانیوں سے دوچار ہو رہا ہے، علاوہ ازیں کتاب مسمیٰ ''اصول دعوت و تبلیغ'' بھی سامنے ہے، جو حضرت مولانا عبدالرحیم شاہ قبلہ کی تقریر کا مجموعہ ہے، ''وہ آیات واحادیث جو جہاد سے متعلق ہیں ان کو موجودہ تبلیغی پر چسپاں کیا جاتا ہے''، اس عبارت پر مولانا موصوف نے تبلیغی جماعت کے لوگوں سے دلیل بھی طلب کی ہے کہ جہاد کی آیتوں اور احادیث کو موجودہ تبلیغ پر چسپاں کرنے سے پہلے دلیل دیں، دیکھیے! کس قدر تضاد ہے، امید ہے کہ شافی جواب دے کر بے چینی کو دور فرمائیں گے۔

محمد حبیب الرحمٰن

مدرس مدرسہ انجمن اسلامیہ، نیا صرافہ بازار، ادوے پور، راجستھان

الجواب: حامداً ومصلیاً

اس خط کشیدہ عبارت اور گزشتہ فتویٰ کی جس کی عبارت میں بڑا فرق آپ کو محسوس ہو رہا ہے، بہتر یہ تھا کہ اس فتویٰ کو بھی ساتھ بھیج دیتے، تاکہ دونوں کو دیکھ کر فرق کو سمجھ لیا جاتا اور جواب دیا جاتا، مگر آپ نے ایسا نہیں کیا، اس فتویٰ کا نمبر لکھا نہ تاریخ، تاکہ رجسٹر نقول فتاویٰ میں اس کو تلاش کر لیا جاتا۔

یہ بات صحیح ہے کہ اس تبلیغی کام کا مقصد تحریکِ صلوۃ تک محدود نہیں، بلکہ مقصد کی توضیح وتشریح خود حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے جو کچھ فرمائی ہے وہ یہ ہے:

''ہماری جماعت کا اصل مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین پورا پورا سکھا دیا جائے، یہ تو ہمارا اصل مقصود ہے، رہی قافلوں کی چلت پھرت تو یہ اس مقصد کے لیے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ ونماز کی تلقین، گویا ہمارے پورے نصاب کی الف ب ت ہے''۔ (کتاب: ''چھ باتیں''، از: مولانا عاشق الٰہی بلند شہری)

یہ عبارت کتاب ''چھ باتیں'' کے آخر میں تبلیغی کام کرنے والوں کو ہدایت کے تحت نمبر (۳) پر منقول ہے، اس پر کوئی اعتراض ہو تو لکھیے۔

شاید نئی قوم پر آپ کو اشکال ہو تو سنیے کہ دنیا میں ایک قوم شب وروز تجارت کی جدوجہد میں لگی ہوئی ہے، اس کی تمام قوتیں اور صلاحیتیں اس میں خرچ ہوتی ہیں، مکان میں ہے تو یہی تذکرہ ہے، مسجد میں ہے تب بھی ذہن اس فکر سے خالی نہیں، سفر ہے تو اسی لیے ہے، غرض مقصدِ حیات خواہ عملی طور پر سہی، یہی قرار دے رکھا ہے۔

ایک قوم زراعت میں مشغول ہے، اس کا بھی یہی حال ہے کہ ہر وقت اسی کی فکر دامن گیر ہے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا مقصد یہ ہے کہ ایک قوم ایسی پیدا ہو

جس کا مقصدِ حیات دینی جدو جہد ہو، اس کی ہر قوت اور ہر صلاحیت اسی لیے ہو، ایک روز، تین روز، چلے، برس، عمر اس کے لیے وہ طلب فرماتے ہیں اور چاہتے تھے کہ تمام دنیا میں اسی مقصد کو اصل قرار دے کر دوسرے مقاصد ضمنی ہو جائیں، اس پر کیا اعتراض ہے؟!

کتاب ''اصول دعوت و تبلیغ'' میرے پاس نہیں، میں نے نہیں پڑھی، اس کا اعتراض آپ نے نقل کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ دو چیزیں ہیں: ایک خدا کے راستہ میں قتل ہو جانا، اس کا جو اجر و ثواب ہے وہ تو اسی سے حاصل ہوگا اور دوسری چیز ہے جہاد، تو اس کا مفہوم قرآن و حدیث کی روشنی میں بہت عام ہے، دین کے لیے جو کچھ جد و جہد ہو، وہ جہاد ہے، حتی کہ دین کی تعلیم دینا، کتاب تصنیف کرنا، وعظ کہنا، مخالفین کے اعتراضات کا جواب دینا، مسئلہ بتانا، سب ہی جہاد ہے، وہ قتل ہونے کے ساتھ مخصوص نہیں، اسی لیے امام نوویؒ نے جہاد کی تیرہ قسمیں لکھی ہیں، قرآن پاک میں ہے:
﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾. (العنکبوت: ٦٩) اور ﴿يَاۤأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ﴾. (التوبہ: ٧٣) اور ''رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الأَكْبَرِ''. (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الجہاد: ٣٤٨/٧)

آپ چوں کہ عالم ہیں، اس لیے ترجمہ کی ضرورت نہیں، آپ خود سمجھتے ہیں کہ یہاں جہاد سے کیا مراد ہے؟

لہٰذا جہاد کو تلوار کے ساتھ خاص کر دینا قرآن و حدیث کی رو سے غلط اور بالکل غلط ہے، بلکہ جہاد کی آیات اور احادیث عام ہیں، سب قسموں کو شامل ہیں، اسی طرح خروج فی سبیل اللہ کا مفہوم بھی عام، ہے، حدیث ''مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

حَرمَه اللّٰه عَلَى النّارِ". (صحیح بخاری:۱۲۴/۱، قدیمی) کو حضرت امام بخاری نے کتاب الجہاد ص۳۹۴ میں بھی بیان کیا ہے اور جمعہ کی نماز کے بیان میں بھی لیا ہے، یعنی جمعہ کی نماز کے لیے جانے پر وہی اجر ہے، جو کہ قتال فی سبیل اللہ کے لیے جانے پر ہے، کیا آپ امام بخاریؒ پر بھی اعتراض فرمائیں گے؟ فقط۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ

تعلیم و تبلیغ کی ضرورت

السوال:

(۱)۔ دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار یا پچیس ہزار کم و بیش انبیاء علیہم السلام آئے اور سب نے دینِ حق کی دعوت دی اور گشت کیا، یہ گشت سنت ہے یا نہیں؟

مبلغین حضرات اکثر اپنے گشت کی فضیلت بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گشت کرنا تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور اس گشت کو کرنے کے بعد جو نماز پڑھی جائے گی، اس کی فضیلت سات لاکھ ہو جائے گی، لفظ گشت کرنا سنت ہے، یہ کیسے ثابت کیا جائے؟ حوالہ حدیث سے دیں۔

(۲)۔ اللہ کے راستہ میں نکل کر ہر نیک عمل سات لاکھ بن جاتا ہے: نماز، ذکر، قرآن اور ہر نیکی سات لاکھ بن جاتی ہے، نظام الدین مرکز کے اکابرین کہتے ہیں کہ یہ چودہ روایتوں سے منقول ہے، مسندِ احمد، مشکوۃ شریف، ترغیب و ترھیب کا حوالہ دیتے ہیں۔

(۳)۔ کچھ لوگوں کا اعتراض ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ، نماز کی دعوت و دینِ حق کی دعوت مسلمانوں کو دی تھی یا کفار کو اور یہ تبلیغی مسلمانوں کو کلمہ نماز

پڑھاتے پھرتے ہیں، کیا مبلغین اور مسلمانوں کو مسلمان نہیں سمجھتے ؟ یہ شک کرتے ہیں اور صرف اپنے آپ کو ہی مسلمان سمجھتے ہیں، تو اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب (۱،۲،۳): حامداً ومصلیاً

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کاموں میں تبلیغ بھی ہے اور تعلیم بھی ہے، چناں چہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿یَاأَیُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَاأُنزِلَ إِلَیْکَ مِن رَّبِّکَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾. (سورۃ مائدہ:۶۷)

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِینَ إِذْبَعَثَ فِیهِمْ رَسُولاً مِن أَنفُسِهِمْ یَتْلُوا عَلَیْهِمْ آیَاتِهِ وَیُزَکِّیهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ﴾. (سورۃ آل عمران:۱۶۴)

آپ صلی اللہ علی وسلم نے دونوں ہی کام کیے ہیں، تبلیغ کے لیے دوسروں کے پاس تشریف لے گئے ہیں اور تعلیم کے لیے دوسرے لوگ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے ہیں، تبلیغ کے معنیٰ ہیں پہنچانا، اس کے لیے مبلغ کو جانا بھی ہوتا ہے، تعلیم کے معنیٰ ہیں علم سکھانا، اس کے لیے سیکھنے والے کو معلم کے پاس آنا ہوتا ہے، یہ دونوں کام امت کے سپرد بھی فرمائے۔

"بلغوا عني ولو آية". (1) اخیر خطبہ میں ارشاد فرمایا: "ألا فليبلغ

---

(1) الحديث بأسره: عن عبدالله بن عمرو أن النبي ﷺ قال: "بلّغوا عني ولو آيةً، وحدّثوا عن بني إسرائيل، ولاحرج، ومن كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار".

(صحيح البخاري، كتاد الأنبياء، باب ما ذكر عن بني اسرائيل: ۱/۴۹۱، ـديمي)

الشاهد الغائب". (1) یعنی جو شخص حاضر ہے جس نے براہِ راست مجھ سے دین سیکھا ہے وہ غائب تک پہنچادے، دین کے ہر ہر جز اور حکم کی تبلیغ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی کی ہے، اس لیے کہ دین کا ہر حکم امانت ہے، اس کا پہنچانا ضروری ہے...... بعض چیزیں ایسی بھی تھیں کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بالکل اپنی آخری حیات میں بیان فرمائی ہیں کہ کہیں یہ امانت ہمارے ذمہ باقی نہ رہ جائے۔(2) حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر جس نے ایک دفعہ صدقِ دل سے کلمہ پڑھ لیا وہ مؤمن کامل ہوگیا، اس کا درجہ اتنا بلند ہے کہ بعد والوں کو میسر نہیں (3)، پھر اس کے دل میں ایسی لگن پیدا ہو جاتی تھی کہ وہ سارا دین سیکھنے کے لیے تیار ہو جاتا تھا اور بے چین رہتا تھا اور خود حاضر ہوکر یا جس طرح سے بھی اس کو ممکن ہو

---

(1) عن أبي شريح أنه قال لعمرو بن سعيد وهو يبعث البعوث إلى مكة: ائذن لي أيها الأمير أحدثك قولاً قام به رسول الله ﷺ الغد من يوم الفتح، سمعته أذناي، ووعاه قلبي، وأبصرته عيناي، حين تكلم به، حمد الله وأثنى عليه، ثم قال: "إن مكة حرّمها الله ولم يحرمها الناس، (إلى أن روى) وليبلغ الشاهد الغائب"۔

(صحيح البخاري، كتاب العلم، باب ليبلغ الشاهد الغائب: ۲۱/۱، قديمي)

(2) عن قتادة قال: حدثنا أنس بن مالك رضي الله عنه، أن النبي ﷺ ومعاذ رديفه على الرحل قال: "يا معاذ بن جبل، قال: لبيك يا رسول الله وسعديك ثلاثاً، قال: "ما من أحد يشهد أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله صدقاً من قلبه إلا حرمه الله على النار". قال: يا رسول الله، أفلا أخبر به الناس فيستبشرون؟ قال: "إذاً يتكلوا"، وأخبر بها معاذ عند موته تأثماً.

(صحيح البخاري، كتاب العلم، باب من خص بالعلم قوماً دون قوم: ۲۴/۱، قديمي)

(3) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قال النبي ﷺ: "لاتسبوا أصحابي، فلو أن أحدكم أنفق مثل أحد ذهباً، ما بلغ مدّ أحدهم ولا نصيفه". (مشكوة المصابيح، كتاب المناقب، باب فضائل أصحاب النبي ﷺ: ۵۵۳، قديمي)

دین سیکھتا تھا(1)، ایک ایک حکم بتانے اور پہنچانے کے لیے اس کے پاس جانے کی نوبت نہیں آتی تھی، تاہم بعض احکام دوسروں تک پہنچانے کے انتظامات بھی کیے، کبھی کسی کو متعین کیا کہ گشت کر کے فلاں حکم پہنچا دو(2)، کبھی لوگوں کو بلا کر جمع کر دیا گیا، پھر حکم سنا دیا گیا(3)، کبھی حج کے موقع پر آدمی بھیجے گئے کہ فلاں حکم کا اعلان کر دو۔ (4) وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ کلمہ طیبہ پڑھنے کا حکم سب ہی صحابہ کرام کو دیا گیا اور فرمایا

---

(1) عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: "أن الناس يقولون: أكثر أبوهريرة، ولولا آيتان في كتاب الله، ما حدثت حديثاً ثم يتلو: ﴿إن الذين يكتمون ما أنزلنا من البينات والهدىٰ (إلى قوله) الرحيم﴾. إن إخواننا من المهاجرين كان يشغلهم الصفق بالأسواق، وإن إخواننا من الأنصار كان يشغلهم العمل في أموالهم، وإن أباهريرة كان يلزم رسول الله ﷺ بشبع بطنه، ويحضر ما لا يحضرون، ويحفظ ما لا يحفظون".

(صحيح البخاري، كتاب العلم: ١/ ٢٢، قديمي)

(2) أخرج ابن جرير عن علي رضي الله عنه قال: أتى النبي ﷺ ناسٌ من اليمن، فقالوا: ابعث فينا من يّفقهنا في الدين، ويعلمنا السنن، ويحكم فينا بكتاب الله، فقال النبي ﷺ: "انطلق يا علي، إلى أهل اليمن، ففقههم في الدين، وعلّمهم السنن، واحكم فيهم بكتاب الله". فقلت: إن أهل اليمن قوم طغام، يأتوني من القضاء بما لا علم لي به، فضرب النبي ﷺ على صدري، ثم قال: "اذهب، فإن الله سيهدي قلبك، ويثبّت لسانك". فماشككتُ في قضاء بين اثنين حتى الساعة". (حياة الصحابة، الباب الثالث عشر في رغبة الصحابة في العلم: ٣/ ١٩٣، دار القلم، دمشق)

(3) عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قام فينا رسول الله خطيباً بعد العصر، فلم يدع شيئا إلى قيام الساعة إلا ذكره، وكان فيما قال: "إن الدنيا حلوة خضرة، وإن الله مستخلفكم فيها، فناظر كيف تعملون؟ ألا، فاتقوا الدنيا: النساء". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الثاني: ٤٣٧، قديمي)

(4) قال ابن شهاب: حدثني حميد بن عبد "رحمن أن أباهريرة أخبر أن أبابكر الصديق=

گیا کہ اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو لاالٰہ الا اللہ پڑھ کر (1)۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ (معاذ اللہ) ان حضرات میں ایمان موجود نہیں تھا، یہاں دارالعلوم میں بھی بعض حضرات معلم ہیں، ان کی درس گاہ میں علم سیکھنے کے لیے طلبہ حاضر ہوتے ہیں اور بعض حضرات مبلغ ہیں کہ وہ مختلف مقامات پر خود سفر کر کے جاتے ہیں اور دین پہنچاتے ہیں، آج یہ بات نہیں کہ جس نے کلمہ پڑھ لیا اس میں دین سیکھنے کی لگن پیدا ہو جائے یا وہ خود اپنی جگہ ایمان کی تجدید میں لگا رہے، عربی مدارس جگہ جگہ خدا کے فضل سے قائم ہیں، تعلیم کا انتظام ہے، مگر دین کی لگن نہ ہونے کی وجہ سے بہت کم آدمی اپنے بچوں کو علم سیکھنے کے لیے بھیجتے ہیں، مسجدیں ویران ہیں، مسلمانوں کا محلہ ہونے کے باوجود کتنی مساجد ایسی ہیں جن میں اذان و جماعت کا اہتمام نہیں، کسی مسجد میں تنہا ایک شخص اذان کہتا اور نماز پڑھ لیتا ہے، کسی میں دو تین نمازی ہوتے ہیں، ضلع کے ضلع ایسے ملیں گے جن میں کوئی عالم نہیں، حافظ نہیں، بہت علاقے ایسے ہیں جن میں بسنے والے مسلمانوں کو دین کی بنیادی چیزیں کلمہ وغیرہ بھی معلوم نہیں، صورت شکل، چال چلن، رسم و رواج کسی چیز سے بھی اسلام ظاہر نہیں ہوتا، رمضان المبارک کا مہینہ آتا ہے اور وہاں خبر تک نہیں ہوتی، پانچ وقت کی نماز ہی غائب ہے تو پھر تراویح کا کیا ذکر ہے؟ ہوٹل کھلے ہوئے ہیں اور خدا

=بعثه في الحجّة التي أمّره عليها رسول الله ﷺ قبل حجة الوداع يوم النحر في رهط يؤذّن في الناس: أن لا يحج بعد العام مشرك، ولايطوفن بالبيت عريان". (صحيح البخاري، كتاب المناسك، باب لايطوف بالبيت عريان: ١/ ٢٢٠، قديمي)

(1) عن أبي ذر قال: قلت: يا رسول الله، أوصني. قال: "إذا عملت سيئةً، فاتبعها حسنةً تمحها". قال: يا رسول الله، أمن الحسنات لاإله إلاالله؟ قال: "هي أفضل الحسنات". (حياة الصحابة، الباب الرابع عشر في رغبة الصحابة رضي الله عنهم في الذكر: ٢٩٤/٣، دار القلم دمشق)

کے قانون روزہ کو علی الاعلان توڑا جارہا ہے، ان سب حالات کے پیشِ نظر دین حاصل کرنے کی لگن کا پیدا ہونا ضروری ہے، اس تبلیغ کا حاصل یہی ہے کہ دین سیکھنے کا جذبہ پیدا ہو جائے، کلمہ پڑھنے پڑھانے سے یہ ہرگز تصور نہ کریں کہ مسلمانوں کو مسلمان نہیں سمجھا جاتا، کلمہ پڑھ کر اور پڑھا کر اس کا مطلب اور مطالبہ سمجھایا جاتا ہے اور جن کو کلمہ یاد نہیں ان کو کلمہ یاد کرایا جاتا ہے، جن کو نماز یاد نہیں ان کو نماز یاد کرائی جاتی ہے، جن کو مطلب یاد نہیں ان کو مطلب سمجھایا جاتا ہے، اس کی بدولت بے شمار آدمی کلمہ سیکھ گئے، نمازیں سیکھ گئے، نمازیں پڑھنے لگے، حج میں کام کرنے کی وجہ سے بہت سے لوگوں کا حج صحیح طریقہ پر ادا ہونے لگا، لوگوں میں دین کا عام چرچا ہونے لگا، جگہ جگہ دینی مکتب و مدرسے قائم ہو گئے، بڑی عمر کے لوگوں میں دین سیکھنے کے لیے سفر کرنے کا رواج ہو گیا، بکثرت لوگ زکوٰۃ دینے لگے، حرام معاملات سے پرہیز کرنے لگے، خدا کے راستے میں جدوجہد کے لیے جو شخص نکلے اس کے واسطے ہر نیکی کا ثواب سات لاکھ والی حدیث حضرت علی، ابوالدرداء، ابوہریرۃ، ابوامامہ، ابن عمرؓ، جابر، عمران بن حصین رضی اللہ عنہم سے مروی ہے:

”ومن أرسل بنفقة في سبيل الله، وأقام في بيته، فله بكل درهم سبع مائة درهم، ومن غزا بنفسه في سبيل الله، وأنفق في وجهه ذلك، فله بكل درهم سبع مائة ألف درهم، ثم تلا هذه الآية: ﴿والله يضاعف لمن يشاء﴾“.(1)

---

(۱)”عن علي وأبي الدرداء وأبي هريرة وعبدالله بن عمرو وجابر بن عبدالله وعمران بن حصين رضي الله تعالیٰ عنهم كلهم يحدث عن رسول الله ﷺ أنه قال: ”ومن أرسل بنفقة في سبيل الله، وأقام في بيته، فله بكل درهم سبع مائة درهم، ومن غزا بنفسه في سبيل =

اس مضمون کی اور حدیثیں بھی ہیں، جمع الفوائد ج ۲ ص ۳، مجمع الزوائد(1) ومنبع الفوائد ج ۵ ص ۲۸۲ میں ملاحظہ فرمائیں، یہ روایت اَصالۃً غزوہ اور جہاد سے متعلق ہیں، مگر جہاد کا مفہوم قتال سے عام ہے۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ

دار العلوم دیوبند ۱/۱۲/۸۹ھ

تبلیغی جماعت کے نقائص

السوال:

(۱)۔موجودہ فسادِ دین کے زمانہ میں عمومی تبلیغ کا صحیح طریقہ کیا ہونا چاہیے، آج کل جو تبلیغی نہج پر کام ہو رہا ہے وہ بظاہر بہت نافع نظر آرہا ہے، لیکن اکثر و بیشتر جگہ دیکھا گیا ہے کہ جو تبلیغی کارکن ہیں اسی نہج پر کام کرتے ہوئے جن کو عرصہ گزر رہا ہے اور اس کام میں جڑنے کی برکت سے بہت سے فرائض سے آشنا ہوئے اور عملی حیثیت سے حج وزکوۃ وغیرہ جیسے فرائض کو انجام دے چکے ہیں، آج برسوں کے بعد ان کو دیکھا جارہا ہے کہ وہ علانیہ، جن شادیوں میں منکرات ہیں، شرکت کرتے ہیں، مسجد میں نمازِ جنازہ ادا کرتے ہیں، چھوٹے چھوٹے قریوں میں، جہاں شرائطِ نہیں پائی جاتیں، جمعہ ادا کرتے ہیں اور بوقتِ عیدین بعد نماز مصافحہ و معانقہ کرتے ہیں اور جن تبلیغی کارکن حضرات کو دینی مدارس میں چندہ دینے کا شرف بھی حاصل ہے، وہاں باوجود بتلانے کے

=اللہ وأنفق فی وجهه ذلك، فله بكل درهم سبع مائة ألف درهم، ثم تلا هذه الآية: ﴿واللہ يضاعف لمن يشاء﴾ .رواه ابن ماجه." (مشكوة المصابيح، كتاب الجهاد، الفصل الثالث: ۳۳۵، قديمي)

(1)مجمع الزوائد: ۵/ ۲۸۲، باب فـ المجاهدين ونفقتهم، دار الفكر)

پردہ سے طالبات کی تعلیم کا نظم نہیں کرتے ہیں اور یومیہ مروجہ فاتحہ وغیرہ جیسی رسومات میں شریک ہوتے ہیں، بعض کارکن حضرات کی خدمت میں یہ بھی گزارش کی جاتی ہے کہ بھائی، دیکھو! فلاں محقق بزرگ خلیفہ تھانوی وغیرہ ہمارے مقام پر، ہماری طلب پر آنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس سلسلہ میں کوشش کریں گے، مگر باوجود اطلاع ہونے کے شریک نہیں ہوتے، برخلاف اس کے اگر کوئی بزرگ یا عالم ان کی موجودہ جماعت کا حامی ساعی وداعی آنا چاہے وہ ان بزرگوں سے مرتبہ میں اور علم میں کتنا ہی گھٹیا کیوں نہ ہو، مگر اس کے لیے بڑے اہتمام سے اسٹیشن میں آدمی بھیجے جائیں گے اور ان کا ادب واحترام کرکے ان کے آدمی کو اطلاح بھی کی جائے گی اور جگہ جگہ بیانات بھی ہوں گے، مگر اس کے برخلاف ایک محقق عالم اور مصلحِ زمانہ کی آمد کی اطلاع دی جاتی ہے تو اس وقت منہ غم سے سکڑ جاتا ہے اور اس سلسلہ میں کوئی اہتمام نہیں ہوتا اور بعضوں کی یہ حالت ہے کہ روزمرہ کی تعلیم کے سلسلہ میں جو کوئی تبلیغی لگاؤ کا آدمی ہو وہ کتاب سُناتا ہے اور وہ نہ ہو تو ان میں ایک آدمی جو لگاؤ رکھتا ہے، مگر کتاب وغیرہ پڑھنے سے معذور ہو تو وہ کسی ایسے شخص کو کتاب پڑھنے کے لیے دے گا، جس کو دیکھ کر اردو صحیح پڑھنا نہیں آتا، مگر ایسا شخص یا بعض اوقات علماء حضرات بھی موجود ہوتے ہیں، جو زیادہ اچھے طریقے سے ان شاء اللہ کتاب پڑھ سکتے ہیں، مگر بدقسمتی سے ان کا حال یہاں یہ ہے کہ وہ اس کام سے والہانہ لگاؤ نہیں رکھتے، ان کا طریقہ ایسا ہے کہ بوقتِ ضرورت مسائل کے خلاف ہونے پر بعض وقت ان لوگوں کو مسئلہ بتانے پر نہیں مانتے، بلکہ خود اپنی عملی علیحدگی اختیار کرتے ہیں، ایسے عالم کو بھی کتاب نہیں دیتے ہیں، اس کو چھوڑ کر دوسرے اناڑی کو کتاب سُنانے کے لیے دیتے ہیں، جس کے اردو کے جملے غلط ہونے کی بنا پر جہلاء میں ہنسی مذاق کا ذریعہ

بن رہا ہے اور بعض اہلِ علم نے بھی اس کمی کو دیکھ کر ٹوکا، مگر پھر بھی اس کے باوجود جاہلوں کو کتاب سُنانے کا موقعہ دیتے ہیں۔

غرض مندرجہ بالا منکرات کا جو درجہ ہے اس کو بتلا کر منکر سے اجتناب کرنے کی گزارش عمومی اور خصوصی طور سے کی جاتی ہے تو کہتے ہیں ایسا کرنا مصلحت کے خلاف ہے، اس لیے کہ آج وہ زمانہ کہاں رہا کہ لوگوں سے ہم چھوٹی چھوٹی منکرات کی خاطر علیحدگی اور ناراضگی کا اظہار کرسکیں، اس لیے کہ آج لوگ فرائض سے بھی ناآشنا ہیں، ایمان ان کا بہت کمزور ہوگیا ہے، کیا ان حضرات کا ایسا کہنا بجا اور درست ہے؟ کیا اس زمانہ کے فساد کی خاطر، عوام وخواص کے اتحاد واجتماعی کام کی انجام دہی کی خاطر، مکروہِ تحریمی اور بعض بدعات والے اعمال کو اختیار کرلیا جائے؟ اور ان کی ہاں میں ہاں ملا کر کہ ان کی دل شکنی نہ ہو اور وہ کہیں اتنے سخت احکامات دیکھیں تو بھاگ نہ جائیں، اس لیے ہم سابق اور پرانے کارکن حضرات کو ان کی اصلاح کی خاطر، خصوصاً غیر عالم یا عالم، تھوڑی دیر کے لیے ان کی تالیفِ قلوب کی خاطر منکرات میں مبتلا ہوجانا درست ہے؟

اس سے کہیں یہ تو نہیں ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی خاطر، جو منکر کو دل سے برا سمجھ کر کیا ہے تو وہ عندالشرع معصیت کے عذاب وپرسش سے بری ہوتا ہے یا کیا حکم ہے؟

(۲)۔ آج کل کے تبلیغی کارکن حضرات میں بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ آج عمومی لوگوں میں دین کے احیاء کا صرف یہی ایک واحد ذریعہ ہے اور کام منہاجِ نبوت ہے، اس کے سوا دوسرے طریقہ تبلیغ کو، جس میں مشائخ حضرات وغیرہ لگے ہوئے ہیں، کم نافع، بلکہ بے سود ہونے کے درجہ میں سمجھتے ہیں، یہ خیالات واقوال ان حضرات کے کہاں تک صحیح ہیں؟

(۳)۔ جب کوئی شخص ہر منکر سے بچنے کی سعی کرتا ہے اور ہمارے امی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی کارِ منصبی عمومی تبلیغ ہے، سمجھ کر ان جماعتوں کے ساتھ باوجود معصیت نکل جائے تو کیا عمومی اور جماعتی مصلحت کی خاطر دل سے برا سمجھتے ہوئے جماعت کے ساتھ دے، یا اس وقت بھی ادباً عرض کر کے معصیت سے اجتناب کیا جائے، جب ان میں رہ کر ایسا کرتے ہیں تو کہتے ہیں بہت متشدد ہے اور اس کی وجہ سے جماعت کا کام متاثر ہوتا ہے، تو اب ایسا خیال ہے تو پھر ایسے شخص کو صرف مقامی اجتماعات اور گشت کی حد تک ساتھ دے کر پھر خاموش رہنا یا بالکل شرکت ہی نہ کرنا چاہیے یا کیا کرے؟ رہبری چاہتا ہوں، جملہ مقاصد کے لیے رہبری چاہتا ہوں۔ فقط۔

العارض: احقر عبدالحمید عفی عنہ

الجواب: حامداً ومصلیاً

(۱)۔ جو چیزیں شرعی منکرات ہیں ان کو منکر سمجھنا اور حسب حیثیت ان پر نکیر کرنا ضروری ہے، ان میں شرکت جائز نہیں، اگر تبلیغی کارکن منکرات میں شرکت کرتے ہیں تو وہ غلطی کرتے ہیں۔ ہاں! یہ ہوسکتا ہے کہ منکر پر نکیر سے پہلے ذہن کو کچھ ہموار کیا جائے، تاکہ وہ نکیر کو قبول کرلے اور اس سے باز آجائے، نیز ذہن کو ہموار کیے بغیر نکیر بے تاثیر ہوتی ہے، بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ ان کا ایمان بہت ضعیف ہے، علم بھی ان کو حاصل نہیں، ان کے لیے پہلے ایمان کی چیزوں کو پیش کرنا ضروری ہے، ان پر نکیر منکراتِ متعلقہ اعمال کا وقت دیر میں آتا ہے، حضرت اقدس تھانویؒ اور ان کے خلفاء کے اقوال واحوال سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، کسی محقق عالم مصلح کی تشریف آوری پر منہ چڑھانا اور ان سے استفادہ نہ کرنا بڑی محرومی ہے، تبلیغی جماعت کو اس کی ہدایت

نہیں، بلکہ ان کو تاکید کی جاتی ہے جس بستی میں جانا ہو وہاں کے اہلِ علم کی خدمت میں ضرور حاضر ہوں اور ان سے دعا کی درخواست کرو، خواہ تبلیغی کام سے ان کو والہانہ تعلق ہو یا نہ ہو۔ بعض اہلِ علم اور تعلیم یافتہ حضرات کے متعلق اس کا بھی تجربہ ہوا کہ ان کے اعزاز کی خاطر ان سے تقریر یا کتاب سُنانے کی درخواست کی گئی تو انھوں نے پھر تبلیغ اور تبلیغی جماعت کی اصلاح کے نام پر بہت کچھ نازیبا الفاظ فرمائے یا موضوع سے ہٹ کر مروجہ پیشہ ور واعظوں کی طرح قصے اور چٹکلے سُنا کر سامعین کا وقت ضائع کیا، مگر سب ایسے نہیں ہیں، جن کے متعلق اطمینان ہو کہ کام سے والہانہ تعلق نہ رکھنے کے باوجود کام اور جماعت کے متعلق مفید باتیں بتائیں گے، ان سے استفادہ کرنا چاہیے، لیکن مقدر سے یہ چیز مرض کے درجہ تک پہنچ گئی ہے، دیگر جماعتیں اور ادارے بھی اس مرض سے خالی نہیں، حضرت تھانویؒ کے بعض مجازین کے مریدوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے پیر کے علاوہ دوسرے مجاز سے نہ عقیدت رکھتے ہیں، نہ استفادہ کرتے ہیں، نہ کشادہ روئی سے ملاقات کرتے ہیں، کہیں موقعہ ہوتا ہے تو کترا جاتے ہیں، بعض مرتبہ زبانی یا تحریری الفاظ بھی ناشائستہ کہتے اور لکھ دیتے ہیں، مگر یہ خود ہی ان کی غلطی ہے، یہ نہیں کہا جائے گا کہ حضرت تھانویؒ کی تعلیم ہے یا ان کے خلفاء کی تعلیم ہے۔ أستغفر الله۔

(۲)۔ خانقاہوں اور مدارس کا کام بہت اہم ہے، اس کو بے سود کہنا گم راہی ہے، اتنا ضرور ہے کہ مدارس و خانقاہوں میں وہ آتے ہیں جن کے دل میں طلب ہو، جن کے دل میں طلب نہ ہو وہ نہیں آتے اور اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے، تبلیغی جماعت بے طلب لوگوں کے پاس جاتی ہے، جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے طلب لوگوں کے پاس تشریف لے گئے، اس اعتبار سے تبلیغی جماعت کا کام زیادہ پھیلا ہوا ہے

اور اس کا نفع بھی ظاہر ہے، لیکن یہ تقابل کا طریقہ ہرگز نہ اختیار کیا جائے، اس میں فتنہ ہے، اپنی اپنی جگہ پر سب حضرات کا کام بہت ضروری اور اہم ہے، کسی سے استغنا نہیں، ہر ایک کو دوسرے کے کام کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے، تخریبی تنقید سے بچنا چاہیے، ورنہ اس تخریبی تنقید کا عمومی دروازہ کھل گیا تو بس تنقید، تحمیق، تجہیل، تفسیق، تضلیل کا بازار گرم ہو کر تکفیر تک نہ پہنچ جائے، کوتاہیوں سے کون خالی ہے؟

(۳)۔ منکر و معصیت میں شرکت نہ کرے (1)، اگر جماعت میں نکلے اور وہاں شرکتِ معصیت پر مجبور کیا جائے تو ان سے کہہ دے کہ میں معذور ہوں۔ اس پر وہ مجبور کریں تو سے رخصت ہو کر چلا آئے، آئندہ اگر وہ جانے کے لیے کہیں تو شرط کر لے کہ میں معصیت میں شریک نہ ہوں گا، یہ شرط منظور ہو تو میں چلتا ہوں، ورنہ مجھے معاف کیا جائے، ہر جماعت میں تو شاید یہ بات نہ ہو کہ معصیت میں ضرور شرکت کرتی ہو، ایسی جماعت کے ساتھ چلا جایا کرے جس میں معصیت میں شرکت نہ ہوتی ہو، ورنہ مقامی گشت و اجتماع پر کفایت کر لیا کرے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ

دار العلوم دیو بند ۲۹/۶/۹۰ھ

الجواب صحیح۔ بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ

دار العلوم دیو بند

---

(1) "وعن أبي قلابة: لاتجالسوا أهل الهواء، ولاتجادلوهم؛ فإني لاآمن أن يغمسوكم في ضلالتهم، ويلبسوا عليكم ما كنتم تعرفون، قال أيوب: كان -والله- من الفقهاء ذوي الألباب، وعن عمر بن عبدالعزيز رحمه الله، كان يكتب في كتبه: إني أحذركم ما مالت إليه الأهواء، والزيغ البعيدة". (الاعتصام للشاطبي رحمه الله، باب ذم البدع، فصل الوجه الثالث من النقل: ۲۷، دار المعرفة، بيروت)

کیا تبلیغ تعلیم سے افضل ہے؟

السوال:

یہاں ایک مسئلہ بہت عام ہوگیا ہے، وہ یہ کہ تبلیغی کام تعلیمِ دین سے (ناظرہ قرآن ہی کیوں نہ ہو) زیادہ اہم اور افضل (فرض) ہے، گزارش یہ ہے کہ تبلیغی کام تعلیمِ دین سے (ناظرہ قرآن ہی کیوں نہ ہو) کیا افضل ہے؟ بیان فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً

یہ خیال اصولِ تبلیغ کے بھی خلاف ہے، یعنی علم چھوڑ کر تبلیغی میں جانا غلط ہے، البتہ تعطیل اور فارغ اوقات میں جانا بہتر ہے، نیز کسی مدرس کو مجاہدہ کی مشق کے لیے یا کسی اور مصلحت کے تحت اگر کبھی تبلیغ کے لیے بھیجا جائے، اس طرح کہ اس کے متعلق تعلیم میں بھی حرج نہ ہو تو یہ دوسری بات ہے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ

الجواب صحیح۔ بندہ نظام الدین عفی عنہ

دار العلوم دیوبند

مدارس اور تبلیغی کام

حضرت اقدس دامت برکاتہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گزارش خدمت اقدس میں یہ ہے کہ ایک استفتاء بسلسلہ موجودہ تبلیغی جماعت آیا ہے، دو کا جواب اپنی سمجھ کے مطابق لکھ دیا ہے، تیسرے کے جواب میں تردد

ہے، حضرت والا تینوں کے بابت اپنی تحقیق تحریر فرمائیں، کیوں کہ وقتی اعتبار سے بہت اہمیت رکھتا ہے، ہم لوگوں سے لوگ مشورہ بھی کرتے ہیں، اس کی شرعی حد اگر معلوم ہو جائے تو اس کی رعایت کرتے ہوئے مشورہ دیں گے۔

(۱) بعض فارغ شدہ مولوی موجودہ صورتِ تبلیغ میں شریک ہونا فرض کہتے ہیں، ان کا کہنا درست ہے یا نہیں؟ اس کی کوئی فقہی اصل تحریر فرمائیں۔

(۲) خانقاہ اور مدارس سے موجودہ صورتِ تبلیغ افضل ومندوب ہے یا نہیں؟ اس کو بھی مدلل تحریر فرمائیں۔

(۳) اہل حضرات کا تبلیغ میں لگنا وقتی اعتبار سے زیادہ بہتر ہے یا تعلیم میں لگنا؟ دینی رجحانات پامال ہو چکے ہیں، مدارس جو چل رہے تھے وہ ٹوٹ رہے ہیں، خانقاہیں ویران ہو رہی ہیں، دینی رجحانات اگر عام ہو جائیں تو سب زندہ ہو جائیں گے، اس اعتبار سے وقتی طور پر اہل حضرات کا تبلیغ میں لگ کر دینی رجحان پیدا کرنا، ہزاروں مدارس اور خانقاہوں کو آباد کرنا زیادہ بہتر ہے یا تعلیم میں لگنا؟

المستفتی: محمد انصار بہاری

الجواب: حامداً ومصلیاً

عقائدِ حقہ، اخلاقِ فاضلہ، اعمالِ صالحہ کی تحصیل فرض ہے۔ (1) اور حسبِ حیثیت ان کی تبلیغ واشاعت بھی لازم ہے۔ (2) مگر تحصیل وتبلیغ کی کوئی معین وشخصی

---

(1) "واعلم أن تعلم العلم يكون فرض عين، وهو بقدر ما يحتاج لدينه". (الدر المختار)
وفي رد المحتار: "قال العلائي في فصوله: من فرائض الإسلام تعلم ما يحتاج إليه العبد، في إقامة دينه، وإخلاص عمله لِلّٰه تعالىٰ، ومعاشرة عباده". (المقدمة: ۴۲/۱، سعيد)

(2) عن عبدالله بن عمرو أن النبي ﷺ قال: "بلغوا عني ولو آية". الحديث.
(صحيح البخاري: كتاب الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل. ۴۹۱/۱، قديمي)

صورت علی الاطلاق لازم نہیں کہ سب کو اس کا مکلف قرار دیا جائے، مدارس، خانقاہوں، انجمنوں، کتابوں، رسالوں، اخباروں، مواعظ، مذاکرات، تقاریر، مجالس، تعلیمات، توجہات اور ان کے علاوہ بھی جو صورتیں معین ومفید ہوں ان کو اختیار کیا جاسکتا ہے، جب تک ان میں کوئی قبح اور مفسدہ نہ ہو، مختلف استعداد رکھنے والوں کے لیے کوئی خاص صورت اسہل وانفع ہو، اس کا انکار بھی مکابرہ ہے اور اس خاص صورت کو سب کے لیے لازم کر دینا بھی تضییق وتحجیر ہے، اگر کسی فرد یا جماعت کے لیے اسباب خاصہ کی بنا پر دیگر طرق مسدود یا متعذر رہوں اور کوئی ایک ہی طریقہ متعین ہو تو ظاہر ہے کہ اس واجب کی ادائیگی کے لیے اس طریق کو متشخص تصور کیا جائے گا، واجب مخیّر کی ادائیگی اگر ایک ہی صورت میں منحصر ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اسی صورت کو لازم کہا جائے گا اور تخییر میں تحجیر ہوگی۔

مثلاً کفارہ یمین میں اشیائے ثلثہ، تحریر رقبہ، اطعام عشرۃ مساکین، او کسوتہم (لباس) میں تخییر ہے، لیکن اگر کسی پر ان میں سے دو کا راستہ مسدود ہو تو ایک کی تعیین خود بخود لازم ہو جائے گی اور جیسے اضحیہ میں اشیائے ثلثہ: شاۃ، بقر، ابل میں تخییر ہے، مگر دو کے مفقود ہونے سے ایک کی تعیین خود بخود ہو جائے گی، التقریر والتحبیر میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

تبلیغی جماعت کا اصل مقصد دین کی طلب کا عام کرنا ہے، جس سے مدارس کو طلبہ بھی کثرت سے ملتے رہیں اور خانقاہوں کو ذاکرین بھی کثرت سے ملیں اور ہر مسلمان کے دل میں دین کی اہمیت پیدا ہو، اہلِ مدارس اور اہلِ خانقاہ حضرات کو جسب موقعہ تبلیغی جماعتوں کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے، اگر ان میں کوتاہی اور خلافِ اصول

چیزیں دیکھیں تو خیر خواہی اور ہمدردی سے ان کو نصیحت کریں، اصلاح فرمائیں۔

اور جماعتوں کے ذمہ ضروری ہے کہ خانقاہوں اور مدارس کا پورا احترام کریں اور اپنی اصلاح کے لیے ان حضرات سے مشورہ لیں اور ان کی ہدایات کو دل و جان سے قبول کریں، ان کو ہرگز ہرگز یہ دعوت نہ دیں کہ یہ حضرات اپنے دینی مشاغل کو ترک کردیں، مدارس اور خانقاہوں کو بند کرکے تبلیغ کے لیے نکل کھڑے ہوں۔

دینی مدارس کا قیام ازحد ضروری ہے، ورنہ صحیح علماء پیدا ہونے بند ہوجائیں گے اور دین جاہلوں کے ہاتھ میں جاکر کھلونا بن جائے گا، خانقاہوں کا قیام بھی ضروری ہے، اس لیے کہ محض کتابیں پڑھنے سے عامۃً تزکیہ باطن نہیں ہوتا اور بغیر اخلاقِ رذیلہ کی اصلاح کے اخلاص پیدا نہیں ہوتا جو کہ روح ہے جمیع اعمالِ صالحہ کی، تمام اعمال بغیر اخلاص کے ایسے ہیں جیسے بے جان ڈھانچہ ہوتا ہے، اخلاص اکابر اہل اللہ کی صحبت اور ان کی ہدایات پر عمل کی برکت سے حاصل ہوتا ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت ہے:

”لکل شیء معدن، و معدن التقوی قلوب العارفین۔“(1)

امید ہے کہ تحریر مذکور سے ہر سوال کا جواب نکل آئے گا۔ فقط۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ

دارالعلوم دیوبند ۸۸/۳/۳۰

(1) جمع الفوائد، کتب الزهد والفقر والأمل والرجاء والحرص: ۷۰۴/٤، ادارة القرآن کراچی)

اساتذہ کو تبلیغی جماعت میں بھیجنا

ایک صاحب نے سوال کیا: عربی مدارس کے اساتذہ کو تبلیغی جماعت میں جانے کے لیے ماہانہ تین دن یا سالانہ چلہ یا زندگی کے تین چلہ یا ایک سال کی تعطیل تنخواہ کے ساتھ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

ارشاد: اگر ضرورت ہو تو دی جاسکتی ہے، تعلیم کا مقصود دین کی اشاعت ہے، آخر مدرسہ والے مدرسہ کے پیسے سے رسالہ بھی نکالتے ہیں، مدرسہ کے پیسے سے وعظ کے لیے بھی بھیجتے ہیں، جلسوں میں شرکت کے لیے بھیجتے ہیں، یہ سب کا سب تعلیم کے مقاصد سے ہے، اگر وہاں کے لوگ اس سفر کو مناسب سمجھتے ہیں اور اس کی ضرورت بھی ہے تو وہاں کر سکتے ہیں۔ (ملفوظات ۶/۴۰)

تبلیغی جماعت کا تعلق اساتذہ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سے

السوال:

(۱)۔ تبلیغی جماعت، جس کا مرکز بستی نظام الدین دہلی ہے، از روئے شرع شریف کیسی ہے؟

(۲)۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا علماءِ دیوبند بھی اس کے خلاف ہیں؟

(۳)۔ کیا مذکورہ بالا تبلیغی جماعت اصولِ اسلام وقوانین کے خلاف کام کر رہی ہے؟

(۴)۔ کیا مندرجہ بالا تبلیغی جماعت دیوبندی مسلک اور حضرت مجدد الف ثانی

اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور علماءِ حق کے مسلک کے خلاف ہے؟

(۵)۔ یہاں پر عوام الناس میں مشہور ہو رہا ہے کہ ذیل کے علمائے دیوبند ا۔ مولانا فخر الحسن صاحب، صدر مدرس دارالعلوم دیوبند، ۲۔ مولانا عبدالاحد صاحب، محدثِ دارالعلوم دیوبند، ۳۔ مولانا ارشاد احمد صاحب، مبلغ دارالعلوم دیوبند، ۴۔ مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری، استاذ دارالعلوم دیوبند، ۵۔ مولانا ابوالکلام صاحب، مبلغِ دارالعلوم دیوبند ۶۔ مولانا محمد یعقوب صاحب، مظاہر علوم سہارن پور، ۷۔ مولانا عبدالرحیم اور ۸۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، مہتمِم دارالعلوم دیوبند نے بھی اور دیگر علماءِ دیوبند نے اس تبلیغی جماعت کے خلاف اپنی اپنی رائے دی ہیں، کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

(۱)۔ اس جماعت کے اصول شریعت کے مطابق اور بہت اہم ہیں ''چھ باتیں'' کے نام سے چھپے ہوئے ہیں، ان پر عمل کرنے سے اعتقادی، اخلاقی، عملی اصلاح ہوتی ہے۔

(۲)۔ اس جماعت کے پہلے بزرگ اور بانی حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ تھے، جو کہ دیوبند کے پڑھے ہوئے اور حضرت شیخ الہندؒ کے بہت قابلِ اعتماد شاگرد تھے، دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ اہتمام سے تبلیغی اجتماعات میں شریک ہوتے ہیں سہارن پور کے اجتماع میں ان چھ نمبروں پر ہی تقریر فرمائی اور ہر نمبر کو قرآن کریم اور حدیث شریف سے ثابت کر کے فرمایا کہ اس دور میں یہ طریقہ نہایت جامع ہے، ہمہ گیر ہے، انتہائی مفید ہے، متعدد تقریریں ان کی طبع بھی ہو چکی ہیں، دہلی نظام الدین خط لکھ کو خود بھی اجتماعات میں شرکت کی

خواہش کی اور دارالعلوم میں جماعتیں بھیجنے کی فرمائش کی، اب بھی جماعتیں آتی ہیں، آج بھی ایک جماعت آئی اور اس نے ایک مسجد میں قیام کیا، خبر ملنے پر اس جماعت کو دارالعلوم کے مہمان خانہ میں بلا کر قیام کرایا اور تمام طلبہ میں اس جماعت نے کام کیا، بقرۂ عید کی تعطیل میں یہاں سے طلبہ کی جماعت نکلنے کا انتظام کیا جارہا ہے، حضرت مولانا فخر الحسن صاحب صدر مدرس دارالعلوم دیوبند بھی شرکت فرمارہے ہیں، مستقل سفر کر کے مدارس کے اجتماع میں بھی تشریف لے گئے تھے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے ہمراہ بارہا میوات وغیرہ کے علاقہ میں تشریف لے گئے، حضرت مولانا عبدالاحد صاحب مدظلہ اس جماعت سے محبت کرتے ہیں اور جماعت کو اپنے مکان پر لے جا کر دعوت کا اہتمام فرماتے ہیں، حضرت مولانا ارشاد صاحب نے مستقل جماعت کی مدافعت کے لیے مناظرہ کیے اور بارہا اس مقصد کے لیے طویل طویل سفر کیا۔

سہ ماہی، ششماہی، سالانہ امتحان کے موقع پر یہاں کے طلبہ کو جمع کر کے باہر نکلنے پر آمادہ کیا جاتا ہے، اجتماع کے موقع پر عامۃً حضرت مولانا انظر شاہ صاحب تقریر فرماتے ہیں اور ترغیب دیتے ہیں۔

مدرسہ مظاہر علوم تو پورے طور پر ہمیشہ ہی اس جماعت کی نصرت کے لیے اپنے آدمی بھیجتا اور سعی کرتا رہتا ہے، مولانا محمد یعقوب صاحب مدرس مظاہر علوم بھی اجتماعات میں شرکت کرتے رہتے ہیں، مولانا عبدالرحیم صاحب نہ دارالعلوم کے مدرس ہیں، نہ مظاہر علوم کے، ممکن ہے کہ اس نام کے کوئی صاحب مخالفِ جماعت ہوں، مگران کی مخالفت کی وجہ سے نہ یہ کہنا صحیح ہے کہ علماءِ دارالعلوم دیوبند اس جماعت کے مخالف ہیں، نہ یہ کہنا صحیح ہے کہ علمائے مظاہر علوم سہارن پور اس کے مخالف ہیں، بلکہ یہ کہا جائے

گا کہ مولانا صاحب موصوف خود ہی علماءِ دارالعلوم دیوبند ومظاہر علوم کی رائے سے اختلاف یا مخالفت رکھتے ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے کچھ تنبیہ کی ہو، جس سے ان کو مخالف تصور کیا گیا ہو۔

(۳)۔اس کا جواب ۱،۲ میں واضح ہے۔

(۴)۔جو کام قرآن و حدیث کے موافق ہو ان حضرات کے مسلک کے خلاف کیسے ہوسکتا ہے؟!(1)

(۵)۔اس کا جواب اوپر آ گیا، مزید تفصیل مطلوب ہو تو حضرت مہتمم مدظلہ کی تقریر مطبوعہ ''کیا تبلیغی کام ضروری ہے؟'' اور ''تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے جوابات'' مطالعہ فرمائیں، کوئی ایک فرد یا چند افراد کوئی غلطی یا کوتاہی کریں اور اس پر اہلِ علم حضرات تنبیہ فرمائیں تو یہ اصلاح کے لیے ہے اور اس کی ہمیشہ ہر جگہ ضرورت رہتی ہے، کیوں کہ کوتاہی سے کوئی خالی نہیں، ہر جماعت اور ہر ادارہ میں ہوتی ہے اور اکابر اصلاح وتنبیہ فرماتے رہتے ہیں، اس کو مخالفت سمجھنا اور کہنا قصورِ فہم ہے یا عناد ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۹۲/۱۱/۲۸ھ

الجواب صحیح۔بندہ نظام الدین عفی عنہ

دارالعلوم دیوبند ۹۲/۱۱/۲۹ھ

---

(۱) موجودہ تبلیغ نصوصِ قرآن کریم اور نصوصِ احادیث سے ثابت ہونے کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں نظائر کثیرہ کا حامل ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر وأولئك هم المفلحون﴾. (آل عمران:۱۰۴)

تبلیغی جماعت کی کوتاہی اور اس کا علاج

السوال:

تبلیغی جماعت کے امیر، نیز شرکت کرنے والے افراد اپنی چند روزہ کلمہ ونماز کی تحریکی گشت پر اتنا نازاں ہیں کہ علماءِ حقہ کی قدر تو درکنار، بلکہ ان کی توہین وتذلیل کرتے ہیں اور سر بازار عوام میں کہتے ہیں یہ لوگ مدارس سے تنخواہ لیتے ہیں، نذرانے وصول کرتے ہیں، لیکن عوام کو صحیح معنیٰ میں دین سکھانا تو درکنار، کلمہ ونماز کی تحریک میں بھی شامل نہیں ہوتے، علماء کی مجبوریوں سے آپ اچھی طرح واقف ہوں گے، علماء کثیر تعداد میں مدارس میں تدریسی خدمت انجام دیتے ہیں اور مساجد کی امامت کی ذمہ داری بھی ان کا خاص مشغلہ ہے، مدارس اور مساجد، تعلیم وتبلیغ کے اہم مراکز ہیں، جنہیں چند روزہ نمازی دین کی کوئی خدمت ہی تصور نہیں کرتے، علماء پر آوازیں کستے ہیں۔

تبلیغی جماعت کے امراء، دینی تعلیم سے ناواقف، اکثر وبیشتر قرآن کو بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے، بلکہ جہلاء کی تعداد زیادہ رہتی ہے انہیں میں سے کسی معمولی اُردو خواں کو امیر بنادیا جاتا ہے، وہ عوام کے سامنے نیابتِ رسول کے فرائض قال اللہ وقال الرسول کے ذریعہ دو دو گھنٹے تین تین گھنٹے جھوم جھوم کر تقریریں کرکے ادا کرتے ہیں، لیکن کوئی خوف نہیں ہوتا، اللہ پر افترا ہوگا، یا رسول پر، مسائل تو قیاسی بھی ہیں، اجماعی بھی، لیکن عوام کو دین کی طرف مائل کرنے کے لیے ''اللہ فرماتے ہیں، رسول فرماتے ہیں'' کو نہیں چھوڑ سکتے، حالاں کہ تجربہ سے ثابت ہے کہ مدارس کے طلبہ کی جب انجمنیں ہوتی ہیں اور ہمارے علماء کی جماعت ان کی نگرانی کرتی ہے، تو مبتدی اور متوسط تو درکنار دورہ حدیث کے طلبہ بھی ایک آدھ گھنٹہ صحیح نہیں بول پاتے، مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اکابرین

پر ایسا ناروا حملہ محض مخالفت کی وجہ سے نہیں کرتے ہیں، ورنہ عام طور پر علماء کی حجامت بنائی جارہی ہے، ہندوستان کے کونے کونے سے آپ حضرات کے کان تک یہ صدائیں پہنچی ہوں گی، ایک میری بات ہوتو ضرور شکایت ہے، لیکن جو اس کا ہیضہ ہی شروع ہو جائے تو ٹیکی لگان اور انجکشن دلانا لازمی ہے، لہٰذا دریافت طلب یہ ہے کہ علماء کی تذلیل وتوہین وطعن وتشنیع جائز؟ جب کہ وہ اپنے فرائض کو انجام دینے کی وجہ سے ان کی جماعت میں شریک ہونے سے مجبور ہیں۔ اور ہمارے اکابرین میں سے کون کون حضرات کتنے دنوں کا چلہ کر چکے ہیں؟ اس سے بھی باخبر کیا جائے، تاکہ تبلیغی جماعت کو عبرت ہو اور آوازیں کسنا، برا بھلا کہنا چھوڑ دیں، ورنہ آپ حضرات تک بھی یہ وبا پہنچ سکتی ہے۔فقط۔

السائل: مولانا رستم علی قاسمی

صدر المدرسین مدرسہ رشدیہ محلّہ اشرف جک موضع۔ ضلع دربھنگہ

الجواب: حامداً و مصلیاً

کلمہ نماز وغیرہ کو اللہ پاک کی نعمت عظیمہ تصور کرتے ہوئے شکر حق ادا کرنا تو واجب ہے کہ اس سے مزید کی توفیق ہوگی **﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾**. **(ابراھیم:۷)** لیکن اس پر ناز کر کے دوسروں کو حقیر و ذلیل سمجھنا سخت معصیت ہے کہ یہ تکبر ہے، جس کی سزا جہنم ہے۔(1) اللہ پاک حفاظت فرمائے، اس تبلیغی کام کے اہم نمبروں میں سے ایک اہم نمبر ''اکرامِ مسلم'' کا بھی ہے، مذکورہ روش اس نمبر کے خلاف ہے، اس غلط طریقہ کو تبلیغی کام کی طرف منسوب کرنا، اصل کام کو بدنام کرنا

---

(1) قال اللہ تعالیٰ: ﴿قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ﴾ (الزمر: ۷۲)

ہے، ان کی پوری نگرانی کی ضرورت ہے، کام چوں کہ زیادہ پھیل چکا ہے، اس لیے ہر جماعت کو عالم اس میں میسر نہیں آسکتا، جو واقعی علمائے حق ہیں، وہ جن مشاغل کو اختیار کیے ہوئے ہیں (تدریس، تذکیر، تصنیف وغیرہ) ان کے اوقات میں اتنی گنجائش نہیں کہ جماعتوں کے ساتھ جائیں اور ہر جماعت کی امارت کے فرائض انجام دیں اور جو علماء نام کے علماء ہیں کہ محض فارغ ہوگئے، نہ کوئی صحیح تذکیر و وعظ کا سلیقہ ہے، نہ تصنیف و تالیف کی صلاحیت رکھتے ہیں، نہ تدریس کے اہل ہیں ان سے توقع ہی کیا کی جاسکتی ہے کہ وہ اصلاح کریں گے؟ کتابوں کی عبارتیں بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے، آیات وروایات و مسائل کا تو پوچھنا ہی کیا ہے؟ اس مجبوری کی وجہ سے جماعت ہی میں سے کسی کو امیر بنادیا جاتا ہے، پھر جماعتوں کو مقید کردیا جاتا ہے کہ وہ چھ نمبروں سے زائد بات نہ کہیں، جو مستقل وعظ کی شکل میں ہوجائے، اگر کچھ کہنا ہو تو زبانی نہ کہیں، بلکہ کتاب سنادیں، تاکہ ان کی ذمہ داری کچھ نہ رہے، پھر جو شخص اس میں زیادہ محنت کرتا ہے حق تعالیٰ کی طرف سے اس کو ملتا بھی ہے، چناں چہ بعض ایسے آدمی بھی ہیں جو جماعت میں کام کرنے اور اصول کی پابندی کی وجہ سے کئی کئی گھنٹے تقریر کرتے ہیں اور ان کی تقریر صحیح ہوتی ہے، مگر جماعتوں کے تناسب سے ایسے آدمی خال خال ہیں۔

جو لوگ آیات و احادیث بکثرت بیان کرتے ہیں، اگر ان کا مقصود فقہی اجتہادی مسائل کا استخفاف ہے؟ (معاذ اللہ) تو نہایت خطرناک پہلو ہے۔ (1) اس کا

---

(1) قرآن کریم اور دیگر شعائر دینیہ معظمہ کا استخفاف فقہائے کرام نے جملہ کفریات میں شمار کیا ہے:

قال القاري رحمه الله في شرح الفقه الأكبر: "وفي تتمة الفتاوى: من استخف بالقرآن أو بالمسجد، أو بنحوه مما يعظم في الشرع كفر". (فصل في القراءة والصلاة: ١٦٧، قديمي)

پوری طرح سد باب ضروری ہے، اگر ان کا مقصود یہ ہے کہ فقہی اجتہادی مسائل میں ائمہ کا اختلاف بھی ہوتا ہے مفتی بہ اور غیر مفتی بہ، راجح و مرجوح اقوال بھی ہوتے ہیں اور صورتِ مسئلہ کچھ بھی بدل جائے تو حکم بدل جاتا ہے، نیز مسائل میں قیود و شروط بھی ہوتے ہیں، جو پورے طور پر مستحضر نہیں ہوتے، اس لیے ایسے مسائل کا بیان فرمانا علمائے حق ہی کا منصب ہے، اس لیے تبلیغی جماعت کے عام لوگ ان مسائل کو بیان نہیں کرتے، تو یہ پہلو قابلِ قدر اور لائق تحسین ہے۔

۸ تبلیغی جماعت کے اصول میں سے ہے کہ جو حضرات علماء و مشائخ دینی مشاغل میں لگے ہوئے ہیں ان کو باہر نکلنے کی دعوت ہرگز نہ دی جائے جیسا کہ "چھ باتیں" میں تصریح ہے۔(1)

البتہ اس کام کو پسند کرنے والے اور بغیر چلہ ہی وقتاً فوقتاً اس میں شرکت کرنے والے بہت علماء ہیں، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ کی سوانح میں بہت تفصیل ملے گی، خود یہاں دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ نے میرے سامنے فرمایا کہ میں بھی چلہ میں جاتا، مگر وقت میں گنجائش نہیں اور اپنے سامنے طلباء کی زمانہ تعطیل میں جانے کے لیے کوشش فرمائی اور چلہ کو بہت اہمیت دی۔

جہاں جہاں جماعت جائے وہاں کے علماء ان کی نگرانی فرما کر غلطیوں پر تنبیہ فرمائیں، انشاء اللہ تعالیٰ نفع ہوگا۔ فقط۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ

دارالعلوم دیوبند

(1) کتاب "چھ باتیں" تبلیغی کام کرنے والوں کو ہدایت، رقم:۹"۔

تبلیغی چلہ وغیرہ کا اور مسجد میں اعتکاف کرنے کا ماخذ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الاستفسار (۴۱۰۳):(1)

ما قول العلماء من اهل السنّة والجماعة فی المسائل الآتية:

(الف)الجماعة التبليغية المتعارفة كيف ذلك أصول الشريعة الغرآء الملة البيضاء؟

(ب)الأربعينة التی فی الجماعة هل لها أصل ثابت فی الدين المتين؟

(ج)جرت عادة أولئك المبلغين البيتوتة فی المساجد، المآكل والمشارب فيها، وهم يقولون: نحن معتكفون نفلاً، هل لهم فيه سَعة أم حرام؟

(د)ما حكم من يكفر الجماعة المذكورة بأسرها حتی حُماتها

---

(1) الاستفتاء: علماء اہل سنت والجماعۃ مسائل ذیل میں کیا فرماتے ہیں؟

الف: متعارف تبلیغی جماعت کا اصول شریعت کے مطابق کیا حکم ہے؟

ب: جماعت میں جو چلہ ہوتا ہے دین میں اس کی کوئی اصل ہے؟

ج: ان مبلغین کی عادت نفلی اعتکاف کر کے مساجد میں رات گزارنے، کھانے پینے کی ہے، کیا اس کی گنجائش ہے یا یہ حرام ہے؟

د: جو جماعتِ مذکورہ کی بالکلیہ تکفیر کرے، حتی کہ اس کے معاونین اور بانیین کی بھی، اس: کیا حکم ہے؟

فقط تو جروا عند اللہ۔

(۱) المستفتی عبدالجبار ۱۳/۲/۷۷ء

(۲) محمد نظام الدین عفاعنہ

(۳) بندہ محمد مفیض اللہ عفاعنہ

ومؤسسها؟

نرجو من جنابكم الجواب مع غراء الأدلة والكتاب، كي يتيسر لنا إرسال الفتوى إلى الممالك العربية للتصديقات، فليكتب خلاصة الأجوبة بالبلاغة مختصراً، ولتزين كلتا العبارتين بالإمضاء والمهر الخاص۔ فقط۔ توجروا عند الله۔

(١) المستفتي عبدالجبار ٧٧/٢/٣ء

(٢) محمد نظام الدين عفا عنه

(٣) بنده محمد مفيض الله عفا عنه

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب: وبيده ازمة الحق والصواب

دین کا سیکھنا سکھانا اور اس پر عمل کرنا فرض ہے، دین سیکھنے کے لیے جس کو سہولت ہے کہ مدارسِ دینی میں داخل ہو کر باقاعدہ پورا نصاب پڑھے تو وہ یہی صورت اختیار کرلے، جس کے پاس اتنا وقت نہیں یا اتنی مالی وسعت نہیں یا عمر زائد ہو چکی ہے یا حافظہ وذہن ایسا نہیں تو خواہ وہ خود آہستہ آہستہ اہلِ دین سے زبانی سیکھے یا کتاب کے ذریعہ سیکھے یا اہلِ دین کی تقریر سے سیکھے، غرض جو صورت اس کے قابو کی ہو، اس کو اختیار کرے، اس مقصد کے لیے تبلیغی جماعتیں نکلتی ہیں، دہلی نظام الدین بڑا مرکز ہے، ان جماعتوں میں اَن پڑھ، کاشت کار، مزدور، تاجر، ملازمت پیشہ، اہلِ صنعت، کارخانہ دار، اہلِ علم، گریجویٹ، ہر طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں، اپنے مصارف سے سفر کرتے ہیں، کوئی ایک دن کے لیے نکلا، کوئی دو دن کے لیے، تین دن، دس دن، بیس دن، چالیس دن، چار

مہینے، سال بھر، تین سال کے لیے، جس کو جتنا وقت ملا وہ نکلا ہر فرد اپنے بڑے سے سیکھتا ہے اور چھوٹے کو سکھاتا ہے، کسی نے کلمہ سیکھا، کسی نے نماز سیکھی، کسی نے قرآن کی سورتیں سیکھیں، کسی نے ترجمہ ومطلب سیکھا، کسی نے حدیثیں سیکھیں، پھر یہ لوگ گشت کے لیے نکلتے ہیں اور اپنے بھائیوں کے پاس جا کر نہایت ہمدردی ودل سوزی سے ان کی خوش آمد کر کے ان کو مسجد لاتے ہیں، دین کی اہمیت بتلاتے ہیں، نماز کی طرف توجہ دلاتے ہیں، کوئی وضوا کراتا ہے، کوئی الحمد یاد کراتا ہے، کوئی قل ہو اللہ احد یاد کراتا ہے، کوئی تشہد یاد کراتا ہے، مسجد میں عموماً رات گزارتے ہیں، اعتکاف کی نیت کرتے ہیں، نوافل پڑھتے ہیں، تہجد کا سب کو عادی بناتے ہیں، دُعا میں روتے ہیں، پیدل سفر کرتے ہیں، گاؤں در گاؤں پھرتے ہیں، بس اور ٹرین سے بھی سفر کرتے ہیں، ہر جگہ اپنا مشغلہ (سیکھنا سکھانا) جاری رکھتے ہیں، جہازوں میں بھی، حجاج میں بھی کام کرتے ہیں، بندرگاہ پر، جدہ میں، مکہ مکرمہ میں، منیٰ میں، عرفات میں، مدینہ منورہ میں، سب جگہ یہ جماعتیں کام کرتی ہیں، بیرون ہند، دیگر ممالک اسلامیہ وغیرہ اسلامیہ میں بھی جاتی ہیں، ان جماعتوں کی مساعی سے بہت بڑی تعداد نے پورا علمِ دین حاصل کیا، بہت بڑی تعداد نمازی بن گئی، روزہ رکھنے لگی، باقاعدہ زکوٰۃ دینے لگی، صحیح طریقہ پر حج ادا کرنے لگی، اس جماعت کی بدولت بہت سی بدعات ختم ہوگئیں، سُنت پر لوگوں نے عمل شروع کر دیا، بہت سے اَن پڑھوں کو دیکھا کہ ہزاروں حدیثوں کے مطالب ان کو یاد ہوگئے، عالم نہ ہونے کے باوجود ان کی طویل طویل تقریر وگفتگو حدیث شریف کے مضامین ہوتے ہیں، صحیح بخاری شریف میں مذکور ہے کہ نطفہ رحم میں چالیس روز گزرنے پر علقہ بنتا ہے، پھر چالیس روز گزرنے پر مضغہ بنتا ہے، پھر چالیس روز گزرنے پر اس کی روزی، عمر وغیرہ لکھ دی جاتی ہے، اس سے

معلوم ہوا کہ تبدیلیِ طبیعت میں چلہ کو بڑا دخل ہے، نیز چالیس روز نماز میں جماعت کے ساتھ مکمل طور پر ادا کرنے سے نار و نفاق سے براءت کی بشارت بھی وارد ہوئی ہے اور چالیس روز تک مسلسل عمل کرنے پر علم عطا ہونے کی بھی بشارت ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ شادی سے قبل مسجد میں سویا کرتے تھے، معتکف کے لیے کھانے پینے اور سونے کی فقہاء نے اجازت دی ہے، اس جماعت کو چھ نمبر یاد کرائے جاتے ہیں، کلمہ طیبہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** اس کے الفاظ کو صحیح یاد کریں، اس کا ترجمہ سیکھیں، اس کا مطلب وضاحت سے سمجھیں، اس کے مطالبہ کو پورا کریں، نماز، علم و ذکر، اکرامِ مسلم، تصحیح نیت، ترک مالا یعنی، ان جملہ امور کو سمجھنے، ذہن نشین کرنے، عمل کی مشق کرنے اور دوسرے بھائیوں تک پہنچانے کے لیے جماعتیں نکلتی ہیں، کیوں کہ اپنی جگہ اور اپنے مشاغل زراعت وحرفت وغیرہ میں رہتے ہوئے ان امور کی تکمیل دشوار ہوتی ہے، اس طرح جماعت بنا کر نکلنے میں ناموافق لوگوں کے اخلاق وافعال پر صبر وتحمل، رفقاء کے لیے ایثار وہمدردی، عامۂ مخلوق کے لیے خیر خواہی واحسان، بڑوں کا اعزاز واحترام، چھوٹوں پر شفقت ومہربانی، امیر کی اطاعت وفرماں برداری، ماتحتوں کی نگرانی وغم گساری، باہمی مشورہ کی اہمیت وعادت وغیرہ، بے شمار اخلاق وتعلیمات نبویہ کی آہستہ آہستہ مشق ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ تمام دین کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق ہوتی ہے اور دین کی خاطر سر کھپانے، محنت کرنے کا جذبہ مستحکم ہوتا ہے، ایسی جماعتوں اور ان کے بانیوں کو کافر کہنا نہایت خطرناک ہے، جو لوگ ان کو کافر کہتے ہیں وہ اپنے ایمان کی فکر کریں، کیوں کہ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ جو شخص کسی کو کافر کہتا ہے، حالاں کہ وہ کافر نہیں ہے تو ان کو کافر کہنے کا وبال اسی کافر کہنے والے کی طرف لوٹتا ہے۔

(۱)۔عن عبداللہ رضی اللہ عنه قال: حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔ وهو الصادق المصدوق۔: "إن أحدکم یجمع فی بطون امه أربعین یوماً، ثم یکون علقة مثل ذلک، ثم یکون مضغة مثل ذلک، ثم یبعث اللہ ملکاً، فیؤمر بأربع: برزقه، وأجله، وشقی، أو سعید. الحدیث (صحیح البخاری: ۹۷۶/۲)

(۲)۔انس رضی اللہ عنه رفعه: "من صلی أربعین یوما جماعة لم تَفُتْه التکبیرة الأولی کتب اللہ له براء تین: براء ة من النار، وبراء ة من النفاق". (ترمذی) (جمع الفوائد۲/۳۴)

(۳)۔"من اخلص لِلّٰه اربعین یوماً ظهرت ینابیع الحکمة من قلبه علی لسانه". (رواه ابو نعیم بسند ضعیف عن أبی ایوب (کشف الخفاء: ۲/۲۳۴) باب نوم الرجل فی المسجد.)

(۴)۔وقال أبو قلابة عن أنس بن مالک رضی اللہ عنه قدم رهط من عکل علی النبی صلی اللہ علیه وسلم وکانوا فی الصفة. وقال عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنه: "کان اصحاب الصفة الفقراء". اخبرنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنهما أنه کان ینام، وهو شاب أعزب، لا أهل له، فی مسجد النبی صلی اللہ علیه وسلم. (رواه البخاری: ۱/۶۳)

(۵)۔عن سهل بن سعد رضی اللہ عنه، قال: جاء رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بیت فاطمة، فلم یجد علیاً فی البیت، فقال: أین ابن عمک؟ قالت: کان بینی وبینه شیء، فغاضبنی، فخرج، فلم یقِلْ

عندی. فقال رسول اللّٰہ ﷺ لإنسان انظر أین هو؟ فجاء فقال: رسول اللّٰہ، هو فی المسجد راقد، فجاء رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وهو مضطجع، قد سقط رداء ه، عن شقه وأصابه تراب، فجعل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یمسحه عنه، ویقول: "قم یا أبا تراب، قم یا أبا تراب......". (رواه البخاری: ۱/۶۳)

(۶)۔عن أبی هریرة رضی اللّٰہ عنه قال: "لقد رأیت سبعین من أصحاب الصفة: ما منهم رجل علیه رداء، إما إزار وإما کساء، قد ربطوا فی أعناقهم، فمنها ما یبلغ نصف الساقین، ومنها ما یبلغ الکعبین، فیجمعه بیده؛ کراهیة أن تری عورته." (بخاری شریف: ۱/۶۳ قدیمی)

(۷)۔وخص المعتکف بأکل وشرب ونوم. (در مختار)......ای: فی المسجد، یکره النوم والأکل فی المسجد لغیر المعتکف، وإذا أراد ذلک ینبغی أن ینوی الإعتکاف، فیدخل، فیذکر اللّٰہ بقدر ما نوی أو یصلی، ثم یفعل ما شاء...... (رد المختار ۲/۱۳۴)

(۸)۔عن أبی ذر رضی اللّٰہ عنه أنه سمع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول: "لا یرمی رجل رجلاً بالفسوق، ولا یرمیه بالکفر إلا إرتدت علیه، إن لم یکن صاحبه کذلک......". (بخاری شریف ۸۹۳)...فقط۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند

ان کے لیے اصل علاج تبلیغ میں چلہ دینا ہے

ڈاک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

مکرمی ومحترمی حضرت اقدس مفتی صاحب! مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امیدِ قوی ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے، عرض یہ ہے کہ احقر کے والد صاحب ایک بدعتی پیر کے مرید ہوگئے ہیں، ان کے مزاج کو دیکھتے ہوئے احقر نے حضرت مولانا منظور احمد صاحب سے ملاقات کرائی، تا کہ بات سمجھ میں آجائے، لیکن اس کے بعد مزید ناراضگی اور وہاں جانے پر غصہ اظہار کیا، والدہ بھی اسی وجہ سے والد صاحب سے ناراض ہیں، لیکن والد صاحب اپنے عمل پر جمے ہوئے ہیں، حالاں کہ اس بدعتی پیر کا حال یہ ہے کہ ایک وقت کی نماز نہیں پڑھتا، غیر مسلم دیوتاؤں کی تصویریں کمرے میں لگا رکھی ہیں، گھر میں ٹی وی بھی ہے، ہر جمعرات اور اتوار کو پابندی سے حاضری دیتے ہیں۔

دُعا کی خصوصی آپ سے درخواست ہے مزید توجہ کی، اللہ تعالیٰ والد صاحب کو ہدایت نصیب فرمائے، اس سلسلہ میں مشورہ بھی دیں کیا کرنا چاہیے؟ ناراضگی کی حد یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ احقر کو گھر سے نکالنے کی دھمکی دے رہے ہیں، جواب کے لیے جوابی کارڈ ارسال ہے، امید ہے کہ جواب سے نوازیں گے اور دُعاؤں میں یاد رکھیں گے۔ فقط والسلام۔

الجواب: حامداً ومصلیا

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

محترمی! زیداحترامہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خط ملا، تحریر کردہ حالات سے بہت افسوس ہوا، دل سے دُعا کرتا ہوں حق تعالیٰ صراطِ مستقیم پر چلائے، غلط راستہ سے حفاظت فرمائے، اصلاً علاج تو ان کے واسطے یہ تھا کہ تبلیغ میں چلہ کے لیے بھیج دیتے۔ مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ کس طرح مانیں گے؟ مختصر صورت یہ ہے کہ مولانا منظور صاحب آپ سے ملنے کے لیے کبھی مکان پر جائیں وہاں والد صاحب سے بھی ملاقات ہو اور ان چیزوں پر کوئی گفتگو نہ ہو، مولانا بھی آپ کو اور ان کو مدعو کریں، یہ دعوت کا سلسلہ بار بار ہو، جب کسی درجہ میں بے تکلفی ہو جائے، مولانا کا ایک مقام ان کے قلب میں پیدا ہو جائے، تب اکابر کی کتابیں ان کو پڑھنے کے لیے دی جائیں، پھر اتوار کو تبلیغی اجتماع ہفتہ واری ہوتا ہے، اس میں ان کو لے جائیں، اللہ تعالیٰ ان کے لیے راستہ کھول دے اور آپ سورہ الم نشرح پڑھ کر انہیں کبھی کبھی دم کر دیا کریں۔ فقط۔ والسلام۔

املاہ العبد محمود غفرلہ

ہندو تھانیدار اور چلہ

ایک ہندو تھانے دار نے ایک چور کو پکڑا، جیل میں ڈالا، پٹائی کی، وہ چور میواتی مسلمان تھا، ہندو تھانیدار نے اس سے پوچھا تو نے جماعت (تبلیغ) میں چلہ دیا ہے؟ اس نے کہا کہ ''نہیں دیا''۔ تھانیدار نے خوب پٹائی کی اور اس شرط پر چھوڑا کہ چلہ دے

تھانیدار جانتا تھا کہ اس چلہ (چالیس دن کے لیے تبلیغ کی محنت میں چلت پھرت) کے ذریعہ یہ جرائم ختم ہو جاتے ہیں۔ (ملفوظات ۵۶/۵)

چلہ کے فوائد

السوال:

تبلیغی جماعت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ یہ لوگوں کو باہر نکلنے پر کیوں مجبور کرتی ہے؟ کیا باہر نکلنا اور چلہ دینا ضروری چیز ہے؟ اس جماعت کے بانی کیا اس تحریک کے ذریعہ کوئی نئی قوم تیار کرنا چاہتے تھے؟ اس سے ان کی کیا مراد تھی؟

الجواب: حامداً ومصلیا

دہلی نظام الدین مرکز تبلیغ مسجد بنگلہ سے جو جماعتیں تبلیغ کے لیے جاتی ہیں، ان کے لیے ایک دستور العمل موجود ہے، ایک چھوٹا سا کتابچہ چھپا ہوا ہے، جس کا نام ہے ''چھ باتیں'' ان چھ باتوں کو سیکھنے، سمجھنے، صحیح کرنے، دل میں جمانے، زندگی میں جاری کرنے کے لیے لوگ نکلتے ہیں، اپنے اپنے خرچ کا ہر شخص خود ذمہ دار ہوتا ہے، کوئی ایک روز کے لیے، کوئی تین روز کے لیے، کوئی دس دن کے لیے، کوئی ایک چلہ کے لیے، کوئی تین چلوں کے لیے، کوئی سال بھر کے لیے، بعضوں نے پوری زندگی ہی اسی مقصد کے لیے دے دی، اس طریقہ پر نکلنے سے عقائد بھی درست ہوتے ہیں، اخلاق واعمال کی بھی اصلاح ہوتی ہے، جس سے دین پختہ ہوتا ہے، غلط چیزیں چھٹتی ہیں، مثلاً جو شخص ایک چلہ کے لیے نکلا وہ اس مدت میں نماز باجماعت کا پابند ہو جائے گا، قرآن کریم کا بھی حسب حیثیت کچھ نہ کچھ حصہ حاصل کر لے گا، گالی گلوچ، لڑائی جھگڑا، شراب نوشی، جھوٹ، غیبت، بہتان، بدخواہی، حسد وغیرہ برائیوں سے محفوظ رہے گا، چلہ سے واپسی

پر امید ہے کہ دیر تک اثرات باقی رہیں گے، پھر کچھ مدت بعد دوبارہ چلہ کے لیے نکلا تو پہلے چلہ کی باتوں میں پختگی آئے گی، تبلیغی نصاب سن کر اپنی زندگی کو اس کے مطابق درست کرنے کا اچھا خاصہ جذبہ پیدا ہوگا، غرض اس طرح جتنا زیادہ سے زیادہ وقت دے گا، اسی قدر زیادہ اصلاح ہوگی، دین قائم ہوگا، غلط باتوں سے بچے گا، جو مالدار تاجر وغیرہ زکوۃ نہیں دیا کرتے تھے، وہ اس تبلیغ کی بدولت باقاعدہ پورا پورا حساب کر کے زکوۃ ادا کرنے لگے ہیں، جن پر حج فرض تھا، مگر ارادہ نہیں کرتے تھے، وہ فضائل حج سُن کر حج کے لیے آمادہ ہوگئے، بلکہ عمرہ کرنے کے لیے بھی مستقل سفر کرنے لگے، جگہ جگہ مکاتب و مدارس قائم ہوگئے، جن سے قرآن کریم اور دینی تعلیم کو فروغ ہوا ہے۔

اچھی خاصی بڑی عمر والوں کو بھی جو تعلیمی حلقوں میں نماز سُننے اور سُنانے کی نوبت آئی اور اپنی غلطی پر اطلاع ہوئی تو وہ اصلاح کی فکر میں لگ گئے، نمازیں درست کرنے لگے، جو صرف الفاظ جانتے تھے، انھوں نے معانی و مطالب کو بھی سیکھنا شروع کر دیا، جن لوگوں نے کسی مدرسہ میں تعلیم نہیں پائی، اس تبلیغ کی بدولت بہت سے احادیث کا مطلب حاصل کرلیا، الغرض اس کے بے شمار منافع ہیں، ریلوں میں، بسوں میں، جہازوں میں جماعتیں جاتی ہیں، ہر بندرگاہ پر حاجیوں میں کام کرتی ہیں، بلکہ مکہ مکرمہ، عرفات، مزدلفہ، منیٰ میں کام کرتی ہیں، بے شمار لوگوں کا حج اس تبلیغی کام کی بدولت صحیح اور شریعت کے مطابق ہونے لگا، مختلف ممالک کے لوگ ان میں شامل ہوتے ہیں، عرب میں بھی اجتماعات ہوتے ہیں، ترکی، سوڈانی، یمنی، فلسطینی، شام، عراق، ہر جگہ کے لوگ آتے ہیں اور جماعتیں بنا کر نکلتے ہیں، الغرض کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں یہ کام نہ پہنچا ہو اس کی بدولت بہت بڑی مخلوق کی اصلاح ہوئی اور ہو رہی ہے۔

جو جماعت کے مخالف ہیں، انھوں نے مستقل گروہ بنا کر بڑے بڑے اجتماعات میں مخالفت اور فتنہ پردازی کے لیے بھیجے، اس گروہ نے جب دینِ حق کی باتیں سُنی اور عملی زندگی کو دیکھا تو وہ گروہ رو پڑا اور بہت ندامت کے ساتھ اپنے غلط ارادوں سے توبہ کی اور جن لوگوں نے اس گروہ کو بھیجا تھا ان پر بہت زیادہ اظہار افسوس کیا کہ ہمیں ان لوگوں نے اندھیرے میں رکھا اور غلط باتیں بتائیں۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

اگر یہی چیز وہابیت، دیوبندیت ہے تو اس پر کیا اعتراض ہے؟ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ العزیز ایک بے نفس بزرگ تھے، جن کو حضرت رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے عشق تھا اور آپ کے لائے ہوئے دین کی اشاعت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا اور چاہتے تھے کہ ایک مستقل جماعت ہر علاقہ میں ایسی ہونی چاہیے، جن کا مقصدِ زندگی ہی دینِ اسلام اور سُنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ واشاعت ہو صرف کلمہ نماز پر کفایت نہ کرے، بلکہ تمام دین کو لے کر دنیا میں پھیلے اور اس کی زندگی اس مقصد کے لیے وقف ہو، چناں چہ کتابچہ ''چھ باتیں'' کے آخر میں جو ہدایات دی ہیں کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا پورا دین مسلمانوں تک پہنچا دیں اور ان کو سکھا دیں اور یہ کلمہ ونماز اس کی الف ب ت ہے، اس پر کیا اعتراض ہے؟ کیوں کہ صرف نماز کے لیے تو وعظ بھی ہوتے رہتے ہیں، مگر یہاں صرف نماز پر کفایت کرنا نہیں ہے، بلکہ پورے دین کو لے کر مستقلاً مقصد بنانا ہے..........

ہر شخص وہر مجمع سے ایسی بات کہی جائے جس کو اس کی سمجھ برداشت کر سکے، اہلِ علم سے علمی باتیں کہی جاتی ہیں، اہلِ معرفت سے معرفت کی باتیں، عوام سے سیدھی سادی باتیں، اگر متکلم کے ذہن میں معرفت کے بلند خیالات وجذبات ہوں اور مخاطب

ان کے سمجھنے کے اہل نہ ہوں تو ان کے سامنے ان جذبات اور خیالات کے بیان کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، بلکہ فتنہ کا اندیشہ ہوگا، اسی ضابطہ کے تحت حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ہدایات دیا کرتے تھے، **"کلموا الناس علی قدر عقولهم"، "أمرنا أن ننزل الناس منازلهم......"**. فقط۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم، وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ

تبلیغی چلہ کا حکم

السوال:

مروجہ تبلیغی جماعت، جس کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ہیں، لوگوں کو چلے، یعنی چالیس دن کا انتظام کرکے تربیت دیتی ہے، آیا یہ چلہ کی رسم بدعت ہے یا مستحسن؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

جس نیک کام پر چالیس روز پابندی کی جائے، اس پر بہت اچھے ثمرات ونتائج مرتب ہوتے ہیں اور اس کام سے خاص لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے، یہ بات حدیث شریف سے ثابت ہے۔(1)

(1) عن عبدالله رضي الله عنه قال: حدثنا رسول الله ﷺ - وهو الصدق المصدوق -: "إن أحدكم يجمع خلقه في بطن أمه أربعين يوماً، ثم يكون في ذلك علقة مثل ذلك، ثم يكون في ذلك مضغةً مثل ذلك".

(الصحيح لمسلم، كتاب القدر، باب كيفية خلق الآدمي: ٣٣٢/٢، قديمي)

اور بہت سے اکابر ومشائخ کا تجربہ بھی ہے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ

دار العلوم دیوبند ۱۴/۴/۸۸ھ

الجواب صحیح۔ بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ

دار العلوم دیوبند ۱۹/۴/۸۸ھ

کیا تبلیغ ہر شخص کے ذمہ واجب ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں:

(۱)۔ قرآن کریم اور حدیث شریف کی روشنی میں موجودہ تبلیغی جماعت کی حیثیت کیا ہے؟

(۲)۔ جو مسلمان تبلیغی جماعت میں داخل نہیں ہوتا اور نہ گشت اور چلہ کشی کرتا ہے اس کے لیے شرع کا کیا حکم ہے؟

(۳)۔ جو اصطلاحی عالم کسی دینی مدرسہ یا حکومت سے منظور شدہ مدارس میں درس نظامی کی تعلیم وتعلم یا خطابت یا قرآن وحدیث خیر الانام کی نشر واشاعت کرتا ہو یا عالم باعمل مجاز یا خلیفہ سلاسل ہر چہار میں منسلک ہو کر خانقاہ میں متوسلین ومسترشدین کی تعلیم وتربیت کرتا ہو اور موجودہ تبلیغی جماعت سے کوئی واسطہ نہ رکھتا ہو، ایسے اشخاص وافراد کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر رہے ہیں، یا دین واسلام کے مخالف شمار ہو سکتے ہیں؟

(۴)۔ تبلیغی جماعت میں شامل ہو کر امریکہ، انگلینڈ، ایشیا، یورپ وغیرہ ممالک کی سیر وسیاحت کے مقصد کو گشت میں پنہاں کر کے اور اِنْفِرُوْا خِفَافاً وَّثِقَالاً۔

الآیۃ کے تحت نکلنا کیسا ہے؟ یہ گشت از روئے شرع واجب ہے یا سنت یا مستحب؟

(۵)۔ جو شخص عربی زبان سے واقف نہ ہو اور کسی مستند درس گاہ یا درس نظامی کا فارغ التحصیل بھی نہ ہو، ایسے شخص کا مذہبی مجامع ومجالس میں عالمانہ، فقیہانہ، قائدانہ ومصلحانہ حیثیت سے قرآن وحدیث بیان کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۶)۔ ایسا شخص یا ایسے افراد جو عام طور پر تبلیغی جماعت میں داخل ہو جاتے ہیں اور پھر علمائے اصطلاحی کی شان میں گستاخانہ، حاکمانہ پیرایہ میں یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ مولویوں کے لیے سات چلے ہیں اور عوام کے لیے صرف تین چلے ہیں۔ عوام کے سامنے ایسا بیان کرنا کیسا ہے؟ بینوا وتوجروا۔

السائل: شیخ غلام محمد، ۳۲ چاندنی چوک اسٹریٹ کلکتہ ۱۳۔ ۱۲ شعبان المعظم ۹۰ھ

الجواب: حامداً ومصلیاً

(۱)۔ یہ دین سیکھنے، پختہ کرنے، اشاعت کا ذریعہ ہے، اصول کے ساتھ کیا جائے تو تجربہ سے ثابت ہے کہ بے حد مفید ہے۔

(۲)۔ اس کا جو فائدہ ہے اس کو حاصل نہ ہوگا۔

(۳)۔ نہ وہ مخالف سنت ہیں، نہ مخالفِ اسلام ہیں۔

(۴)۔ اگر نیت سیر وسیاحت کی ہے اور تبلیغ کو پردہ بنایا ہے تو یہ بنیادی غلطی ہے (1)، تبلیغ کے نمبروں میں ایک بہت اہم نمبر تصحیح نیت ہے، اس سیر وسیاحت کے سفر

---

(1) عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "إنما الأعمال بالنيات، وإنما لامرئ مانوى، فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله فهجرته إلى الله ورسوله، ومن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها أو امرأة يتزوجها، فهجرته إلى ما هاجر إليه".

(صحيح البخاري، باب كيف كان بدء الوحي؟: ۱/ ۲، قديمي) =

پر ﴿اِنْفِرُوْا خِفَافاً وَّثِقَالاً﴾۔(2) پڑھ کر آمادہ کرنا غلط ہے، آیت کا محمل دوسرا ہے۔(3)

(۵)۔اگر وہ صحیح مضامین بیان کرتا ہے، حدود سے تجاوز نہیں کرتا تو مضائقہ نہیں، اہلِ علم حضرات ایسے شخص کی تقریر میں جو غلطی دیکھیں اصلاح فرمائیں۔اور اس مقرر کو لازم ہے شکریہ کے ساتھ اصلاح کو قبول فرمالے۔لیکن ایسا کم ہوتا ہے کہ ایسا شخص پورے حدود کی رعایت کر سکے، اس لیے عامۃً تبلیغی جماعت کو چھ نمبروں میں مقید کر دیا جاتا ہے اور جو شخص جس قدر ترقی کرتا جاتا ہے مضمون میں اضافہ کرتا جاتا ہے، یہاں تک کہ بعض آدمی عربی سے ناواقف ہونے کے باوجود کئی کئی گھنٹہ تقریر کر لیتا ہے اور آیات اور احادیث کے مطالب کو بھی صحیح صحیح طور پر بیان کر دیتا ہے اور کبھی ہمارے درسِ نظامی

=قال القاري رحمه الله تحته: "أي: منصرفة الغرض الذي هاجر إليه فلاثواب له؛ لقوله تعالى: ﴿مَن كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَن كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِن نَّصِيبٍ﴾. (الشورى: ٢٠) أو المعنى: فهجرته مردودة أو قبيحة، قيل: إنما ذم؛ لأنه طلب الدنيا في صورة الهجرة فأظهر العبادة للعقبى، ومقصوده الحقيقي ما كان إلا الدنيا، فاستحق الذم لمشابهته أهل النفاق". (مرقاة المفاتيح، المقدمة، حديث النية: ١٠٣/١، رشيديه)

(2)(التوبة: ٤١)

(3) قال العلامة الآلوسي رحمه الله: ﴿انْفِرُواْ خِفَافاً وَثِقَالاً وَجَاهِدُواْ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللّهِ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾.(التوبة: ٤١) أي: بما أمكن لكم منهما كليهما أو أحدهما، والجهاد بالمال إنفاقه على السلاح وتزويد الغزاة ونحو ذلك".

(روح المعاني: ١٠٤/١٠، دار إحياء التراث العربي)

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ کا محمل جہاد ہے، جیسے کہ آیت کریمہ میں خود صراحت ہے اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہ العزیز نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

کے فارغ شدہ پرانے مقررین، جن کا کام ہی شب و روز سفر کرنا اور تقریر کرنا ہے، اپنی تقریر میں موضوع روایات اور غلط حکایات بیان کر جاتے ہیں، بوقت ضرورت ان کی نشان دہی بھی کی جاتی ہے اور ان کے لیے سوالات بھی آتے رہتے ہیں کہ فلاں واعظ صاحب نے فلاں آیت یا فلاں روایت کا یہ مطلب بیان کیا اور فلاں بات کو حدیث کہہ کر بیان کیا اور فلاں مسئلہ اس طرح بیان کیا، مگر اس کی وجہ سے تمام فارغ شدہ مقررین سے کلیۃً اعتماد ختم نہیں کیا جا سکتا اور ہر ناواقف تبلیغی آدمی کی تقریر پر کلیۃً اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

(۶)۔ گستاخانہ وحاکمانہ پیرایہ اختیار کرنا تبلیغ کے بنیادی اصول "اکرامِ مسلم" کے بھی خلاف ہے، جو ایسا کرتے ہیں وہ تبلیغ کی روح کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

عوام کے لیے تین چلے اور مولوی کے لیے سات چلے یہ تو گستاخی نہیں، بلکہ بلندی مقام کے لیے ہے، عوام کے لیے معمولی مسائل ضروری دین کا سیکھ لینا کافی ہے، مگر مولوی کو دس سال درس نظامی میں صرف کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، عوام کے لیے بہشتی زیور کا پڑھنا کافی ہے اور مولوی کے لیے ہدایہ اور بخاری کا پڑھنا بھی ضروری ہے اور عمر بھر کتابوں میں لگا رہنا بھی ضروری ہے، اس لیے کہ مولوی کی ذمہ داری بڑی ہے، اس کے لیے مدت بھی زیادہ چاہیے، اس قسم کی چیزیں خانقاہوں میں بھی سنی ہیں کہ مولوی کے لیے مجاہدہ کافی نہیں، بہ نسبت عوام کے اس کو بہت زیادہ مجاہدہ کرنا پڑتا ہے، اس فقرہ کو بلاوجہ ہمیشہ گستاخی پر حمل کرنا بھی نہیں چاہیے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ

دار العلوم دیوبند

موجودہ تبلیغ کا شرعی ثبوت

السوال:

آج کل جو تبلیغی جماعت کام کر رہی ہے، اس جماعت کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں ایک امیر جماعت، متکلم اور رہبر مقرر کیے جاتے ہیں، امیر کے ماتحت جماعت قریہ بقریہ، شہر بشہر کام کر رہی ہے، یہ طریقہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا صحابہ کے زمانہ میں تھا یا نہیں؟ اگر اس زمانہ میں یہ طریقہ تبلیغ موجودہ زمانہ کی تبلیغ کے مطابق نہ ہو تو یہ کام جو نیا ایجاد کیا گیا ہے کس امر میں داخل ہے یعنی بدعت ہے یا بدعت حسنہ؟ معلوم کریں آیا ہم لوگوں کو صرف امتِ مسلمہ ہی کو اسلام کی تبلیغ کرنی چاہیے یا غیر اقوام میں بھی اسلام کی تبلیغ کرنا لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

نفسِ تبلیغ کا حکم تو کتاب وسنت میں موجود ہے اور ہر زمانہ میں اس پر عمل بھی ہوتا رہا ہے، البتہ ہر زمانہ کے حالات کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کے قلوب میں مفید طریقے القاء فرماتے رہے ہیں، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہفتہ میں ایک یا دو دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس لوگ جمع ہوتے اور وہ احادیث سُناتے، مسائل بتایا کرتے تھے،(1) حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ ہفتہ

---

(1) عن أبي وائل رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: کان عبداللّٰہ یذکرالناس في کل خمیس، فقال لہ رجل: یا أبا عبدالرحمن، لوددت أنك ذکرتنا کل یوم؟ قال: أما إنہ یمنعني من ذلك أني أکرہ أن أملکم، وأني أتخولکم بالموعظة کما کان النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم یتخولنا بھا، مخافة السآمة علینا." (صحیح البخاري، کتاب العلم، باب من جعل لأھل العلم أیاما معلومة، رقم الحدیث: ۷۰)

میں ایک دفعہ مسجدِ نبوی میں منبر کے قریب کھڑے ہو کر احادیث سُنایا کرتے تھے، حضرت تمیم داریؓ ہر جمع کو خطبہ شروع ہونے سے پہلے احادیث سُنایا کرتے تھے (1)۔ حضرت عبادہؓ، ابوالدرداءؓ بھی مستقلاً تبلیغ کرتے تھے (2)۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کوفہ سے حضرت عمرؓ کے پاس خط لکھا کہ عبداللہ بن مسعودؓ کو یہاں بھیج دیجیے تبلیغ کے لیے، اس پر حضرت عمرؓ نے بھیجا تو عبداللہ بن مسعودؓ ڈیڑھ ہزار کے قریب اپنے تلامذہ کو لے کر تشریف لے گئے (3) پھر ایک وقت آیا کہ احادیث کو لکھا گیا اور کتابی شکل دی

---

(1) أخرج ابن عساكر عن حميد بن عبدالرحمن أن تميما الداريّ استأذن عمررضي الله عنه في القصص سنين، فأبى أن يأذن، فاستأذنه في يوم واحد، فلما أكثر عليه قال له: ما تقول؟ قال: أقرأ عليهم القرآن، وآمرهم بالخير، وأنهاهم عن الشر، قال عمر: ذلك الذبح، ثم قال: عظ قبل أن أخرج في الجمعة، فكان يفعل ذلك يوماً واحداً في الجمعة". (الموضوعات الكبرى، للملا علي القاري، المقدمة، فصل: ولما كان أكثر القصاص والوعاظ: ۲۰، نور محمد كتب خانه)

(2) "وكان عبادة يعلّم أهل الصفة القرآن، ولما فتح المسلمون الشام، أرسله عمر بن الخطاب، وأرسل معه معاذ بن جبل وأباالدرداء رضي الله عنهم؛ ليعلموا الناس القرآن بالشام، ويفقهوهم في الدين، وأقام عبادة بحمص، وأقام أبوالدرداء بدمشق، ومضى معاذ رضي الله عنهم- إلى فلسطين......". (أسد الغابة في معرفة الصحابة: ۵۵/۳، رقم: ۲۷۸۹، دار الفكر)

(3) "ومن مناقبه......، (أي: عبدالله بن مسعود رضي الله عنه) منها: أنه شهد اليرموك بالشام، وكان على النفل، وسيّره عمربن الخطاب رضي الله عنه إلى الكوفة، وكتب إلى أهل الكوفة: "أنه قد بعثت عمار بن ياسر أميراً وعبدالله بن مسعود معلماً ووزيراً، وهما من النجباء من أصحاب رسول الله ﷺ من أهل بدر، فاقتدوا بهما، وأطيعوا، واسمعوا قولهما، وقد آثرتكم بعبدالله على نفسي".

(أسد الغابة: ۲۰۱/۳، رقم: ۳۱۷۷، دار الفكر، بيروت)

گئی(1) جگہ جگہ حدیث سُنانے کے حلقے ہوتے تھے، بعض محدثین کے حلقہ میں ایک لاکھ یا اس سے بھی زائد آدمی موجود رہتے تھے(2)، (یہ سب مخاطبین مسلمان ہی تھے) پھر ایک وقت آیا کہ مشائخ نے تصوف اور توجہ باطن کے ذریعہ تبلیغ کی، علماء نے مدارس قائم کیے، واعظین نے وعظ کہے، غرض یہ امت کسی وقت بھی مجموعی حیثیت سے نفسِ تبلیغ سے کلیۃً غافل نہیں رہی اور ہر ہر طریقہ تبلیغ نہایت مؤثر و مفید ثابت ہوا، ان میں کوئی طریقہ غلط نہیں، آج کے دور میں تبلیغی جماعت کا طریقہ اصول کی پابندی کے ساتھ نہایت مؤثر و مفید ہے، جس طرح مدارس کے عمل کو نیا طریقہ کہہ کر غلط نہیں کہا جا سکتا، اسی طرح تبلیغ کے اس طریقہ کو نیا طریقہ کہہ کر غلط نہیں کہا جا سکتا ہے، مسلمان کا اپنے اسلام میں پختہ ہونا لازم ہے، پھر اس کی غیر مسلموں میں بھی فی الجملہ تبلیغ ہوتی ہے، ورنہ اندیشہ ہے کہ وہ خود ہی اس طرف مائل ہو جائے، موجودہ جملہ طرق تبلیغ سے غیر مسلموں

---

(1) "فظهر في آخر عصر التابعين تدوين الأحاديث والأخبار، وتصنيف السنن والآثار، تصدّوا لهذا الأمر الشريف كالزهري......، فصنف الإمام مالك مقدم أهل المدينة موطأه......، وصنف من أهل مكة أبوحامد عبدالملك بن عبدالعزيز بن جريج، ومن أهل الشام أبوعمرو عبدالرحمن بن عمرو الأوزاعي، ومن أهل الكوفة سفيان الثوري، ومن البصريين أبوسلمة حماد بن سلمة، وبعدهم كل واحد من أعيان العلماء المجتهدين ألف كتاباً......".

(مرقاة المفاتيح، المقدمة، ترجمة الإمام البخاري، رحمه الله تعالى: ۵۷/۱، رشيديه)

(2) قال القاري رحمه الله تعالىٰ في ترجمة الإمام البخاري رحمه الله تعالىٰ: "قيل: روي عنه مائة ألف محدث". (مرقاة المفاتيح، المصدر السابق: ۵۹/۱)

وقال في ترجمة الأمام أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: روي عنه عبدالله بن المبارك ووكيع الجراح، وخلائق لايحصون". (مرقاة المفاتيح: ۷۵/۱)

میں بھی فی الجملہ تبلیغ ہوتی ہے اور مستقلاً بھی ان میں تبلیغ کی ضرورت ہے اور اس کا سلسلہ بھی جاری ہے......۔فقط۔واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ

دارالعلوم دیوبند ۹/۵/۹۱ھ

مسلمانوں میں تبلیغ کا ثبوت

سوال:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے پاس تبلیغ کے لیے جاتے تھے اور آج کل لوگ مسلمانوں کو تبلیغ کرتے ہیں، کیا حدیث سے یہ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں اس طرح چل کر تبلیغ کی ہے، جیسے آج کل تبلیغ کرتے ہیں؟ اس قسم کی روایتیں اگر مشکوۃ شریف یا بخاری شریف میں ہوں تو مع باب وصفحہ مطلع فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً

کوفہ اور قرقیسیہ میں جماعت صحابہ کا تبلیغ کے لیے جانا فتح القدیر کتاب الزکوۃ میں مذکور ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ بھیجا......۔(1) اور حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن

---

(1) لم أجده في زكوة فتح القدير، وقال العلامة محمد يوسف الكاندهلوي في حياة الصحابة: "أخرج ابن سعد عن حارثة بن مضرب قال: قرأت كتاب عمر بن الخطاب رضي الله عنه إلى أهل الكوفة: "أما بعد، فإني بعثت إليكم عماراً أميراً، وعبدالله بن مسعود معلماً ووزيراً، وهما من النجباء من أصحاب رسول الله ﷺ، واقتدوا بهما، فاسمعوا لهما، وإني وقد آثرتكم بعبدالله على نفسي أثرة".

(الباب الثالث عشر في رغبة الصحابة في العلم: ۱۹۵/۳، دارالقلم، بیروت)

مغفل، (1) عمران بن حصین (2) کی جماعت کو بصرہ اور عبادہ بن الصامت وابو درداء رضی اللہ عنہم کی جماعت کو شام بھیجا، یہ جماعتیں مسلمانوں کے پاس گئیں، جیسا کہ ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ٦ (3) میں مذکور ہے۔ فقط۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تبلیغ مستحب ہے یا فرض؟

السوال:

ایک صاحب تبلیغی جماعت میں جانے کو فرض عین فرماتے ہیں؟ اور حضرت تھانویؒ تبلیغ عام کو مندوب فرماتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

اصل یہ ہے کہ دین سیکھنا فرض عین ہے، اس کی ایک صورت مدارس میں پڑھنا ہے اور ایک صورت تبلیغ میں جانا ہے اور بھی صورتیں ہیں، میوات کے لوگوں کو بتایا

---

(1) "وكان (أي عبدالله بن مغفل رضي الله تعالىٰ عنه) أحد العشرة الذين بعثهم عمر رضي الله تعالىٰ عنه إلى البصرة يفقهون الناس".

(أسد الغابة، ذكر عبدالله بن مغفل رضي الله عنه: ٢٩٤/٣، رقم: ٣١٩٧، دار الفكر)

(2) "عمران بن حصين رضي الله عنه......، بعثه عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه إلى البصرة ليفقه أهلها، وكان من فضلاء الصحابة".

(أسد الغابة: ٧٧٧/٣، رقم: ٤٠٤٢، دار الفكر)

(3) "علمائے صحابہ را در آفاق فرستند، وایشاں را امر نمایند بروایت حدیث، ومردماں را حمل کنند بر اخذ ایشاں، چنانچہ فاروق اعظم عبداللہ بن مسعود را با جمعی بکوفہ فرستاد، ومعقل بن یسار وعبداللہ بن مغفل وعمران بن حصین را ببصرہ، وعبادہ بن صامت وابو درداء را بشام، ومعاویہ بن ابی سفیان کہ امیر شام بود قدعن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشاں تجاوز نکند۔" (ازالۃ الخفاء، نکتہ سوم، در بیان کیفیت توسط خلفائے راشدین: ٦/٢، سہیل اکیڈمی، لاہور)

گیا تھا کہ دین سیکھنا فرض ہے، اس لیے یا مدارس قائم کرو یا دوسری صورتیں اختیار کرو، اگر تم کوئی دوسری صورت اختیار نہ کر سکو تو متعین طور پر تبلیغ ہی میں نکلو، اس لیے وہاں یہی کہہ کر لوگ نکلتے ہیں کہ دین سیکھنے کے لیے چلو، اتنی بات میں کسی کو اختلاف نہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جس چیز کو مندوب فرمایا ہے، اس تبلیغ کے یہ معنی نہیں، بلکہ وہاں تبلیغ سے مراد دوسروں کو دین سکھانے کے لیے نکلنا ہے، ظاہر ہے کہ یہ کام عوام کا نہیں، بلکہ خواصِ اہلِ علم کا کام ہے، (1) پھر اس کو فرضِ عین کیسے کہا جا سکتا ہے؟ لہٰذا دونوں کا محمل الگ الگ ہے اور دونوں صحیح ہیں۔ فقط۔

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کیا تبلیغ فرض ہے؟

السوال:

تبلیغ دین اس زمانہ میں واجب ہے یا کچھ اور؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

تبلیغِ دین ہر زمانہ میں فرض ہے، اس زمانہ میں بھی فرض ہے، لیکن فرض علی الکفایۃ ہے، جہاں جتنی ضرورت ہو اسی قدر اس کی اہمیت ہوگی اور جس جس میں جیسی

---

(1) قال الملا علي القاري تحت حديث: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، وإن لم يستطع فبقلبه،......". الحديث: "وقد قال بعض علمائنا: الأمر الأول للأمراء، والثاني للعلماء، والثالث لعامة المسلمين، ثم اعلم أنه إذا كان المنكر حراماً، وجب الزجر عنه، وإذا كان مكروهاً ندب، والأمر بالمعروف أيضاً تبع لما يؤمر به، فإن وجب فواجب، وإن ندب فمندوب". (مرقاة المفاتيح، شرح مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ٨/٨٦١،٨٦٢، رشيديه).

اہلیت ہو اس کے حق میں اسی قدر ذمہ داری ہوگی (1)، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صراحت قرآن کریم میں ہے (2)، سب سے بڑا معروف ایمان ہے اور سب سے بڑا منکر کفر ہے، ہر مومن اپنی اپنی حیثیت کے موافق مکلّف ہے کہ خدائے پاک کے نازل فرمائے ہوئے دین کو حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے موافق

---

(1) "ثم اعلم أنه إذا كان المنكر حراماً، وجب الزجر عنه، وإذا كان مكروهاً ندب، والأمر بالمعروف أيضاً تبع لما يؤمر به، فإن وجب فواجب، وإن ندب فمندوب، ولم يتعرض له في الحديث؛ لأن النهي عن المنكر شامل له؛ إذ النهي عن الشيء أمر بضده، وضد المنهي إما واجب أو مندوب أو مباح، والكل معروف، ولفظ "من" لعمومه شمل كل أحد: رجلاً أو امرأة، عبداً أو فاسقاً أو صبياً مميزاً إذا كان".

(المرقاة، كتاب الأدب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ٨٦٢/٨، رشيديه)

(2) قال الله تعالىٰ: ﴿كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله﴾. (آل عمران: ١١٠)

قال العلامة الآلوسي تحتها: "وأخرج ابن المنذر وغيره عن ابن عباس رضي الله عنهما في الآية: أن المعنى تأمرونهم أن يشهدوا أن لا إله إلا الله، ويقروا بما أنزل الله تعالىٰ، وتقاتلونهم عليهم، و"لا إله إلا الله" هو أعظم المعروف، وتنهون عن المنكر، والمنكر هو التكذيب، وهو أنكر المنكر".

(روح المعاني: ٢٨/٤، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

وقال تعالىٰ: ﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر، أولئك هم المفلحون﴾. (آل عمران: ١٠٤)

قال العلامة الآلوسي تحتها: "والخطاب......، قيل: متوجه إلى أصحاب رسول الله ﷺ خاصة، وهم الرواة، والأكثرون على جعله عاماً، ويدخل فيه من ذكر دخولا أوّلياً......، العلماء اتفقوا على أن الأمر بالمعروف، والنهي عن المنكر من فروض الكفايات". (روح المعاني: ٢١/٤، دار إحياء الترث العربي، بيروت)

پہنچا تا رہے۔(1) فقط۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ

دارالعلوم دیوبند

تبلیغی جماعت کی شرعی حیثیت

السوال:

موجودہ تبلیغ جس کا مرکز نظام الدین دہلی میں ہے، اس تبلیغ کا کیا درجہ ہے؟ فرض، واجب، یا مستحب؟ جو لوگ اس میں نہیں جاتے ان سے مواخذہ ہوگا یا نہیں؟ اور جو لوگ مدرسہ میں پڑھاتے ہیں ان کو مدرسہ چھوڑ کر تبلیغ کے لیے جانا ضروری ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ اس میں نہیں لگتے ان کو لعن اور طعن کرنا کیسا ہے؟ اس کو فرض، واجب قرار دینا کیسا ہے؟ اور اگر فرض یا واجب اور سنت ہے تو اس سے پہلے علماء وصلحاء ومشائخ حضرات سے ضرور واجب اور سنت ترک ہوئی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

---

(1) قال اللہ تعالیٰ: ﴿لایکلف اللہ نفساً إلا وسعها لها ما کسبت وعلیها ما اکتسبت﴾. (البقرۃ: ٢٨٦)

عن أبي سعید الخدري رضي اللہ عنه عن النبي ﷺ قال: "من رأی منکم منکراً فلیغیره بیده، فإن لم یستطع فبلسانه، فإن لم یستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإیمان". (مشکوۃ المصابیح، کتاب الأدب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ٤٣٦، قدیمي)

قال القاري تحته: "(أضعف الإیمان)......، وقد قال بعض علمائنا: الأول للأمراء، والثاني للعلماء، والثالث لعامة المسلمین". (المرقاۃ، کتاب الأدب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ٨/٨٦١، رشیدیه)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین سیکھنا، اس پر یقین کرنا، اس پر عمل کرنا، اس کو دوسروں تک پہنچانا نہایت اہم اور ضروری ہے، امت نے اس کی اہمیت کو محسوس کیا، البتہ طریقہ اس کا یکساں اختیار نہیں کیا، کسی ایک طریقہ کو سب کے لیے لازم قرار نہیں دیا، وعظ وتقریر، درس وتدریس، تصنیف وتالیف، ارشاد وتلقین، حسب استعداد مناسب طرق سے کام لیا گیا، جس طرح سے مدارس کا نصاب ونظم ہے کہ وہ نہایت مفید ہے اور اس کو برقرار رکھنا ضروری ہے، مگر قرونِ اولی میں یہ طریقہ موجود نہ تھا، محض اس بنا پر اس کو غلط نہیں کہا جائے گا اور متقدمین پر یہ الزام نہیں ہوگا کہ انہوں نے اس کو کیوں اختیار نہیں کیا؟ اس نصاب ونظم کی ترغیب دی جائے گی، اس کی افادیت کو ثابت کیا جائے گا، لیکن جو شخص مدرسہ میں داخل نہ ہو اس کو مطعون وملعون نہیں قرار دیا جائے گا، بہت سے بہت کہا جائے گا کہ وہ اس نصاب کے فوائد سے بے بہرہ ہے، اس دور میں بے علمی، بے عملی عام ہے، مدارس میں اگر پڑھنے والوں کی تعداد قلیل ہے تو عوام تک دین پہنچانے اور ان کے دین کو پختہ کرنے کا ذریعہ موجودہ تبلیغی کام ہے، جو کہ بے حد مفید ہے اور اس کا مشاہدہ ہے، لیکن جو شخص دوسرے طریقہ سے دین حاصل کرے اور دوسروں تک پہنچائے اس کو مطعون وملعون کرنا ہرگز جائز نہیں، جو حضرات تدریس میں مشغول ہیں وہ ہرگز اپنا مبارک مشغلہ ترک نہ کریں، البتہ فارغ اوقات میں تبلیغی جماعت کے ساتھ تعاون کرتے رہیں اور مقامی کام میں حصہ لیتے رہیں، طلباء کو اس سے باخبر کرتے رہیں، ہاں! جو اہلِ علم حضرات تدریس کے مشاغل میں نہیں لگے ہوئے ہیں، بلکہ فارغ ہیں، ان کی ذمہ داری زیادہ ہے، وہ اس میں شرکت کریں۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ

دار العلوم دیو بند ۹۱/۱۲/۲۷ھ

تبلیغ کب تک فرض تھی؟

السوال:

تبلیغ کس زمانہ تک فرض تھی؟ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے کتنے دنوں پر فرضیت جاتی رہی؟ اور تبلیغ کا شرع شریف میں کیا درجہ ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم قرآن شریف میں ہے(1) اور وہ منسوخ نہیں، بلکہ ہمیشہ کے لیے ہے، اس کے شروط وآداب اتحاف (2)، نہایۃ الامل وغیرہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ

کیا تبلیغی جماعت میں جانا فرض عین ہے؟

السوال:

تبلیغی جماعت میں جانا فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟

---

(1) قال اللہ تعالی: ﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف......﴾.
(آل عمران:١٠٤)

وقال تعالى: ﴿قل هذه سبيلي أدعوا إلى الله على بصيرة أنا ومن اتبعني، وسبحان الله، وما أنا من المشركين﴾. (يوسف:١٠٨) "أي: أدعو الناس إلى معرفته سبحانه بصفات كماله، ونعوت جلاله، ومن جملتها التوحيد". (روح المعاني: ٦٧/١٣، دار إحياء التراث العربي)

(2) اتحاف السادة المتقين للزبيدي، كتاب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، الباب الثاني في أركان الأمر بالمعروف وشروطه: ٢٧/٨، ١٠٨، دار الكتب العلمية، بيروت.

الجواب: حامداً ومصلیاً

تبلیغی جماعت میں جانا تو فرض عین نہیں،(1) البتہ دین سیکھنا فرض عین ہے(2)،خواہ مدرسہ میں داخل ہوکر ہو یا خارج مدرسہ پڑھ کر ہو،خواہ اہل علم اور اہل دین کی خدمت میں جا کر ہو،خواہ تبلیغی جماعت کے ساتھ ہو۔فقط۔واللہ اعلم۔

کیا تبلیغ میں نکلنا فرض ہے؟

السوال:

تبلیغی جماعت والے جو یہ کہتے ہیں کہ گھر بار،بچوں کو چھوڑ کر تبلیغی جماعت کے ساتھ چلو اور اس تبلیغی کام کو ہر خاص وعام کے لیے فرض بتلایا ہے،آیا ان کا کہنا

---

(1) مروجہ تبلیغ من جملہ امر بالمعروف میں سے ہے اور اس کا فرض کفایہ ہونا متفق علیہ ہے:

قال العلامة الآلوسی تحت هذه الآیة: ﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير......﴾. (آل عمران: ١٠٤): "إن العلماء اتفقوا على أن الأمر بالمعروف، والنهي عن المنكر من فروض الكفايات". (روح المعانی: ٢١/٤، دار إحياء التراث العربی، بيروت)

(وكذا فی المرقاة شرح مشكوة المصابيح، كتاب الأدب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ٨٦٠/٨، رشيديه)

(2) "واعلم أن تعلم العلم يكون فرض عين، وهو بقدر ما يحتاج إليه، وفرض كفاية وهو ما زاد عليه لنفع غير". (الدر المختار)

وفی رد المحتار: "قال العلامة فی فصوله: من فرائض الإسلام تعلم ما يحتاج إليه العبد فی إقامة دينه، وإخلاص عمله لله تعالى، ومعاشرة عباده، وفرض على كل مكلف ومكلفة، بعد تعلمه علم الدين والهداية تعلم علم الوضوء والغسل والصلوة والصوم......، وفی تبيين المحارم: لاشك فی فرضية علم الفرائض والخمس وعلم الإخلاص".

(المقدمة: ٤٢/١، سعيد)

درست ہے یا نہیں؟ یہ تبلیغ والے میلا دمروجہ اور قیام وسلام بھی کرلیا کرتے ہیں اور کہتے ہیں اس سے جوڑ پیدا ہوتا ہے اور جوڑ بہت ضروری ہے، ایسا کہنا اور کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً

عقائد (1) اخلاق ، اعمال کی اصلاح ضروری ہے، خواہ تبلیغی جماعت کی صورت سے ہو یا کسی دوسری صورت سے (2)، تبلیغی جماعت میں یہ چیز سہولت سے حاصل ہوسکتی ہے، بشرطیکہ جماعت خود غلط طریقہ اختیار نہ کرے، جوڑ پیدا کرنے کے لیے غلط کام کرنا یا غلط کام میں شرکت کرنا خود غلط ہے (3)۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

---

(1) "الذی صرح به أيمتنا أنه يجب على كل أحدٍ وجوباً عينا أن يعرف صحيح الاعتقاد من فاسده". (الفتاوى الحديثية، باب في أصول الدين، مطلب يتعين على ولاة الأمور منع من يشتهر: ٢٧٥، قديمي)

(2) جیسے کہ تصوف کو اصلاح اعمال واخلاق میں بڑا دخل ہے:

"تزكية الأخلاق من أهم الأمور عند القوم، ومن أمعن النظر في الكتاب والسنة عرف موضع الأخلاق من الدين كموضع الأساس من البناء، ولا يتيسر ذلك إلا بالمجاهدة على يد شيخ كامل؛ قد جاهد نفسه وخالفه هواه، وتخلى عن الأخلاق الذميمة، وتحلى بالأخلاق الحميدة". (إعلاء السنن، كتاب الأدب والتصوف والإحسان، باب الترهيب عن مساوى الأخلاق: ١٨/٤٤٢، ٤٤٣، ادارة القرآن)

اسی طرح عقائد کی اصلاح کا ذریعہ علم بھی ہے: "وأما قوة العلم، فحسنها وصلاحها في أن تصير بحيث يسهل بها دون الفرق بين الصدق والكذب في الأقوال، وبين الحق والباطل في الاعتقادات، وبين الجميل والقبيح في الأفعال". (إعلاء السنن: ١٨/٤٤٦)

(3) "عن أبي موسى رضي الله عنه قال: قال ﷺ: "مثل الجليس الصالح والسوء كحامل المسك ونافخ الكير (إلى أن قال:) ونافخ الكير إما أن يحرق ثيابك، وإما أن تجد منه ريحا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تبلیغ کرنا

السوال:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین نے تبلیغ کا یہ طریقہ اختیار کیا یا نہیں؟ اگر نہیں کیا تو اس قسم کی تبلیغ کو کیا کہیں گے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

ان حضرات نے بھی دین سیکھنے اور اس کو پھیلانے کا فریضہ انجام دیا ہے، وہ بڑے انہماک سے یہ کام کرتے تھے، جماعتیں بھی نکلتی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی انتظام فرمایا کرتے تھے۔ ازالۃ الخفاء اور حیاۃ الصحابہ (1) میں تفصیلات مذکور ہیں، فتح

= خبيثة". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الحب في الله ومن الله، الفصل الأول: ٤٢٦، قديمي)

قال الملا على القارى: "قيل: فيه إرشاد إلى الرغبة في صحبة الصلحاء والعلماء، ومجالستهم؛ فإنها تنفع في الدنيا والآخرة، وإلى الاجتناب عن صحبة الأشرار والفساق؛ فإنها تضر ديناً ودنيا، قيل: مصاحبة الأخيار تورث الخير، ومصاحبة الأشرار تورث الشر......، وقيل: إذا جالست الحمقىٰ علّق بك من حماقتهم ما لا يعلق بك من العقل، إذا جالست العقلاء؛ لأن الفساد إلى الناس وأشد اقتحاماً ما في الطبائع، والحاصل أن الصحبة تؤثر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الحب في الله، الفصل الأول: ٨/٧٤٢، رقم الحديث: ٥٠١٠، رشيديه)

(1) أخرجه ابن سعد عن حارثة المضرب، قال: قرأت كتاب عمر بن الخطاب رضي الله عنه إلى أهل كوفة: "أما بعد، فإني بعثت إليكم عماراً أميراً، وعبدالله معلماً ووزيراً، وهما من النجباء من أصحاب رسول الله ﷺ، فاسمعوا لهما، واقتدوا بهما،......".

وأخرج ابن سعد عن أبي الأسود الدؤلي، قال: قدمت البصرة، وبها عمران=

القدیر میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ڈیڑھ ہزار کی جماعت لے کر کوفہ تشریف لے گئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

تبلیغی گشت میں ناپاک اور مشتبہ کپڑے والوں کو نماز کے لیے کہنا

السوال:

ہم لوگ نماز کی تبلیغ کرتے ہیں اور جن کو کلمہ یاد نہیں ان کو کلمہ یاد کراتے ہیں، اور بعض اوقات ان کا مطلب بھی بتلاتے ہیں، اس پر چند امور معلوم کرنے ہیں۔

ہر نمبر کا جواب مختصر اور عام فہم عنایت ہو، اللہ تعالیٰ اجر عنایت فرمائے:

(۱)۔ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم کو کپڑے پاک ہونے میں شبہ ہے، یا کچھ معمولی ناپاک چھینٹ کپڑوں پر آ گئی ہیں۔ تو ایسے آدمیوں سے ہم کہہ دیتے ہیں کہ اس وقت انہیں کپڑوں میں نماز پڑھو، آئندہ احتیاط کرو۔

(۲)۔ بعض آدمی کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے کپڑے بالکل ناپاک ہیں۔ ان سے ہم یہ کہہ دیتے ہیں کہ اس وقت جماعت میں برابر مل کر کھڑے ہو جاؤ، آئندہ کپڑے پاک کرو اور نماز پڑھو۔

(۳)۔ جو نماز جماعت سے نہ پڑھے ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا

بن حصين وأبوالنجيد رضى الله تعالى عنهما، وكان عمربن الخطاب رضى الله تعالى عنه بعثه يفقه أهل البصرة"

(حيلة الصحابة للكاندهلوى: ۱۹۵/۳، الباب الثالث فى رغبة الصحابة فى العلم......، وإرسال عمر عمارا وابن مسعود رضى الله تعالى عنهم إلى الكوفة......". دار القلم، دمشق)

حکم فرمایا ہے؟

(۴)۔کوئی کہہ دیتا ہے کہ میں ناپاک ہوں، اس کو ہم غسل کرا دیتے ہیں۔

(۵)۔بے نمازیوں کی بعض اوقات ہم بہت خوشامد کرتے ہیں۔

(۶)۔بعض آدمی کہہ دیتے ہیں کہ ہم تم کو کلمہ نہیں سناتے۔اس پر ہم کہتے ہیں کہ تم ہمارا سنو اور ہم تمہارا سنیں، تا کہ ایمان تازہ ہو اور جو غلطی ہو وہ نکل جائے۔

(۷)۔اگر ہماری جماعت کا کوئی آدمی اتفاقیہ کسی بے نمازی پر کسی وقت سختی کرتا ہے اور زبان سے برا کہتا ہے تو ہم اپنے آدمی کو تنبیہ کرتے ہیں اور توبہ کراتے ہیں اور اگر وہ پھر بھی سختی کرتا ہے تو اس کو اپنی جماعت سے علیحدہ کر دیتے ہیں۔

(۸)۔بعض لوگ ہماری اس تبلیغ کی مخالفت کرتے ہیں تو آیا اس میں ہمارا قصور ہے یا مخالفین کا قصور ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

(۱،۲)۔محض شبہ سے کچھ نہیں ہوتا، البتہ اگر صحیح علم یا ظن غالب ہو تو پھر اس کی مقدار معلوم کی جائے، اگر نجاستِ غلیظہ ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ ایک درہم سے کم معاف ہے، اس کا دھونا افضل ہے، نہ دھونے سے نماز مکروہِ تحریمی ہے اور ایک درہم سے زائد کا دھونا فرض ہے(1) بغیر دھوئے نماز صحیح نہیں ہوتی اور پیشاب وغیرہ کی بہت چھوٹی چھوٹی روئی کے سرے کے برابر چھینٹیں معاف ہیں، بغیر دھوئے نماز درست

---

(1) "وعفا الشارع قدر درهم، وإن كره تحريماً، فيجب غسله، ومادونه تنزيهاً. فيسن، وفوقه مبطل فيفرض". (الدرالمختار) وفي الرد: "وفي المنتف ما نصّه: فالواجبة إذا كانت النجاسة أكثر من قدر الدرهم والنافلة إذا كانت مقدار الدرهم وما دونه". (كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۱/ ۳۱۶، ۳۱۷، سعيد)

ہے۔(1)

اور اگر نجاستِ خفیفہ ہو تو جب تک ایک چوتھائی کپڑے سے کم پر لگی ہو تو اس کا دھونا فرض نہیں، بغیر دھوئے ہوئے بھی نماز صحیح ہو جاتی ہے، تاہم دھو لینا بہتر ہے اور جب ایک چوتھائی پر یا اس سے زائد پر لگی ہو تو اس کا دھونا ضروری ہے۔(2) یہ تو نفسِ مسئلہ کا حکم ہے، لیکن آپ حضرات اگر لنگیوں کا انتظام کرلیں تو اچھا ہو، کیوں کہ زیادہ تر لوگ پائجامہ کی ناپاکی کا عذر کیا کرتے ہیں۔

(۳)۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ترکِ جماعت منافق کی علامت تھی،(3) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ ایسے لوگوں کے گھروں میں آگ لگا دوں۔(4)

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر اہلِ شہر ترکِ جماعت کے عادی ہو جائیں اور باوجود

---

(1) "ولا نـزح في بول فارة في الأصح......، وبتقاطر بول كرؤوس الإبر وغبار نجس للعفو عنهما". (الدر المختار، كتاب الطهارة، فصل في البئر: ۱/ ۲۲۰، سعيد)

(2) "وعفي دون ربع جميع بدن وثوب ولو كبيرا......، من نجاسة مخففة كبول مأكول". (الدر المختار، المصدر السابق: ۱/ ۳۲۲،۲۳۱)

(3) عن أبي الأحوص قال: قال عبدالله: لقد رأيتنا وما يتخلف عن الصلوة إلا منافق قد علم نفاقه". (الصحيح لمسلم، كتاب الصلوة، باب فضل صلوة الجماعة: ۱/ ۲۳۲)

(4) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "ليس صلوة أثقل على المنافقين من الفجر والعشاء، ولو يعلمون ما فيهما لأتوهما ولو حبواً، لقد هممت أن آمر مؤذناً، فيقيم، ثم آمر رجلا فيؤم الناس، ثم آخذ شعلاً من نار، فأحرق على من لا يخرج إلى الصلوة بعد".

(صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب فضل صلوة الجماعة: ۱/ ۲۳۲، قديمي)

کہنے سننے کے نہ مانیں تو حاکم وقت کو ان سے قتال کرنا چاہیے(1) اور جو شخص بلا عذر جماعت ترک کرے تعزیر اس پر واجب ہے۔(2)

(۴)۔ایسا ہی کرنا چاہیے۔

(۵)۔اس کا اثر اچھا ہوتا ہے، اول ایسا ہی چاہیے۔

(۶)۔کلمہ سے ایمان تازہ ہوتا ہے، ثواب ملتا ہے، الفاظ کا صحیح کرنا مطلب سمجھ کر دل سے صحیح یقین کرنا ضروری ہے۔

(۷)۔بے محل سختی کرنے کا نتیجہ خراب ہوتا ہے، اول نرمی سے سمجھانا چاہیے(3) اگر کوئی نہ مانے اور نماز کا یا اس کی فرضیت کا انکار کرنے لگے تو اس کو چھوڑ کر دوسرے کو تبلیغ کرنی چاہیے، البتہ اگر کسی پر اپنا اثر اور قدرت ہو اور اس پر سختی کرنے سے کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو پھر شریعت نے قابلِ برداشت سختی کا حکم بھی فرمایا ہے۔(4)

---

(1) "وصرح في المحيط بأنه: لا يرخص لأحد في تركها بغير عذر، حتى لو تركها أهل مصر يؤمرون بها، فإن ائتمروا، وإلا يحل مقاتلتهم". (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة: ۶۰۳/۱، رشيديه)

(2)"وفي القنية وغيرها: بأنه يجب التعزير على تاركها (الجماعة) بغير عذر".
(البحر، المصدر السابق)

(3) "وينبغي للآمر والناهي أن يرفق؛ ليكون أقرب إلى تحصيل المطلوب، فقد قال الإمام الشافعي: من وعظ أخاه سراً فقد نصحه، ومن وعظ علانية فقد فضحه وشانه". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸۶۳/۸، رشيديه)

(4) "قال الإمام الغزالي رحمه الله في الإحياء: "الركن الرابع: نفس الاحتساب، وله درجات وآداب، الدرجة الرابعة: السب والتعفيف بالقول الغليظ الخشن، وذلك يعدل إليه عند العجز عن المنع باللطف وظهور مبادي الإصرار والاستهزاء بالوعظ والنصح، ولسنا نعني بالسب والفحش بما فيه نسبة إلى الزنا ومقدماته ولا الكذب، بل أن يخاطبه =

تاہم زبان سے برا کہنے اور لڑنے سے اجتناب کیا جائے، کیوں کہ کام مقصود ہے لڑائی اور برا کہنا نہیں۔

(۸) ۔طریقِ مذکورہ بالا پر تبلیغ کرنا ہرگز اسلام کے مخالف نہیں، بلکہ مامور بہ ہے(1)،اس کی مخالفت کرنے والا یا ناواقف ہے یا مخالف ۔فقط۔واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ

نماز کے لیے زبردستی کرنا

السوال:

دورِ حاضر میں جب مسلمانوں نے فرائض مذہبی کو قطعی پسِ پشت ڈال رکھا ہے اور ان کو فرائضِ مذہبی کو انجام دینے کی تنبیہ کی جائے تو برا مانتے ہیں، اگر کسی محلہ میں سمجھوتہ ہو جائے اور اتفاق ہو جائے کہ جو شخص نماز روزہ ادا نہیں کرے گا، اس کو اوّل سمجھانے کی کوشش کی جائے، اس پر بھی نہ مانے تو زدوکوب کر کے ادا کرایا جائے اور زبردستی نماز پڑھائی جائے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ زبردستی نماز پڑھانے والوں پر شرعاً گناہ تو صادر نہیں ہوتا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

نماز فرضِ عین ہے، اس کا منکر کافر ہے اور تارک فاسق ہے،(2) یہی حکم روزہ

=بما فيه مما لا يعد من جملة الفحش، كقوله: يا فاسق، يا أحمق، يا جاهل، ألا تخاف الله، فإن كل فاسق فهو جاهل، ولولا حمقه لما عصى الله تعالىٰ". (الباب الثاني: ٢/ ٣٣٠، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(1) قال الله تعالىٰ: ﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير......﴾. (آل عمران: ١٠٤)

(2) "هي (الصلوة) فرض عين على كل مكلف بالإجماع......، ويكفر جاحدها؛ =

کا ہے(1) اور احکامِ شرعیہ کی تبلیغ بھی ضروری ہے، پس بے نمازی کو اوّلاً مسئلہ بتا کر نرمی سے سمجھانا ضروری ہے اگر وہ مان جائے اور نماز پڑھنے لگے تو اس پر سختی کی حاجت ہی نہیں اور جو شخص نہ مانے اور اس پر اپنا اثر اور قدرت بھی ہو تو حسبِ استطاعت شریعت نے اس پر سختی کا بھی حکم فرمایا ہے، بشرطیکہ کوئی فتنہ نہ ہو، اگر کوئی اور فتنہ مثلاً وہ نماز کی فرضیت کا انکار کردے اور اہلِ محلہ کو اتنی قدرت نہ ہو کہ زبردستی نماز پڑھا سکیں یا اس سختی کی بناپر وہ مقدمہ کرے اور اس میں ناقابلِ برداشت مضرت پہنچے، جس سے آئندہ تبلیغ کا سلسلہ ہی بند ہو جائے، یا اس کشاکش کو دیکھ کر دوسرے لوگ تبلیغ کرنا چھوڑ دیں اور آپس میں منافرت وکشیدگی پیدا ہو جائے کہ ایک دوسرے سے حسد کرے اور درپئے آزار ہو جائے تو پھر سختی نہیں کرنی چاہیے، نہایت نرمی اور خوش اخلاقی سے کام کرنا چاہیے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ولو كنت فظاً غليظ القلب لانفضوا من حولك﴾. (آل عمران: ۱۵۹) حدیث شریف میں آیا ہے کہ اولاد کو جب وہ دس برس کی ہو جائے اور نماز نہ پڑھے تو مار کر نماز پڑھنے کا حکم دو۔ حدیث میں آیا ہے کہ تم میں سے جب کوئی معصیت کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ ہاتھ سے روک دے، اگر ہاتھ سے روکنے کی قدرت نہ ہو تو زبان سے روک دے، اگر زبان سے بھی قدرت نہ ہو تو مجبوراً دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا سب سے کم درجہ ہے۔

قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم: "مروا أولادکم

=لثبوتها بدليل قطعي، وتاركها عمداً مجانةً: أي: تكاسلاً فاسقٌ"۔

(الدر المختار، كتاب الصلوة: ۱/۳۵۱، ۳۵۲، سعيد)

(1) "ولم يتكلم على فريضة رمضان لما أنها من الاعتقادات لا الفقه؛ لثبوتها بالقطعي المتأيد بالإجماع، ولهذا يحكم بكفر جاحده"۔ (البحر، كتاب الصوم: ۲/۴۵۲، رشيديه)

بالصلوة، وهم أبناء سبع سنين، واضربوهم عليها وهم أبناء عشر سنين، وفرقوا بينهم في المضاجع." رواه ابو داود .(كتاب الصلوة، باب متى يؤمر الغلام بالصلوة؟: ١/٧٧،امداديه ملتان)

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فان لم يستطع فلبسانه، فان لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الايمان." رواه مسلم.(كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان: ١/٥١، قديمي). فقط۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ

معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم ۱۵/۴/۵۷ھ

الجواب صحیح۔ سعید احمد غفرلہ

عبداللطیف مفتی مدرسہ ہذا

تبلیغ بھی دین سیکھنے کا ذریعہ ہے

السوال:

تبلیغی جماعت کے لوگ کہتے ہیں کہ مسلمانوں پر یہ ضروری ہے کہ اس کی ہر ایک بات کو مان کر عمل کرے، حالاں کہ ان میں وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو دینی تعلیم سے بہت ہی کم واقف ہوتے ہیں اور منبر پر کھڑے ہو کر بعض غیر ضروری امور چلہ وغیرہ پر زور دیتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ جب کہ غالباً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا واقعہ ہے کہ کوفہ کی جامع مسجد میں ایک عالم تقریر کر رہے تھے، ان سے جب دریافت کیا گیا کہ تم کو ناسخ اور منسوخ کا علم ہے؟ تو انھوں نے انکار کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کو مسجد

سے باہر کر دیا، تو یہ تبلیغی جماعت کے لوگ کس طرح وعظ کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں؟ ان سے جب یہ دریافت کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم خود سیکھنے آئے ہیں۔ کیا سیکھنے کے لیے دار العلوم ناکافی ہے؟ بہرصورت اس بارے میں تسلی بخش جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً

تبلیغی جماعت، جس کا مرکز نظام الدین دہلی ہے، اچھی اور صحیح العقیدہ جماعت ہے، اس جماعت میں جو معتمد اہل علم ہیں، ان کی تقریروں میں کوئی اشکال نہیں، جو غیر عالم ہیں ان کو ہدایت ہے کہ چھ نمبروں سے زائد کوئی بات بیان نہ کرے، یا تو چھ نمبروں کو بیان کریں، تاکہ پکے ہو جائیں، باقی کتاب پڑھ کر سنائے اور کتاب بھی قابل اعتماد تجویز ہے۔(1) اس کے علاوہ غیر اہل علم کو اجازت نہیں۔ چھ نمبروں میں کوئی بات قرآن پاک اور حدیث شریف کے خلاف نہیں ہے۔(2) ان کو بیان کرنے اور سننے میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ بلکہ نفع ہی نفع ہے۔ علم دین سیکھنے کا یہ ایک سادہ طریقہ ہے اور

---

(1) کتاب سے مراد بظاہر "فضائل اعمال" ہے۔

(2) النكات الستة التي هي من جملة أصول جماعة التبليغ ثابتةبنص القرآن الكريم والحديث المبارك:

أما النكتة الأولى: وهي: "لاإله إلا الله محمد رسول الله"، فهي أصل الإيمان، وعليها مدار الإسلام، قال تعالى: ﴿فاعلم أنه لاإله إلاالله، واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات﴾. (محمد:١٩)

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: "بني الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، وإقام الصلوة، وإيتاء الزكوة، والحج، وصوم رمضان". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب قول النبي ﷺ: بني الإسلام على خمس: ١/٦،

دار العلوم میں داخل ہو کر سیکھ لیا جائے، مگر یہ ظاہر ہے کہ کروڑوں مسلمان سب کے سب

=وأما أصحاب التبليغ فهم يتكلمون عن مقصودها، والمقصود بها توافق الحياة بالأحكام المنزلة توافقاً تاماً؛ لقوله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا ادخلوا في السلم كافة﴾.

ويتكلمون عن فضائلها، وهي كثيرة، منها ما قاله ﷺ: "من قال: لا إله إلا الله وحده لاشريك له، له الملك، وله الحمد، وهو على كل شيء قدير، في يوم مائة مرة، كان له عدل عشر رقاب، وكتب له مائة حسنة، ومحيت عنه مائة سيئة، وكان له حرزاً من الشيطان يومه ذلك حتىٰ يمسي، ولايأتي بأفضل مما جاء به رجل عمل أكثر منه".

(صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب الفضل التهليل: ٢/ ٩٤٧، قديمي)

وأما النكتة الثانية: وهي: "الصلوة" فهي من مباني الإسلام، وبها يقام الدين، قال الله تعالى: ﴿وأقيموا الصلوة وآتوا الزكوة واركعوا مع الركعين﴾. (البقرة:٤٣) وفيها أحاديث كثيرة، منها ما سبق في النكتة الأولى حديث البخاري، من كتاب الإيمان، باب قول النبي ﷺ: بني الإسلام على خمس: ١/ ٦، وفضائلها كثيرة، منها ما قاله النبي ﷺ: "الصلوة الخمس، والجمعة إلى الجمعة، ورمضان إلى رمضان، مكفرات لما بينهن إذا اجتنب الكبائر". رواه مسلم. (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، الفصل الأول: ٥٧، قديمي)

وأما النكتة الثالثة، فمشتملة على شقين: الأول: "العلم"، فهو أيضا من أهم أمور الدين؛ لأن به معرفة الأحكام، وهو مأمور به، ومرغوب فيه، قال تعالى: ﴿قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لايعلمون﴾. (الزمر:٩) وقال تعالى: ﴿إنما يخشى الله من عباده العلماء﴾. (الفاطر:٢٨)

قال النبي ﷺ: "من سلك طريقا يطلب فيه علما سلك الله به طريقا من طرق الجنة، وإن الملائكة لتضع أجنحتها رضىً لطالب العلم، وإن العالم يستغفر له من في السموات ومن في الأرض، والحيتان في جوف الماء، وإن فضل العالم على العابد كفضل القمر ليلة البدر على سائر الكواكب". الحديث. (مشكوة المصابيح، كتاب العلم، الفصل الثاني: ٣٣، ٣٤، قديمي)

والشق الثاني: "الذكر"، وله أيضا ثبوت وفضائل، أما الثبوت فقد قال الله تعالى: =

دارالعلوم میں نہ سیکھنے کے لیے آسکتے ہیں، نہ سما سکتے ہیں، نہ سب کے پاس وقت ہے، نہ سب کو شرعاً اس پر مجبور کیا جاسکتا ہے، نہ سب میں اس کی صلاحیت ہے، نہ مدرسہ سب کا صرفہ برداشت کرسکتا ہے، اس لیے جگہ جگہ مدارس ومکاتب بھی قائم کیے جاسکتے ہیں اور کتابیں بھی تصنیف کی جاتی ہیں، رسالے اور اخبار بھی شائع کیے جاتے ہیں، فتوی کا انتظام بھی کیا جاتا ہے، انجمنیں بھی بنائی جاتی ہیں، وعظ کا بھی انتظام کیا جاتا ہے، یہ سب ہی طریقے دین سیکھنے اور سکھانے کے ہیں، اسی طرح تبلیغی جماعت کا جو طریقہ ہے یہ بھی

=﴿يأيها الذين آمنوا اذكروا الله ذكرا كثيرا، وسبحوه بكرة وأصيلا﴾. (الأحزاب:٤١،٤٢)

وأما الفضائل فمنها ما تقدم في النكتة الأولى من صحيح البخاري، باب فضل التهليل من كتاب الدعوات، فليراجع.

وأما النكتة الرابعة: وهي: "إكرام المسلمين"، فثبوتها من الحديث وعن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما أن رسول الله ﷺ قال: "المسلم أخوالمسلم، لايظلمه، ولايسلمه، ومن كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته، ومن فرج عن مسلم كربات فرج الله عنه كربةً من كربات يوم القيامة، ومن ستر مسلما ستره الله يوم القيامة". متفق عليه.

(مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة، الفصل الأول:٤٢٢، قديمي)

وأما النكتة الخامسة: وهي: "الخلوص في العمل"، فهي مأمور به ومرغب فيه، قال الله تعالى: ﴿وما أمروا إلا ليعبدوا الله مخلصين له الدين حنفاء ويقيموا الصلوة ويؤتوا الزكوة، وذلك دين القيمة﴾.(البينة:٥)

أما النكتة السادسة: وهي "الدعوة إلى الله" فهي مأمور بها، أمر بها الله تعالى، فقال: ﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر وأولئك هم المفلحون﴾. (آل عمران:١٠٤)

وقال عليه الصلوة والسلام: "من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ٤٣٦، قديمي)

دین سیکھنے کا بہت مفید طریقہ ہے۔

جس شخص کو نماز، کلمہ، وضو کچھ نہیں آتا، وہ چالیس روز کے لیے جماعت کے ساتھ نکل جاتا ہے، تو اس مدت میں اچھا خاصہ سیکھ لیتا ہے اور پابند ہو جاتا ہے اور پھر آگے ترقی کرتا جاتا ہے، تجربہ اس کا شاہد ہے۔ جو شخص براہ راست قرآن پاک سے مسائل استنباط کر کے بیان کرے، اس کے لیے ناسخ ومنسوخ کا علم ہونا ضروری ہے اور بہت سی چیزوں کا علم ضروری ہے(1) اور جو ائمہ دین کے بیان فرمودہ منقح مسائل کو نقل کرے، اس کے لیے علم ناسخ ومنسوخ کا ماہر ہونا ضروری نہیں؛ اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کی بنا پر تبلیغی جماعت کو یا کسی اور کو وعظ وتقریر سے روکنا غلط و بے محل ہے، البتہ جو بات، خواہ روایت ہو یا مسئلہ ہو، غلط بیان کرے، اس پر ضرور تنبیہ کی جائے اور غلطی کو واضح کیا جائے، اس میں بھی شفقت اور اصلاح کا جذبہ پورا چاہیے، تحقیر وتذلیل کا ہرگز شائبہ نہ ہو، یہی معاملہ تبلیغی جماعت کے ساتھ کیا جائے، یہی دوسرے دینی خدمت کرنے والوں کے ساتھ کیا جائے، خواہ تقریر وعمل سے کی جائے یا تحریر وتصنیف سے یا افتاء وتدریس یا گشت واجتماع سے وغیرہ وغیرہ۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(1) قال العلامة الآلوسي في مقدمة تفسيره: "(الفائدة الثانية): فيما يحتاجه التفسير......، الأول: علم اللغة......، والثاني: معرفة الأحكام التي للكلم العربية من جهة إفرادها وتركيبها......، الثالث: علم المعاني والبيان والبديع......، الرابع: تعيين مبهم وتبيين مجمل، وسبب نزول، ونسخ، يؤخذ ذلك من علم الحديث......، الخامس: معرفة الإجمال والتبيين والعموم والخصوص......، إذ الطريق الرجوع في تفسير ألفاظه إلى أهل اللغة، وفي نحو الناسخ والمنسوخ إلى الأخبار في بيان المراد إلى صاحب الشرع". (روح المعاني: ۱/ ۵،۶، دار إحياء التراث العربي)

تبلیغ پہلے گھر میں، پھر باہر

السوال:

زید پنجگانہ نماز ادا کرتا ہے، گاہ بگاہ تبلیغی جماعت میں چلہ لگاتا ہے، مسجد کے امام، جو مستند عالم ہیں، اس سے کہتے ہیں، تمہارے لیے ضروری ہے کہ پہلے تبلیغ اپنی بستی وگھرانہ کی کرو، جب کہ گھرانہ میں بے نمازی ہوں اور بستی میں کس قدر بے نمازی ہیں؟ گھر گھر تبلیغ کرو، اس کے بعد باہر دوسری جگہ تبلیغ کے لیے جاؤ اور استدلال میں ﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾. (طٰہٰ: ۱۳۲) بیان کرتے ہیں، کیا صحیح ہے؟ اور کس کا قول انسب ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

اپنے گھر اور بستی کا حق دوسروں پر مقدم ہے (1) لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ گھر یا بستی والے جب تک پورے پابند نہ ہوجائیں، دوسروں تک پیغام نہ پہنچانا چاہیے، مثلاً کسی جگہ دینی مدرسہ جیسے دارالعلوم دیوبند ہی ہے...... کہ دیوبند کے ایک ایک آدمی کو عالم دین بنایا جائے، تب دوسری جگہ کے طالب علم کو داخلہ کی ترغیب دی جائے،

---

(1) عن المقدام بن معديكرب رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: "إن الله يوصيكم بأمهاتكم ثلاثاً، إن الله يوصيكم بآبائكم، إن الله يوصيكم بالأقرب، فالأقرب".

(سنن ابن ماجه، كتاب الأدب، باب بر الوالدين: ٢٦، قديمي)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تحت قوله تعالى: ﴿وأنذر عشيرتك الأقربين﴾. (الشورىٰ: ٢١٤): "وجه تخصيص عشيرته ﷺ الأقربين بالذكر مع عموم رسالته عليه الصلوة والسلام دفع توهم المحاباة، أن الاهتمام بشأنهم أهم، وأن البداءة تكون بمن يلي، ثم من بعده". (روح المعاني: ١٣٤/٩، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

نہ کسی بزرگ کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ اپنے گھر اور بستی والوں کی اصلاحِ تام کیے بغیر باہر کے آدمیوں کی بیعت نہ کی ہو، نہ کسی حافظ عالم نے باہر کے لڑکوں کو پڑھانے کے لیے اس کا اہتمام کیا، بلکہ بکثرت یہی دیکھا جاتا ہے کہ گھر اور بستی والے فیض حاصل نہیں کرتے، باہر والے کر لیتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف وغیرہ تشریف لے جانے سے پہلے کیا مکہ کے سب لوگوں کو مسلمان کر لیا تھا؟ یہ جواب اس وقت ہے جب کہ تبلیغ کا مقصد بھی یہی ہو، لیکن اگر تبلیغ کا مقصد محنت اور مجاہدہ کر کے اپنے دین کو پختہ کرنا ہو تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فقط۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ

تبلیغ و تعلیم

السوال:

(۱)۔ بعض فارغ مولوی موجودہ صورتِ تبلیغ میں شریک ہونے کو فرض کہتے ہیں، اس کی کوئی فقہی اصل تحریر فرمائیں۔

(۲)۔ مدرسہ اور خانقاہ سے موجودہ صورتِ تبلیغ افضل ومندوب ہے یا نہیں؟

(۳)۔ اہلِ علم حضرات کا تبلیغی کام میں لگنا زیادہ بہتر ہے یا تعلیم میں؟ دینی رجحانات پامال ہو چکے ہیں، مدارس جو چل رہے ہیں وہ ٹوٹ رہے ہیں، خانقاہیں ویران ہو رہی ہیں، دینی رجحانات اگر عام ہو جائیں تو سب زندہ ہو جائیں گے، اس اعتبار سے وقتی طور پر اہلِ علم حضرات کا تبلیغ میں لگ کر دینی رجحان پیدا کر کے ہزارہا مدارس وخانقاہوں کو آباد کر دینا زیادہ بہتر ہے یا تعلیم میں لگنا؟

المستفتی: محمد انصار

الجواب: حامداً ومصلیاً

عقائدِ حقہ، اخلاقِ فاضلہ، اعمالِ صالحہ کی تحصیل فرض ہے اور حسبِ حیثیت اس کی تبلیغ اور اشاعت بھی لازم ہے، مگر تحصیل وتبلیغ کی کوئی معین ومشخص صورت علی الاطلاق لازم نہیں کہ سب کو اس کا مکلف قرار دیا جائے، مدارس، خانقاہوں، انجمنوں، کتابوں، رسالوں، اخباروں، مواعظ، مذاکروں، تقاریر، مجالسِ تعلیمات، توجہات اور ان کے علاوہ بھی، جو جو صورتیں مفید ومعین ہوں، ان کو اختیار کیا جاسکتا ہے، جب تک ان میں کوئی قبح ومفسدہ نہ ہو، مختلف استعداد رکھنے والوں کے لیے کوئی خاص صورت اسہل وانفع ہو اس کا انکار بھی مکابرہ ہے اور اس خاص صورت کو ہر شخص کے لیے لازم قرار دینا بھی تضییق وتحجیر ہے، اگر کسی فرد یا جماعت کے لیے اسبابِ خاصہ کی بنا پر دیگر طرق مسدود ہوں اور کوئی ایک ہی طریقہ متعین ہو تو ظاہر ہے کہ اس صورت کو لازم کہا جائے گا اور تخییر میں تحجیر ہوگی، مثلاً کفارہ یمین میں اشیائے ثلاثہ تحریر رقبہ، اطعام عشرت مساکین او کسوتہم (لباس) میں تخییر ہے، لیکن اگر کسی پر ان میں سے دو کا راستہ مسدود ہو تو ایک کی تعیین خود بخود لازم ہو جائے گی اور جیسے اضحیہ میں اشیائے ثلاثہ شاۃ، بقر، ابل میں تخییر ہے، مگر دو کے مفقود ہونے سے ایک کی تعیین لازم ہوگی، "التقریر والتحبیر" میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

تبلیغی جماعت کا اصل مقصد دین کی طلب کا عام کرنا ہے، جس سے مدارس کو طلبہ بھی کثرت سے ملیں اور خانقاہوں کو ذاکرین بھی کثرت سے ملیں اور ہر مسلمان کے دل میں دین کی اہمیت پیدا ہو، اہلِ مدارس اور اہلِ علم حضرات کو حسبِ موقع تعاون کرنا چاہیے، اگر اس میں کوتاہی اور خلافِ اصول چیزیں دیکھیں تو خیر خواہی اور ہمدردی سے

ان کی تصحیح کریں، اصلاح فرمائیں اور جماعتوں کے ذمہ ضروری ہے کہ خانقاہوں اور مدارس کا پورا احترام کریں اور اپنی اصلاح کے لیے ان حضرات سے مشورہ لیں اور ان کی ہدایات کو دل و جان سے قبول کریں، ان کو ہرگز ہرگز یہ دعوت نہ دیں کہ یہ حضرات اپنے دینی مشغلہ کو ترک کردیں اور مدارس و خانقاہوں کو بند کر کے تبلیغ کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں، دینی مدارس کا قیام از حد ضروری ہے، ورنہ صحیح علماء پیدا ہونے بند ہو جائیں گے اور دین جاہلوں کے ہاتھ میں جا کر کھلونا بن جائے گا، خانقاہوں کا قیام بھی ضروری ہے، اس لیے کہ محض کتابیں پڑھنے سے عامۃً تزکیہ باطن نہیں ہوتا اور بغیر اخلاق رذیلہ کی اصلاح کے اخلاص پیدا نہیں ہوتا جو کہ روح ہے جمیع اعمالِ صالحہ کی، تمام اعمال بغیر اخلاص کے ایسے ہیں، جیسے بے جان ڈھانچہ، اخلاص اکابرِ اہل اللہ کی صحبت اور ہدایات پر عمل کرنے کی برکت سے حاصل ہوتا ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت مرفوع ہے: "لکل شيء معدن، ومعدن التقوى قلوب العارفين". (جمع الفوائد)

امید ہے کہ اس تحریر سے ہر سہ سوالات کے جوابات نکل آئیں گے۔ فقط۔

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ

دارالعلوم دیوبند ۳/۳/۸۸ھ

نماز کے بعد فوراً تبلیغ

السوال:

(۱)۔ ہماری مسجد میں بعد نماز فجر تبلیغی نصاب کی تعلیم ہوتی ہے، کیسا ہے؟ علیحدہ

گوشہ میں بیٹھ کر تلاوتِ کلام پاک، درود شریف، کلمہ طیبہ پڑھنا بہتر ہے یا کتاب سننا؟

(۲)۔ پڑھنے والے اتنی زور سے پڑھتے ہیں کہ نماز میں انتشار پیدا ہوتا ہے، اس ہیئت سے پڑھنا کیسا ہے؟

(۳)۔ تبلیغی جماعت نے ہفتہ میں ایک دن مقرر کر رکھا ہے اور وہ عشاء کی نماز کے فوراً بعد اعلان کرتے ہیں، جس کو سنن ونوافل پڑھنے ہیں وہ علیحدہ گوشہ میں پڑھ لیں اور فوراً اپنی تقریر شروع کر دیتے ہیں۔ فقط۔

الجواب: حامداً ومصلیاً

(۱)۔ قرآن پاک کی تلاوت، درود شریف، کلمہ طیبہ کی فضیلت تو اس قدر عام ہے کہ اس میں کلام کرنے کی گنجائش نہیں، لیکن ان چیزوں کے لیے دوسرا وقت نکالا جا سکتا ہے، اگر کوئی حافظ ہے تو وہ گوشہ میں بیٹھنے کا محتاج ہی نہیں، درود شریف، کلمہ بہر حال ہر شخص چلتے پھرتے بھی پڑھ سکتا ہے، اس لیے اگر اس معین وقت میں کتاب سنے، جس سے دینی معلومات میں اضافہ ہو اور نامِ مبارک سنتے وقت درود شریف بھی پڑھتا رہے اور دوسرے وقت مسجد میں یا مکان میں دوسری چیز بھی پڑھ سکتا ہے تو دونوں کا فائدہ مستقل ہوگا۔

(۲)۔ قاری کو اس کی رعایت کرنی چاہیے کہ کسی کی نماز میں اس کی قراءت

---

(1) "وأجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب ذكر الله تعالىٰ جماعةً في المسجد......، إلا أن يشوّش جهرهم بالذكر على نائم أو مصلٍ......". وفي الحلبي: "الأفضل الجهر بالقراءة إن لم يكن عند قوم مشغولين ما لم يخالطه رياء".

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في صفة الأذكار الواردة من باب الأمانة: ۳۱۸، قديمي)

سے تشویش نہ ہو(1)، اگر سب مجمع ایک جگہ کتاب سننے یا سنانے میں مشغول ہو اور کوئی ایک دو نمازی اپنی نماز پڑھنا چاہیں تو اس کو خود ہی خیال کرنا چاہیے کہ وہ اس مجمع سے الگ دور پڑھے، بہرحال طرفین اگر ایک دوسرے کی رعایت کریں تو نزاع پیدا نہ ہو۔

(۳)۔ جماعت کو چاہیے کہ لوگوں کو سنن پڑھنے کا موقع دے، سنن پڑھنے سے ہرگز نہ روکے، ہاں نوافل میں توسع ہے، تاہم تبلیغی جماعت کو حاکمانہ لہجہ اختیار نہیں کرنا چاہیے، جس سے دوسروں کے اعمالِ صالحہ کی تحقیر ہو اور بددلی پیدا ہو کہ سخت مذموم ہے اور طریقہ تبلیغ کے بھی خلاف ہے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ

دار العلوم ۲۶/۷/۸۸ھ

الجواب صحیح۔ بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ

تبلیغ کا طریقہ

السوال:

تبلیغ کا صحیح طریق کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

جو لوگ براہِ راست تبلیغ کا طریقہ نہیں جانتے ہیں ان کے لیے بہتر صورت یہ ہے کہ دہلی نظام الدین میں تبلیغ کا مرکز ہے، وہاں چلے جائیں اور وہاں کی ہدایت کے موافق کام میں لگ جائیں۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ

دار العلوم دیوبند ۱۴/۱۲/۸۸ھ

تبلیغ کا ثواب

السوال:

کہا جاتا ہے کہ تبلیغ میں نکل کر عمل کرنے سے ایک کو ساٹھ لاکھ نیکیاں ملیں گی اور ایک ساعت تبلیغ میں نکلنا ستر سال گھر بیٹھے عبادت کرنے سے بھی افضل ہے اور ان کی دُعائیں پیغمبروں کی دُعائیں جیسی قبول ہوتی ہیں اور ایک روپیہ اس راہ میں خرچ کرنے سے سات لاکھ روپیہ اس راہ میں خرچ کرنے کی مقدار ثواب ملتا، آیا یہ مفہوم بعینہٖ حدیث سے ثابت ہے اور بات کہاں تک صحیح ہے؟ اگر حدیث میں ہے تو کیا وہ حدیث صحیح بھی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

خروج فی سبیل اللہ میں ہر نیکی سات لاکھ نیکی کا درجہ رکھتی ہے، یہ حدیث شریف الترغیب والترھیب میں حافظ عبدالعظیم منذری نے بیان کی ہے اور اس کو معتبر ومعتمد قرار دیا ہے، (1) خروج فی سبیل اللہ سے عامۃً یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے قتال فی سبیل اللہ مراد ہے لیکن یہ لفظ خروج فی سبیل اللہ بہت عام ہے، دین کی ہر جدوجہد کے لیے نکلنا خروج فی سبیل اللہ ہے، مثلاً علمِ دین سیکھنے کے لیے، وعظ کہنے کے لیے، اصلاح

---

(1) عن الحسين بن علي بن أبي طالب، وأبي الدرداء، وأبي هريرة، وأبي أمامة الباهلي، وعبدالله بن عمر، وجابر بن عبدالله، وعمران بن حصين - رضي الله عنهم أجمعين - كلهم يحدث عن رسول الله ﷺ أنه قال: "من أرسل نفقة في سبيل الله، وأقام في بيته، فله بكل درهم سبع مائة درهم، ومن غزا بنفسه في سبيل الله، وأنفق في وجهه ذلك، فله بكل درهم سبع مائة ألف درهم، ثم تلا هذه الآية: ﴿والله يضاعف لمن يشاء﴾. (الترغيب والترهيب للمنذري، الترغيب في النفقة في سبيل الله: ٢/٢٥٣، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

نفس کی خاطر کسی بزرگ کی خدمت میں جانے کے لیے، تبلیغ کے واسطے جماعت بنا کر نکلنے کے لیے، کہیں فساد ہو گیا ہو تو مظلوموں کی امداد کے لیے، اہلِ باطل کے فتنہ سے مسلمانوں کی حفاظت کی خاطر مناظرہ کرنے کے لیے، یہ سب خروج فی سبیل اللہ ہے۔ حتیٰ کہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں جمعہ کے واسطے جانے کو بھی خروج فی سبیل اللہ تجویز فرمایا ہے، جیسا کہ ج:۱ص:۱۲۴ میں ہے(1) اپنے گھر بیٹھ کر دُعاء و عبادت کرنے اور خدا کی راہ میں نکل کر دُعا اور عبادت کرنے میں بھی بڑا فرق ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا مقصود اسی دینِ حق کی تبلیغ و اشاعت ہے، لہٰذا جس کی زندگی اس راہ سے زیادہ قریب ہوگی اس کو اسی قدر انبیاء سے دُعا و عبادت میں زیادہ قرب ہوگا۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ

۸۹/۵/۲۴ھ

تبلیغ میں ہر نماز کا ثواب سات لاکھ

السوال:

موجودہ تبلیغی جماعت میں بارہا سنا گیا ہے کہ اس جماعت میں نکلنے سے جو عمل کیا جاتا ہے، وہ سات لاکھ گنا زیادہ ہوتا ہے، یعنی ایک عمل گھر پر کیا گیا، مثلاً ایک نماز گھر

---

(1) قال الحافظ ابن حجر: "(أي ابن بطال) المراد في سبيل الله جميع طاعاته......، وقد أورده المصنف في فضل المشي إلى الجمعة استعمالاً للفظ في عمومه، ولفظه هناك: "حرمه الله على النار"، وقال ابن منير: مطابقة الآية من جهة أن الله أثابهم بخطواتهم، وإن لم يباشروا قتالاً". (فتح الباري، كتاب الجهاد، باب من اغبرت قدماه في سبيل الله: ٣٦/٦، ٣٧، قديمي)

پر ادا کی گئی تو ایک ہی نماز کا اجر کا استحقاق ہے اور اگر وہی نماز تبلیغی جماعت میں نکل کر ادا کی جائے تو سات لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے، یہ کہاں تک درست ہے اور اس کی کیا اصل ہے؟ اور جو فضائل احادیث شریف میں مجاہدین کے سلسلہ میں وارد ہیں کیا تبلیغی جماعت میں کام کرنے والوں کو وہ فضائل حاصل ہوں گے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

تبلیغ بھی ایک قسم کا جہاد ہے اور جہاد کے متعلق یہ بات ثابت ہے کہ کوئی شخص اس راہ میں نکل کر ایک روپیہ صرف کرے گا تو اس کو سات لاکھ روپے کا ثواب ملے گا، بلکہ ہر نیکی کا ثواب اسی طرح ہے اور خدا کی راہ میں جو جان دے گا اس کا ثواب الگ مستقل ہے۔

وعن علي وابي الدرداء وابي هريرة وابي أمامة وعن عبدالله بن عمر وعبد الله بن عمرو وجابر بن عبدالله وعمران بن حصين رضي الله عنهم اجمعين كلهم يحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "من أرسل نفقة في سبيل الله، وأقام في بيته، فله بكل درهم سبع مائة درهم، ومن غزا بنفسه في سبيل الله، وأنفق في وجهه ذلك، فله بكل درهم سبع مائة الف درهم، ثم تلا هذه الآية: ﴿والله يضاعف لمن يشاء﴾." (مشكوة المصابيح، كتاب الجهاد، الفصل الثالث: ٣٣٥ قديمی)۔

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ

دارالعلوم دیوبند ۸۸/۵/۲۲ھ

تبلیغ میں ایک نیکی کا ثواب سات لاکھ

السوال :

(۱)۔ تبلیغی جماعت والوں کا کہنا ہے کہ اگر عید کی نماز اپنے گاؤں اور بستی سے باہر جماعت کے ساتھ کسی دوسری جگہ عید گاہ میں پڑھیں تو اس کا ثواب سات لاکھ عید کا ملے گا، کیا واقعی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو مجھے حوالہ کتب تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً

"الترغیب والترھیب" میں حافظ عبدالعظیم منذری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث نقل کی ہے کہ راہِ خدا میں نکل کر ایک حسنہ کا ثواب سات لاکھ ہو جاتا ہے، جب آدمی خدا کے راستے میں نکلتا ہے تو جتنا بھی اللہ تعالیٰ ثواب دیں اس کے خزانہ میں کمی تو نہیں آئے گی۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ

دارالعلوم دیوبند

تبلیغ میں ایک قدم پر سات لاکھ کا ثواب

السوال:

تبلیغی لوگ فرماتے ہیں کہ ہماری جماعت کے ساتھ چل کر مسلمانوں کو نماز کی دعوت دینے سے اللہ پاک ایک قدم پر سات لاکھ نیکیاں لکھ دیتا ہے، یہ بات قرآن پاک وحدیث پاک سے کہیں ثابت ہو تو ہمیں ضرور مطلع فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً

اس مضمون کی حدیث ''الترغیب والترھیب''میں حافظ عبد العظیم بن (عبد القوی) المنذری رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کی ہے(1)۔

تبلیغی جماعت میں دین سیکھنا

السوال:

اگر کسی شخص کو نمازِ جنازہ بھی پڑھنا نہ آتی ہو اور قرآن پاک کی کسی آیت کا مطلب بھی نہیں سمجھتا ہو تو کیا ایسا شخص بھی تبلیغی کام کرسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

تبلیغی کام اور جماعت کا مقصود دین سیکھنا اور سکھانا ہے؟ بہت بڑی تعداد مسلمانوں کی ایسی ہے جو دین سے بالکل ناواقف تھی، تبلیغی جماعت کے ساتھ ایک دو چلّے کے لیے نکلے، وہاں وضو، غسل، نماز، قرآن پاک، نماز جنازہ بہت کچھ انہوں نے سیکھا، مکان پر رہتے تو اپنے دھندوں میں لگے رہنے کی وجہ سے برسوں، بلکہ شاید عمر بھی اس کی نوبت نہ آتی، بعضوں کو بہت سی حدیثیں یاد ہوگئیں کہ اہلِ علم کی طرح دین کی معلومات کو بہت سلجھا کر تقریر کر لیتے ہیں، تبلیغی جماعت دین سیکھنے کے لیے مدرسہ کا کام بھی دیتی ہے، جن لوگوں کے پاس اتنا وقت نہ ہو کہ مدرسہ میں داخل ہو کر باقاعدہ پڑھیں، ان کے لیے تبلیغی جماعت میں رہ کر دین سیکھنا بہت آسان ہے۔فقط۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۲۴/۱/۸۸ھ

---

(1) قد سبق تخریجه الآن.

بغیر انتظام اہل وعیال تبلیغی چلہ میں نکلنا

السوال:

مجھ ناچیز کو ناگ پور ہونے والے اجتماع میں تبلیغی جماعت بمبئی کے حضرات دس روز کے لیے ناگ پور لے گئے، گزشتہ ماہ کی ۲۶، ۲۷، ۲۸ تاریخ کو وہاں اجتماع شروع ہوا اور ان تاریخوں میں تقریروں کے بعد مقرر صاحب یہ کہتے تھے کہ اس اجتماع کے بعد تین چلے یا کم از کم ایک چلہ کے لیے آپ لوگ ضرور نکلیں اور نام لکھوائیں، بہت مجبور کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بیوی بچوں کو چھوڑ دو، کاروبار بند کرو اور ضرور تبلیغ کے لیے نکلو اور چلو، اگر کوئی معذرت چاہے کہ اس کی ایسی مجبوریاں ہیں جن کی وجہ سے وہ نہیں آسکتا تو وہ بیان کرتے کہ بس تم سب چھوڑ دو، ضرور نکلو، سب اللہ پر چھوڑ دو، اب یہاں مجھے حقوق العباد کے بارے میں کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم سب چھوڑ دیں اور دوسروں کے ساتھ نکل جائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً

جو شخص بیوی بچوں کے لیے روزانہ کماتا ہے اور ان کے حقوق واجبہ ادا کرتا ہے تو وہ تبلیغی جماعت کے لیے اس وقت جائے جب نفقۂ واجبہ کے ادا کرنے کا انتظام کر دے، ان کو بھوکا روتا چھوڑ کر نہ جائے (1)، تبلیغی جماعت کے لوگ جس قدر بھی اصرار کریں، ان کے اصرار کی وجہ سے بغیر انتظام کیے ہرگز نہ جائے، نہ ان سے بحث کرے، بلکہ یہ کہہ دے کہ میں مقامی کام میں بھی حصہ لیتا ہوں، چلہ کے لیے نکلنے کا ارادہ رکھتا ہوں اور کوشش کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انتظام کر دے تو نکلوں گا اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ

---

(1) سيأتي تخريجه تحت عنوان: ''قرض لے کر، بچوں کو بھوکا چھوڑ کر تبلیغ میں جانا''۔

انتظام کر ہی دے گا، پھر نکلوں گا، آپ بھی دُعا کریں اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا رہے اور کوشش میں لگا رہے، چلّوں کا موقع نہ ہو تو تین روز یا ایک روز کے لیے انتظام کر کے نکل جایا کرے، اس کا بھی موقع نہ ہو تو ہفتہ میں جس جگہ کام ہوتا ہو وہاں شرکت کر لیا کرے، اس سے وہ لوگ بھی اصرار نہیں کریں گے اور کام سے بھی تعلق رہے گا، اس کا فائدہ بھی معلوم ہوگا اور بحث کرنے کا نتیجہ کچھ اچھا نہیں ہوتا، تبلیغی جماعت کے جو لوگ اس طرح مجبور کرتے ہیں وہ اچھا نہیں کرتے، ان کے متعلق مرکز نظام الدین دہلی میں اطلاع کرنی چاہیے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ

دارالعلوم دیوبند ۸۹/۷/۲۷ھ

تبلیغی جماعت کی تقریر کی حیثیت

السوال:

قرآن وحدیث کی روشنی میں بات کرنے کے لیے صرف تبلیغی جماعت والوں ہی کو حق ہے یا اور کسی کو بھی؟ مثلاً کوئی عالم حافظ یا اور کسی بھی مسلک کا جیسے حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی ان لوگوں کو قرآن وحدیث کی روشنی میں تبلیغی مرکز کے اندر وقتاً فوقتاً بیان کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح بعض تبلیغی جماعت والے یہ کہتے ہیں کہ یہاں مرکز میں اور کوئی بیان نہیں کر سکتا، تبلیغی جماعت کے علاوہ، اگر کوئی قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کرنا چاہتا ہے تو اسے روکنا کیسا ہے؟ روکنے والے کو گناہ ہوگا یا ثواب؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

تبلیغی جماعت میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی ہر مسلک کے آدمی کام کرتے

ہیں، کتاب بھی سناتے ہیں، گشت بھی کرتے ہیں، یہ تبلیغ کسی ایک مسلک کے لیے مخصوص نہیں ہے، جس کو بھی دین سیکھنا اور پھیلانا مقصود ہو وہ اس جماعت میں کام کرتا ہے۔

جس مقصد کے لیے کوئی اجتماع کیا جائے، اس میں اس مقصد کی بات کی جاتی ہے، دوسرا مقصد اگرچہ وہ درست اور شرعی مقصد ہو اس کو وہاں بیان کرنا مناسب نہیں، جس مثلاً ایک جگہ بخاری شریف کا درس ہو اور اس کے طلباء اور اساتذہ جمع ہوئے ہوں اور احادیث کا بیان ہو رہا ہو تو کوئی شخص وہاں آ کر قرآن شریف کی تفسیر بیان کرنا شروع کردے یا تبلیغی تقریر کرنے لگے تو اس کو روکا جائے گا، کہ یہاں اس وقت یہ مجمع بخاری شریف کے درس کے لیے جمع ہوا ہے آپ تفسیر یا تبلیغ دوسرے وقت کریں، اسی طرح اگر تبلیغ کے لیے مجمع ہے تو وہاں تبلیغ ہی کی بات کی جائے گی، کوئی اگر تفسیر یا بخاری کا درس دینے لگے تو اس سے کہا جائے گا کہ اس وقت یہ مجمع تبلیغ کی بات کے لیے جمع ہوا ہے، آپ اپنا کام دوسرے وقت کریں اور یہ بات نہایت نرمی اور شفقت سے کی جائے، جس سے کہ سمجھ میں آ جائے اور کوئی فتنہ بھی نہ ہو۔ اور یہ بات بالکل کھلی ہوئی ہے، سب جانتے ہیں کہ تبلیغی جماعت میں عام تقریر تجربہ کار علماء ہی کو کرنی چاہیے، جو ایسے نہ ہوں، ان کو چھ نمبر یا کوئی اور تبلیغی نصاب کی کتاب پڑھ کر سنانی چاہیے، وہ عام تقریر نہ کریں۔ فقط۔

واللہ اعلم۔

تبلیغی گشت والوں کے سامنے عذر بیان کرنا

السوال:

جیسا کہ آج کل تبلیغی جماعت اپنے کام تبلیغِ دین میں گاؤں در گاؤں لگی ہوئی

ہے اور سنتِ رسول ﷺ کو زندہ کررہی ہے، لیکن وہ حضرات اپنی تقریر کے بعد جماعت میں شامل ہونے کے لیے بہت زیادہ تشدد اختیار کرتے ہیں اور چلہ میں جانے کے لیے مجبور کرتی ہے اور مقامی جماعت گاؤں میں گشت کرتے وقت لوگوں کو اپنے پاس بلانے میں مجبور کرتے ہیں، اگر کوئی یہ عذر کرے کہ میں اس وقت کھانا کھارہاہوں یا بیماری کی وجہ سے دوا لگا کر آرام کررہاہوں اور اپنے یہ اعذار بیان کرنے پر کیا وہ آدمی جو حقیقت میں ان کاموں میں مشغول ہے گنہگار ہوگا؟ خلاصہ یہ ہے کہ دینی کاموں میں مجبور کرنے کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

جو شخص واقعی کسی قوی عذر کی وجہ سے شریک نہ ہوسکے وہ اللہ کے نزدیک مجرم اور گنہگار نہیں (1)، لیکن معمولی عذر کو بہانہ نہیں بنانا چاہیے، چوں کہ لوگوں کے ذہن میں آج کل دنیا کے کاموں کی عموماً جو اہمیت ہے اس کے مقابلہ میں دین کی اہمیت نہ ہونے کے برابر ہے، اسی لیے تبلیغی کام کرنے والے زیادہ زور دیتے ہیں اور بعض ناواقف جوشیلے مبلغ حدود کو پہچانتے بھی نہیں۔

تبلیغی پروگرام کی وجہ سے عشاء کو مؤخر کرنا

السوال:

مغرب کی نماز کے بعد وہ حضرات اپنی تقریروں کا پروگرام رکھتے ہیں اور عشاء

---

(1) "الضرورات تبیح المحظورات، والضرورات تتقدر بقدرها".

(قواعد الفقه: ۸۹، الصدف پبلیشرز)

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة أو خاصة". (قواعدالفقه: ۷۵)

کی نماز کو اپنے مقررہ وقت سے ۱۱ بجے تک مؤخر کرتے ہیں، اس میں وہ حضرات جو کہ ۱۱ بجے تک کا ٹائم نہیں دے سکتے، وہ بغیر عشاء کی جماعت میں شرکت کیے گھر واپس آجاتے ہیں، کیا تقریر کی وجہ سے عشاء کو مؤخر کرنا، یہاں تک کہ دوسرے لوگ جماعت کے ثواب سے محروم ہو جائیں، شرعاً جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

مسجد کی جماعت اپنے وقت پر کی جائے، اپنے تقریری پروگرام کی وجہ سے جماعت کو زیادہ مؤخر نہ کیا جائے، جس سے وہاں کے پابندِ جماعت نمازی بلا جماعت نماز پڑھیں (جماعت سے محروم رہ جائیں) یا کسی دوسری مسجد مین جائیں (۱)، ہاں! اگر وہاں کے سب ہی آدمی اس دینی کام کی قدر کرتے ہوں اور ایک دو آدمی شریک نہ ہوتے ہوں تو پھر ۱۱ بجے تک تاخیر کرنے میں بھی مضائقہ نہیں، ایک دو آدمی کو خود بھی ایثار سے کام لینا چاہیے، یعنی یہ سمجھیں کہ میری وجہ سے اس بڑے مجمع کے پروگرام میں تغیر ہونا مناسب نہیں، مخالفت کر کے یا شکوہ شکایت کر کے نہ اپنا وقار کھوئیں نہ اجر ضائع کریں،

---

(۱) چوں کہ نماز باجماعت کی اہمیت کے پیش نظر ترک جماعت پر احادیث شریفہ میں بہت سخت وعیدیں آئی ہیں، بنا بریں بعض فقہائے کرام رحمہم اللہ نے جماعت کو فرض عین قرار دیا ہے اور مذکورہ وجہ ان اعذار میں سے نہیں جن کی وجہ سے ترک جماعت جائز ہے؛ اس لیے بر بنائے احتیاط ترک جماعت کے لیے سب بھی نہیں بننا چاہیے، ایک دو آمیوں کی بات الگ ہے، جیسے کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله: "والذي نفسي بيده، لقد هممت أن آمر بحطب فيحطب، ثم آمر بالصلوة فيؤذن لها، ثم آمر رجلاً فيؤمّ الناس، ثم أخالف إلى رجال"، وفي رواية: "لايشهدون الصلوة، فأحرق عليهم بيوتهم".

(مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب الجماعة وفضلها، الفصل الأول: ۹۵، قديمي)

معمولی بات کی وجہ سے زیادہ اثر نہیں لینا چاہیے، تبلیغی جماعت کو بھی اکرامِ مسلم کے تحت کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جس سے مسلم کے وقار کو صدمہ پہنچے، اس سے کام میں دراڑ پڑتی ہے، جو دینی نقصان ہے۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ

بچوں کو بھوکا چھوڑ کر تبلیغ میں جانا، قرض لے کر تبلیغ میں جانا

السوال:

ہمارا علاقہ پہاڑی ہے، یہاں پر زیادہ تر جولائی کے مہینہ میں تبلیغی جماعتیں آتی ہیں، کیا یہ طریقِ تبلیغ درست ہے، جب کہ بہت سے تبلیغی حضرات کہتے ہیں کہ تم بچوں کے نفقہ کا فکر نہ کرو، اللہ مالک ہے، بس ہمارے ساتھ چلو اور بہت مجبور کرتے ہیں، حضرت والا اس سلسلہ میں وضاحت فرمادیں کہ قرضہ لے کر تبلیغ کریں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

دین سیکھنا فرض ہے، خواہ مدرسہ میں رہ کر، خواہ دینی کتابوں کا مطالعہ کر کے ہو، خواہ اہلِ دین کی صحبت میں رہ کر ہو، آج کل دین سے جس قدر غفلت و جہالت اور بے پرواہی ہے وہ ظاہر ہے محتاجِ بیان نہیں، اگر علاقہ ایسا ہے کہ نہ وہاں مدارس ہیں نہ اہلِ علم علماء ہیں، نہ دینی کتابوں کے دیکھنے کا شوق ہے، نہ قابلیت ہے، اس کے لیے تبلیغی کام کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ کچھ وقت نکال کر ہر قسم کے فکر سے خالی ہو کر دین سیکھنے کے لیے نکل جائیں، تجربہ سے ثابت ہے کہ اس سے بہت فائدہ ہوتا ہے، کتنے آدمی اس طرح نماز وغیرہ کے پابند ہو گئے، کتنوں نے بہت سے ضروری مسائل سیکھ لیے، ان جماعتوں کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے، لیکن بعض آدمی جوش میں آ کر واقعتاً حدود کی رعایت نہیں

کرتے، اس سے نقصان پہنچتا ہے، یہ ان کی غلطی ہے، ان کو تبلیغی علماء کے ذریعہ سے تنبیہ کرائی جائے اور ان کے اصرار کی وجہ سے ہرگز حقوقِ واجبہ کو ضائع نہ کیا جائے، بیوی بچوں کے نفقہ کا ادا کرنا ضروری ہے (1)، بلا نفقہ کے ان کو بھوکا چھوڑ کر ہرگز نہ جائیں، اگر اپنے پاس پیسہ نہ ہو تو ان کے کہنے کی وجہ سے قرض نہ لیں، اگر جلدی ادا کرنے کی صورت ہو پھر حسبِ حیثیت قرض لینے کی بھی گنجائش ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں باقاعدہ مدرس نہیں تھے، ایسی ہی لوگ دین سیکھا کرتے تھے۔ فقط۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ

دار العلوم دیوبند ۸۷/۸/۱۶ھ

الجواب صحیح۔ بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ

باپ کی مرضی کے بغیر جماعت میں جانا اور قرض لے کر جانا

السوال:

(۱)۔ زید نے تبلیغی جماعت میں جانے کے لیے چار ماہ لکھوا رکھے ہیں، زید کے باپ نے معلوم ہونے پر زید کو جماعت میں جانے سے منع کیا کہ میرے اوپر خرچ کا بار پڑے گا اور زید اپنے باپ کو ماہانہ دیتا ہے، جب وہ جماعت میں جائے گا تو وہ رقم باپ کو نہیں ملے گی، زید یہ کہتا ہے کہ میں نے وعدہ کرلیا ہے مجھے جھوٹا ہونا پڑے گا،

---

(1) "ونفقة الغير تجب على الغير بأسباب ثلاثة: زوجية، وقرابة، وملك......، فتجب للزوجة على زوجها؛ لأنها جزاء الاحتباس، وكل محبوس لمنفعة غيره يلزمه نفقته".

(الدر المختار، كتاب النكاح، باب النفقة: ۵۷۲/۳، سعيد)

"وتجب النفقة بأنواعها على الحر لطفله الفقير الحر". (المصدر السابق: ۶۱۲/۳)

دوسرے یہ بھی کہتا ہے کہ تبلیغی جماعت میں جانا چوں کہ فرضِ عین ہے، لہٰذا باپ کی مرضی کے بغیر جماعت میں جاسکتے ہیں؟

(۲)۔اگر باپ کے اوپر خرچ کا بار نہ پڑے، یعنی زید خرچہ دے دے اور باپ پھر بھی اجازت نہ دے تو کیا بلا اجازت جماعت میں جاسکتے ہیں؟

(۳)۔کیا باپ کو ناراض کر کے جماعت میں جاسکتے ہیں؟ اور قرض لے کر جماعت میں جاسکتے ہیں؟

(۴)۔تبلیغی جماعت میں جانا فرضِ عین ہے یا فرضِ کفایہ؟

(۵)۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ تعالی نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیا

(۱)۔تبلیغی جماعت میں جانا تو فرضِ عین نہیں، (1) البتہ دین سیکھنا فرضِ عین ہے۔(2) خواہ مدرسہ میں داخل ہو کر یا خارجِ مدرسہ پڑھ کر ہو خواہ اہلِ علم اور اہلِ دین کی خدمت میں جا کر ہو، خواہ تبلیغی جماعت کے ساتھ ہو، بلا وجہِ قوی کے وعدہ خلافی کرنا گناہ ہے (3)، جہاں تک ہو سکے وعدہ پورا کرنا چاہیے، جس وعدہ کے لیے وقت مقرر نہیں کیا اس کے پورا کرنے میں کچھ تاخیر ہو جائے تو یہ وعدہ خلافی اور جھوٹ نہیں۔

---

(1) تقدم تخریجه تحت عنوان: ''کیا تبلیغی جماعت میں جانا فرض ہے؟''

(2) تقدم تخریجه تحت عنوان: ''کیا تبلیغی جماعت میں جانا فرض ہے؟''

(3) "عن زید بن أرقم رضی الله عنه، عن النبی ﷺ قال: "إذا وعد الرجل أخاه، ومن نیته أن یفی له، فلم یف ولم یجیء للمیعاد، فلا إثم علیه". رواه أبوداود والترمذی".

(مشکوة المصابیح، کتاب الآداب، باب الوعد، الفصل الثانی: ۴۱٦، قدیمی)

(۲)۔اگر باپ بلا وجہ تبلیغی جماعت میں جانے سے روکے تو اس کی اطاعت لازم نہیں، جیسے کہ علمِ دین حاصل کرنے سے روکنے میں اس کی اطاعت لازم نہیں، اگر قرض ادا کرنے کا بھی انتظام ہو جائے تو جس طرح دیگر ضروریات کے لیے قرض لینے کی اجازت ہے اسی طرح تبلیغ میں جانے کے لیے بھی قرض لینے کی اجازت ہے۔

(۳)۔حقوقِ واجبہ کو تلف کر کے تبلیغ میں جانے کی اجازت نہیں، بیوی بچوں اور ماں باپ کا نفقہ اگر اس کے ذمہ لازم ہو تو اس کا انتظام کرنا واجب ہے، اس کو ترک کرے گا تو گنہگار ہوگا، اسی طرح اگر ماں باپ ضعیف یا بیمار ہوں یا جسمانی خدمت کے محتاج ہوں تو ان کی جسمانی خدمت بھی لازم ہے، اس کو ترک کر کے بھی تبلیغی جماعت میں جانے کی اجازت نہیں، اگر حقوقِ واجبہ کا بھی انتظام ہو اور جسمانی خدمت کی بھی ان کو حاجت نہ ہو تو پھر ان کو خود ہی منع کرنے کا حق نہیں، منع کرنے پر بھی اگر تبلیغی میں چلا گیا تو گنہگار نہیں ہوگا۔

(۴)۔اس کا جواب اوپر آچکا۔

(۵)۔ان حضرات نے بھی دین سیکھنے اور اس کو پھیلانے کا فریضہ انجام دیا ہے، وہ بڑے انہماک سے یہ کام کرتے تھے، جماعتیں بھی نکلتی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انتظام فرمایا کرتے تھے، ازالۃ الخفاء اور حیاۃ الصحابۃ میں تفصیلات مذکور ہیں، فتح القدیر میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ڈیڑھ ہزار کی جماعت لے کر کوفہ تشریف لے گئے۔فقط۔واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ

دارالعلوم دیوبند ۹۲/۱۰/۲۲ھ

کتابی تعلیم شروع ہونے کے بعد آنے والے نمازیوں کی پریشانی کا حل

السوال:

(۱)۔ تبلیغی جماعت کی کوشش سے ہماری مسجد میں بعد نمازِ عشاء تعلیم ہوتی ہے، ایک دو آدمی تو نمازیں لمبی پڑھتے ہیں اور کسی کی تو جماعت کام کی وجہ سے چھوٹ جاتی ہے، کچھ حضرات حقہ اور ریڈیو کی مجلس میں بیٹھ کر جماعت ترک دیتے ہیں، بعد میں آنے والے حضرات پریشان ہوتے ہیں، کتاب پڑھنے سے منع کرتے ہیں، ان کی رعایت ضروری ہے یا نہیں؟

(۲)۔ مسجد کی بغل میں ایک کمرہ ہے، جس میں بچے پڑھتے ہیں، دوسری منزل پر ہے، اگر بعد میں آنے والے حضرات وہاں اپنی نمازیں ادا کرلیں تو کچھ حرج تو نہیں؟

(۳)۔ بعد میں آنے والے حضرات تعلیم ہوتے وقت تعلیم میں شرکت فرما لیں اور بعد میں اپنی نماز پڑھ لیں، اس میں کچھ حرج تو نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

(۱)۔ جماعتی کام کرنے سے جماعتی فائدہ ہے، یعنی اس سے دینی معلومات حاصل ہوتی ہیں، ایک دو آدمی لمبی نماز پڑھتے ہیں، اس میں ان کا شخصی فائدہ ہے، اگر وہ ایثار کریں کہ شخصی فائدہ پر جماعتی فائدہ کو مقدم رکھیں تو یہ اعلیٰ مقام ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ فرض کے بعد سنت پڑھ کر وہ تعلیم میں شریک ہوجائیں، ان کو بھی تعلیم سے فائدہ

پہنچے گا، پھر تعلیم کے بعد اپنی لمبی لمبی نماز جب تک دل لگے پڑھتے رہیں۔

(۲)۔مسجد کے بغل میں جو کمرہ ہے وہاں بھی نماز پڑھ سکتے ہیں، جن حضرات کی جماعت چھوٹ جاتی ہے اور وہ بعد میں آتے ہیں تو ان کے لیے بھی دونوں صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اول تعلیم میں شرکت کرلیں، پھر اپنی نماز پڑھیں، دوسرے یہ کہ بغل والے کمرہ میں اپنی نماز پڑھ لیں، غرض معاملہ صلح اور سمجھوتہ سے کرلیا جائے، خلفشار پیدا نہ ہو، تکبیرِ اولی سے جماعت میں شرکت کا سب کو اہتمام کرنا چاہیے، اپنے کسی کام میں مشغول رہنا یا حقہ پیتے رہنا اور جماعت ترک کردینا بڑے نقصان کی بات ہے۔

(۲)۔وہاں ادا کرلیں، بلکہ وہاں جماعت کرنے کا موقع بھی مل جائے گا، لیکن مسجد کی جماعت ترک نہ کریں اور اس کی عادت نہ ڈالیں کہ بعد میں آکر جماعت بغل والے کمرہ میں کرلیں گے۔(1) فقط۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ

---

(1) "ویکره تکرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة لا في مسجد طريق".

(الدر المختار)

وفي رد المحتار: "ولنا، أنه عليه الصلوة والسلام كان إذا خرج، (إلى أن قال) فرجع إلى منزله، فجمع أهله وصلى، ولأن في الإطلاق هكذا (أي: تكرير الجماعة في المسجد مطلقاً) تقليل الجماعة معنى؛ فإنهم لايجتمعون إذا علموا أنهم لاتفوتهم، وقدمنا عن أبي يوسف أنه إذا لم تكن الجماعة على الهيئة الأولى، لاتكره، وإلا تكره، وهو الصحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة".

(باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد: ١/٥٥٢، ٥٥٣، سعيد)

نمازیوں کی فراغت سے پہلے جہراً کتاب پڑھنا

السوال:

جماعتیں مرکز وغیرہ سے آتی جاتی رہتی ہیں، اکثر و بیشتر یہ دیکھا گیا ہے کہ امیرِ جماعت وغیرہ رکوع وسجود قیام خلافِ سنت ادا کر کے، اس خیال سے کہ کہیں نمازی چلے نہ جائیں، فارغ ہو جاتے ہیں، نمازی ابھی سنن ونوافل وتر ہی پڑھ رہے ہیں اور امیرِ جماعت وغیرہ اپنی تقریر یا کتاب کا پڑھنا جہراً شروع کر دیتے ہیں، جس سے غریب نمازیوں کا باطمینانِ قلب نماز پڑھنا دشوار ہو جاتا ہے، آیاتِ قرآنیہ میں منازعت ہونے لگتی ہے، کیا یہ فعل اور طریقہ اصلاح عند الشرع جائز ہے نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

ان کو تاکید کی جائے کہ نماز سنت کے مطابق ادا کریں، نیز نمازیوں کی فراغت کا انتظار کریں، لیکن اگر سب کی فراغت کا انتظار کرنے تک نمازی چلے جائیں اور جو شخص سب سے اخیر میں فارغ ہو بس وہی رہ جائے تو پھر کام کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ اس لیے بہتر یہ ہے کہ فرض کے بعد سنتِ مؤکدہ تو سب باطمینان ادا کرلیں، پھر بیٹھ جائیں اور کتاب وتقریر کو سنیں، اس کے بعد وتر ونوافل پڑھ لیں، تا کہ سب کا کام ہو جائے اور کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ

دار العلوم دیوبند ۹۶/۴/۱۳ھ

امام کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا تبلیغ کرنا

السوال:

یہاں کی مسجد کا امام نیم ملّاں ہے، اگر کوئی شخص اس کے بغیر تبلیغ کرے گا تو امام صاحب کو ناگوار گذرتا ہے، حالاں کہ خود تبلیغ کرنے کا طریقہ نہیں رکھتا، کیا یہ طریقہ جو امام صاحب نے اختیار کر رکھا ہے، قرآن پاک وحدیث کی رو سے جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیا

جس میں تبلیغ کی اہلیت ہو، امام صاحب کو چاہیے کہ خود ہی اس کو تبلیغ کے لیے فرمادیں، وقت ضرورت ہرگز اس کو منع نہ کریں، ان کا منع کرنا غلط ہے۔(1) فقط۔ واللہ سبحانہ اعلم

والد کی مرضی کے بغیر جماعت میں جانا

السوال:

(۱)۔زید نے تبلیغی جماعت میں جانے کے لیے چار ماہ لکھوا رکھے ہیں، زید کے باپ نے معلوم ہونے پر زید کو جماعت میں جانے سے منع کیا کہ میرے اوپر خرچ کا بار پڑے گا اور زید کچھ رقم اپنے باپ کو ماہانہ دیتا ہے، جب وہ جماعت میں جائے گا تو وہ

(1) قال اللّٰہ تعالی: ﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر﴾. (آل عمران:۱۰٤)

وقال تعالی: ﴿كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر﴾. (آل عمران:۱۱۰)

وقال تعالی: ﴿لعن الذين كفروا من بني إسرائيل على لسان داود وعيسى ابن مريم، ذلك بما عصوا وكانوا يعتدون كانوا لايتناهون عن منكر فعلوه، لبئس ما كانوا يفعلون﴾. (المائدة:۷۸،۷۹)

رقم باپ کو نہیں ملے گی۔ زید یہ کہتا ہے کہ میں نے وعدہ کرلیا ہے، مجھے جھوٹا ہونا پڑے گا، دوسرے یہ بھی کہتا ہے کہ تبلیغی جماعت میں جانا چوں کہ فرض عین ہے، لہذا باپ کی مرضی کے بغیر جماعت میں جاسکتے ہیں؟

(۲)۔اگر باپ کے اوپر خرچ کا بار نہ پڑے، یعنی زید خرچہ دے اور باپ پھر بھی اجازت نہ دے تو کیا بلا اجازت جماعت میں جاسکتے ہیں؟

(۳)۔کیا باپ کو ناراض کر کے جماعت میں جاسکتے ہیں؟ اور قرض لے کر جماعت میں جاسکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

(۱)۔تبلیغی جماعت میں جانا تو فرض عین نہیں (1)، البتہ دین سیکھنا فرض عین ہے (2)، خواہ مدرسہ میں داخل ہو کر یا خارج مدرسہ پڑھ کر ہو، خواہ اہل علم اور اہل دین کی خدمت میں جا کر ہو، خواہ تبلیغی جماعت کے ساتھ ہو۔ بلا وجہ قوی کے وعدہ خلافی کرنا گناہ ہے (3)، جہاں تک ہو سکے وعدہ پورا کرنا چاہیے، جس وعدہ کے لیے وقت مقرر نہیں کیا اس کے پورا کرنے میں کچھ تاخیر ہو جائے تو یہ وعدہ خلافی اور جھوٹ نہیں۔

---

(1) تقدم تخريجه تحت عنوان: "کیا تبلیغی جماعت میں جانا فرض عین ہے؟"

(2) تقدم تخريجه تحت عنوان: "کیا تبلیغی جماعت میں جانا فرض عین ہے؟"

(3) "عن زيد بن أرقم رضى الله عنه، عن النبي ﷺ: "إذا وعد الرجل أخاه، ومن نيته أن يفي له، فلم يف ولم يجيء للميعاد، فلا إثم عليه". رواه ابو داود والترمذي".

(مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الوعد، الفصل الثاني: ٤١٦، قديمي)

قال القاري رحمه الله: "ومفهومه أن من وعد، وليس من نيته أن يفي، فليس الإثم سواء وفى به أو لم يف؛ فإنه من أخلاق المنافقين، ولا تعرض فيه لمن وعد، ونيته أن يفي ولم يف بغير عذر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، الفصل الثاني: ٨/ ٦١٥، رشيديه)

(۲)۔ اگر باپ بلا وجہ تبلیغی جماعت میں جانے سے روکے تو اس کی اطاعت لازم نہیں، جیسے کہ علم دین حاصل کرنے سے روکنے میں اس کی اطاعت لازم نہیں (1)۔ اگر قرض کے ادا کرنے کا بھی انتظام ہو جائے تو جس طرح دیگر ضروریات کے لیے قرض لینے کی اجازت ہے۔ اسی طرح تبلیغ میں جانے کے لیے بھی قرض لینے کی اجازت ہے۔

(۳)۔ حقوق واجبہ کو تلف کر کے تبلیغ میں جانے کی اجازت نہیں، بیوی بچوں اور ماں باپ کا نفقہ بھی اگر اس کے ذمہ ہو تو اس کا انتظام کرنا واجب ہے، اس کو ترک کر لے تو گنہگار ہوگا، اسی طرح اگر ماں باپ ضعیف یا بیمار ہوں یا جسمانی خدمت کے محتاج ہوں تو ان کی جسمانی خدمت بھی لازم ہے، اس کو ترک کر کے بھی تبلیغی جماعت میں جانے کی اجازت نہیں، اگر حقوق واجبہ کا بھی انتظام ہو اور جسمانی خدمت کی بھی حاجت نہ تو پھر ان کو خود ہی منع کرنے کا حق نہیں، منع کرنے پر بھی چلہ میں چلا گیا تو گنہگار نہیں ہوگا۔

بچوں کے خرچ کا انتظام کیے بغیر تبلیغ میں نکلنا

السوال:

ایک شخص تبلیغ میں رہتا ہے، گھر پر اس کے چھوٹے چھوٹے بچے کھانا وغیرہ سے پریشان رہتے ہیں، کیا اس کے لیے اس طریقہ کی تبلیغ جائز ہے؟

---

(1) "وله الخروج لطلب العلم الشرعي بلا إذن والديه لو ملتحيا". (الدر المختار)

وفي رد المحتار: "أي: إن لم يخف على والديه الضيعة إن كانا موسرين، ولم تكن نفقتهما عليه". وفي الخانية: "لو أراد الخروج إلى الحج، وكره ذلك. قالوا: إن استغنى الأب عن خدمته فلا بأس، وإلا فلا يسعه الخروج؛ لأن مراعاة حقهما فرض عين، والجهاد فرض كفاية". (كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٦/٤٠٨، سعيد)

الجواب: حامداً ومصلیاً

بچوں کا خرچ نہ دینا جس سے وہ پریشان رہیں اور ان سے بے فکر ہو کر تبلیغ میں نکل جانا جائز نہیں، اس کو لازم ہے کہ بچوں کے خرچ کا انتظام پہلے کر لے، پھر اگر موقع ملے تب تبلیغ میں جائے۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

مرتکب منہیات کا تبلیغ کرنا

السوال:

زید ڈاڑھی رکھتا ہے، نہ سر کے انگریزی بال کٹواتا ہے، نماز بھی نہیں پڑھتا، لیکن کبھی کبھی نماز پڑھ لیتا ہے اور قوم کو تبلیغ بھی کرتا ہے، لیکن پھر وہی حال ہو جاتا ہے کہ نماز نہیں پڑھتا، اس کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیا

تبلیغ کے اجر کا مستحق ہے۔(۱) ترک واجبات اور ارتکاب منہیات کی وجہ

---

(1) "قرأ القرآن، ولم يعمل بموجبه، يثاب على قراءته". وفي رد المحتار: (يثاب على قرأته) وإن كان يأثم بترك العمل، فالثواب من جهة، والإثم من أخرى".

(الدر مع الرد، فصل في البيع: ٣٩٧/٦، سعيد)

"قوله عليه السلام: "نضر الله امرأ سمع منا حديثا، فحفظه حتى يبلغه غيره". (الحديث) ("قوله: نضر الله امرأ......، قال التوربشتي: الحسن والرونق......، وقال الحافظ: ......معناه: ألبسه النضرة وخلوص اللون، يعني: جمّله الله وزيّنه، أو معناه: أوصله الله إلى نضرة الجنة وهي نعيمها......". (فيض القدير: ٦١٥٣/١٢، ٦١٥٤، رقم الحديث: ٩٢٦٤، نزار مصطفى الباز، مكة المكرمة، مرقاة المفاتيح، كتاب العلم: ٤٨٦/١، رقم: ٢٢٨، ٢٢٩)

سے گنہگار ہوگا،(1) اپنی حالت کو شریعت کے مطابق بنانا فرض ہے۔(2)

کتابی تعلیم میں مسبوق کا خیال رکھنا

السوال:

(۱)۔ ہمارے یہاں کی جامع مسجد میں روزانہ تبلیغی جماعت کے افراد صبح کی نماز کے بعد فوراً مصلے پر بیٹھ کر کتابی تعلیم کے نام پر احادیث شریف پڑھ کر سناتے ہیں، فرض نماز کی آخری رکعت میں شامل لوگوں، نمازیوں اور دیگر فرض نماز ادا کرنے والوں کا خیال تک نہیں کرتے اور ان کی تعلیم سے دوسروں کی نمازوں میں خلل واقع ہو رہا ہے، باوجود انہیں ٹوکنے کے وہ برابر اپنی ضد پوری کیے بغیر اس تعلیم کو ختم نہیں کرتے، کیا ان کا یہ فعل شرعاً درست ہے؟

(۲)۔ یہی تبلیغی حضرات دیگر مساجد میں بعد نماز عصر مصلے پر بیٹھ کر حدیث شریف پڑھتے ہیں اور اہل جماعت کو تاکیداً کہہ دیا گیا ہے کہ وہ ان کی آواز میں آواز ملا کر بلند آواز میں چلایا کریں، پوچھنے پر جواب ملتا ہے کہ وہ حدیث شریف سکھا رہے ہیں، ان کی اس آواز

---

(1)"والإثم فی اللغة: الذنب......، وفی الاصطلاح عند أهل السنة: استحقاق العقوبة".
(رد المحتار، کتاب الایمان، مطلب فی معنی الإثم: ۷۰۶/۳، سعید)

"وحکمه(أی الواجب): أنه یثاب بفعله، ویستحق بترکه عقوبة لولا العذر، حتی یفسق جاحده". (قواعد الفقه، حرف الواو، الواجب: ۴۳۹، الصدف پبلشرز) "الحظر: ما یثاب بترکه، ویعاقب علی فعله، فی المغرب: "الحظر: المنع......". (قواعد الفقه، حرف الحاء، الحظر: ۲۶۲)

(2) "بل الواجب متابعة الرسول ﷺ ظاهرا وباطنا". (تهذیب شرح العقیدة الطحاویة، تحت قول الماتن: "ولا نصدق من یدعی شیئا یخالف الکتاب والسنة": ۴۲۶، مکتبة الغرباء، الجامعة الستاریة، کراچی)

سے نمازوں میں خلل ہوتا جا رہا ہے، یہ حرکات بدعات ہیں، فتنہ ہیں، یا مستحب ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

تکبیر اولیٰ کے ساتھ جماعت میں شرکت کا اہتمام شرعاً مطلوب ہے، اس کی پابندی کی جائے (1)، جماعت سے کچھ دیر پہلے آیا کریں، تا کہ کوئی رکعت فوت نہ ہو، اگر اتفاق سے کوئی شخص کچھ دیر میں آیا اور اس کی رکعت رہ گئی، جو کہ وہ سلام امام کے بعد پوری کرے گا، تبلیغ والوں کو چاہیے کہ وہ اس کا لحاظ رکھیں کہ اس کی رہی ہوئی نماز میں خلل نہ آئے، اس کو تشویش لاحق نہ ہو، اگر کسی کی پوری نماز رہ گئی وہ علیحدہ فاصلہ پر اپنی نماز ادا کر لے۔

غرض! طرفین ایک دوسرے کا خیال رکھیں، ان شاء اللہ تعالیٰ اس میں خیر وبرکت ہے، تبلیغ کا کام بھی بہت اہم ہے اور نماز میں خلل سے بچانا بھی بہت اہم ہے۔ اہل علم حضرات حدود کو پہچانتے ہیں، کوئی حرکت دوسرے کو اذیت پہنچانے کے لیے نہیں کی جاتی، نہ نمازی قصداً رکعت چھوڑتا ہے، تا کہ بعد میں پوری کرے اور تبلیغ والوں سے لڑے، نہ تبلیغ والے اس لیے تبلیغ کرتے ہیں کہ کسی کی نماز خراب کریں، سوئے ظن سے سب کو احتراز لازم ہے۔ (2) فقط واللہ اعلم۔

---

(1) عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "من صلى لله أربعين يوماً في جماعة يدرك التكبيرة الأولى كتب له براءتان: براءة من النار، وبراءة من النفاق".

(جامع الترمذي، كتاب الصلوة، باب في فضل التكبيرة الأولى: ١/٥٦، سعيد)

(2) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيرا من الظن إن بعض الظن إثم﴾.

(الحجرات:١٢)

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: "إياكم والظن؛ فإن الظن أكذب الحديث، ولا تجسّسوا، ولا تناجشوا، ولا تحاسدوا، و لا تباغضوا، ولا تدابروا، =

جماعت سے پہلے حدیث کی کتاب سنانا

السوال:

ہم طلبہ کی جماعت نے یہ طے کیا ہے کہ مسلمانوں کو مذہبی معمولات سکھانے کے لیے قبل نماز فجر (رمضان المبارک میں) فجر کی اذان کے بعد ہے اور جماعت کھڑی ہونے سے ۱۰ منٹ پہلے تک حدیث کی کوئی کتاب پڑھ کر سنائی جائے، ہم طلبہ کے لیے وقت کی کمی ہے، ہم نے نماز فجر سے پہلے اور اذان کے بعد اس لیے رکھا ہے، تاکہ زیادہ لوگ شرکت کر سکیں۔ کیا یہ وقت تبلیغ کے لیے مناسب ہے؟

الجواب: حامدا ومصلیاً

آپ کا پروگرام مناسب اور بابرکت ہے،(۱) اللہ مزید اخلاص واستقامت

=وكونوا عباد الله إخوان". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب قوله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا اجتنبوا......﴾: ۸۹٦/۲، قديمي، وسنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في الظن، ۳۲٥/۲، امدادية)

قال القاري: "قال بعض المحققين: أي لاتشغلوا بأسباب العداوة؛ إذ العداوة والمحبة مما لا اختيار فيه؛ فإن البغض من نفار النفس عما يرغب عنه، وأوله الكراهة، وأوسطه النفرة، وآخره العداوة، كما أن الحب من انجذاب النفس إلى ما يرغب فيه، ومبدؤه الميل، ثم الإرادة، ثم المودة، وهما من غزائر الطبع، والله تعالى أعلم".

(مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع، الفصل الأول: ۷٦۱/۸، رقم: ۵۰۲۸، رشيديه)۔

(۱) لقوله ﷺ: "الدال على الخير كفاعله".

(كنز العمال: ۳۵۹/٦، رقم الحديث: ۱٦۰۵۲، منشورات مكتبة التراث الإسلامي، وكذا في الأدب المفرد، باب الدال على الخير: ۱۲۷/۱، مكتبة المعارف، الرياض)

عطا فرمائے۔ آمین۔ فقط

حررہ العبد محمود غفرلہ

دارالعلوم دیوبند

جمعہ سے پہلے اور فجر کے بعد مسجد میں کتاب سنانا

السوال:

میرا معمول ہے کہ بعد نماز فجر متصلا و بعد اذان اول جمعہ کتاب مسجد میں سناتا رہتا ہوں، ایک نمازی نے اعتراض کیا کہ نماز پڑھنے والوں کو خلل ہوتا ہے، میں نے اس کو کچھ جواب نہیں دیا اور یہ استفتاء جناب کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں، آج کل تبلیغی جماعت اور علمائے کرام کا جو معمول ہے وہ بھی دیکھنے میں آتا ہے اور آداب المسجد میں بھی جو دیکھا ہے، قول فیصل یہی نظر آیا کہ اگر نمازی اور نائم وغیرہ کو خلل انداز ہو تو ذکر جہری ممنوع ہے، یہاں تک کہ قرآن کریم بھی جہراً پڑھنا ممنوع لکھا ہے، اس کو مفصل تحریر فرمائیں۔ نیز ہماری مسجد بہت تنگ ہے، باہر برآمدہ پر بھی جگہ نہیں ہے، اس لیے مسجد کے اندر کے سوا نماز پڑھنا مشکل ہے اور مسجد چھوٹی ہے، کتنی ہی آہستہ پڑھیں آواز تو پہنچتی ہی ہے اور فجر میں بعد نماز لوگ نماز پڑھتے ہیں وہ بھی اعتراض کرتے ہیں۔

الجواب: حامدا ومصلیاً

جمعہ کے لیے مشورہ سے طے کر کے سب نمازیوں کو اطلاع کر دیں کہ اذان اول کے بعد کتاب سنائی جائے گی، لوگ اکثر شریک ہوتے رہیں، جب اذان ثانی یعنی خطبہ میں ۵ منٹ باقی رہ جائیں تو کتاب بند کر دی جائے اور اس وقت سب سنتیں پڑھ لیں، اس سے کتاب بھی ہو جائے گی اور کسی کی سنتوں میں خلل بھی نہیں آئے گا، یہ تو

سہل ہے۔

لیکن فجر کے بعد جو لوگ آئیں ان کی نماز کو خلل سے بچانے کی آپ کی چھوٹی مسجد میں کوئی صورت معلوم نہیں ہوتی، اِلا یہ کہ طلوعِ شمس کے قریب تک تسبیح وتلاوت میں مشغول رہیں، پھر کتاب سنائی جائے، جو نماز کا وقت نہ ہے۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

اجتماع سے سامان بچ گیا اس کا کیا کیا جائے؟

السوال:

ہم نے تبلیغی اجتماع کے لیے چندہ کیا تھا، کچھ چندہ بچ گیا، تو وہ مدرسہ میں دے دیا، اب جو دوسرا اجتماع ہوا تو مدرسہ میں سے وہ چندہ نکال کر پھر اجتماع میں لگا دیا، ازروئے شرع ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامدا ومصلیاً

چندہ جس کام کے لیے کیا جائے اس کا اسی کام میں خرچ کرنا لازم ہے، دوسرے کام از خود خرچ کرنا جائز نہیں، اگر تبلیغی اجتماع کے نام سے لیا گیا ہے تو اس کو تبلیغی اجتماع میں خرچ کیا جائے،(1) جو کچھ بچ گیا ہے اس کو مدرسہ میں خرچ نہ کریں، بلکہ چندہ دینے والوں کو واپس کر دیں یا ان کی اجازت سے کسی دوسرے تبلیغی اجتماع میں خرچ کر دیں، یا اپنے ہی دوسرے اجتماع کے لیے محفوظ رکھیں، ہاں! اگر وہ بخوشی مدرسہ میں دے دیں تو مدرسہ میں صرف کرنا بھی درست ہوگا، لیکن مدرسہ میں اگر بطور حفاظت رکھا ہو تو جب وہ مدرسہ سے طلب کیا جائے تو مدرسہ والوں کو چاہیے کہ وہ دے دیں، مدرسہ کا

---

(1) "والواقف لو عيّن إنساناً للصرف تعين، حتى لو صرف الناظر لغيره، كان ضامناً......". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ٥/ ٣٨١، رشيديه)

پیسہ تبلیغی اجتماع میں خرچ نہ کریں۔ اگر مدرسہ کا پیسہ تبلیغی اجتماع میں خرچ کیا تو اس کا ضمان لازم ہوگا۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تبلیغی اجتماع میں کھانے کی قیمت بغیر وزن کے مقرر کرنا

السوال:

ہمارے یہاں اکثر تبلیغی اجتماعات میں کھانے خوراک پر کچھ پیسے رکھ دیے جاتے ہیں، اس کا وزن کچھ نہیں ہوتا، یہ طریقہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامدا ومصلیاً:

کھانے کی قیمت متعین کرنا بغیر وزن کیے ہوئے بھی درست ہے۔(۱) فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کی چٹائی اجتماع کے لیے لے جانا

السوال:

تبلیغی اجتماع کے موقع پر مسجد یا عیدگاہ کی جائے نماز یا دری یا چٹائی وغیرہ بچھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامدا ومصلیاً

مسجد کی جائے نماز، دری، یا چٹائی نماز کے لیے مسجد میں استعمال کی جائے،

---

(۱) "وصح بيع الطعام كيلًا وجزافا إذا كان بخلاف جنسه......". (الدر المختار)

وفي الرد: "وحاصله ما في المغرب: من أنه (أي المجازفة) البيع والشراء بلا كيل ولا وزن، ونقل أن شرط جوازه أن يكون مميزا مشارا إليه". (كتاب البيوع، بعد مطلب مهم في حكم الشراء بالقروش في زماننا: ۵۳۸/۴، سعيد)

وہاں تبلیغی اجتماع بھی درست ہے، وہ سب لوگ اس پر نماز پڑھیں گے، مسجد سے باہر اجتماع کے واسطے لے جانے کی اجازت نہیں، عیدگاہ میں بھی نہ لے جائیں۔(1) فقط واللہ اعلم۔

تبلیغی جماعت کو درّہ رکھنا

السوال:

تبلیغی کو درّہ رکھنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب: حامدا ومصلیاً

درّہ سے پٹائی کرنا تبلیغ کے وقت تبلیغی جماعت کے اصول کے خلاف اور غلط ہے، لاٹھی ہاتھ میں رکھنا درست ہے۔(2) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(1) چوں کہ عام طور پر اس طرح کی چٹائیاں اور مصلے وقف ہوتے ہیں اور وقف اشیاء کا مصرف وہی ہوتا ہے جو کہ واقف نے متعین کیا ہو۔

"وما خالف شرط الواقف، فهو مخالف للنص، وهو حكم لا دليل عليه، سواء كان نصه في الوقف نصاً أو ظاهراً، وهذا موافق لقول مشايخنا كغيرهم: شرط الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب ما خالف شرط الواقف فهومخالف للنص: ٤/٤٩٥، سعيد)

(2) "وسئل رضي الله عنه: عن ابن عباس رضي الله عنهما أنه قال: التوكؤ على العصا من أخلاق الأنبياء (عليهم الصلوة والسلام) وكان النبي ﷺ يتوكأ عليها". من رواه؟ فأجاب بقوله: رواه ابن عدي، وروى الديلمي بسنده حديث: "حمل العصا علامة المؤمن، وسنة الأنبياء". وروى أيضاً حديث: "كانت الأنبياء يفتخرون بها تواضعا لله عزوجل"......، وأخرج ابن ماجه "خرج إلينا رسول الله ﷺ، وهو متكئ على عصا". (الفتاوى الحديثية لابن حجر الهيثمي، مطلب: التوكؤ على العصا من أخلاق الأنبياء: ٢٢٦، قديمي)

امتحان میں کامیابی پر تبلیغی جماعت میں وقت لگانا

السوال:

ایک شخص نے دعا کی کہ اگر میں امتحان میں پاس ہوجاؤں تو پندرہ دن تبلیغی جماعت میں وقت دوں گا، وہ پاس ہوگیا۔ اب اسے کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: حامدا ومصلیاً

تبلیغی جماعت میں پندرہ دن دینے کی امتحان میں کامیاب ہونے پر جونذر مانی ہے اور اللہ تعالیٰ نے کامیاب فرمادیا ہے، اگرچہ یہ شرعی نذر نہیں ہے(1) لیکن حق تعالیٰ سے ایک وعدہ ہے، اس کو پورا کرنا چاہیے، وعدہ خلافی نہ کی جائے کہ یہ شرعاً مذموم ہے۔(2)

---

(1) قال فی الدر المختار: "ولم یلزم الناذر ما لیس من جنسه فرض، کعیادة المریض وتشییع جنازة، ودخول مسجد". وقال فی الرد: "(قوله: کعیادة المریض) هذا یفید أن مرادهم بالفرض هنا فرض العین، دون ما یشمل فرض الکفایة......: أی فإن مذه (أی العبادة) فرض کفایة......، وقدمنا عن البدائع خروج هذه المذکورات بقوله: عبادة مقصودة علی أنه یرد علیه دخول المسجد للطواف......، فإن الدخول حینئذ فرض، لکنه لیس مقصود لذاته......".

(کتاب الأیمان، بعد مطلب فی أحکام النذر: ۷۳۶/۳، رشیدیه، وکذا فی البحر: کتاب الصوم، فصل فی النذر: ۵۱۴/۲، ۵۱۵)

(2) قال الله تعالی: ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد کان مسئولا﴾. (الإسراء: ۳۴)

قال العلامة الآلوسی: ﴿وأوفوا بالعهد﴾ ما عاهدتم الله تعالی من التزام تکالیفه......، والإیفاء بالعهد والوفاء به هو القیام بمقتضاه، والمحافظة علیه، وعدم نقضه......".

(روح المعانی: ۷۱/۵، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

اور بعض صورتوں میں منافق کی علامت بھی ہے۔(1) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

جماعت میں نکل کر دوسرے کام میں مشغول ہونا

السوال:

راقم الحروف تبلیغی جماعت مرکز دہلی میں حاضر ہوا، جماعت میں کام کرنے کے واسطے مرکز سے ایک جماعت ناگ پور روانہ ہوئی، بندہ کو اس میں جانے کا اتفاق ہوا، ناگ پور آنے کے بعد ناگ پور کے ایک صاحب نے جماعت کے نمبر اس جماعت کو تعلیم کیے، آخر میں پرہیز بتایا کہ لایعنی باتوں سے بچنا، ایسی باتیں جن میں نہ دین کا فائدہ ہو نہ دنیا کا، البتہ دنیا کا فائدہ ہو تو جماعت کے خالی اوقات میں کر لینا، کچھ حرج نہیں ہے۔ بندہ نے اپنی جماعت کے امیر سے مسئلہ معلوم کیا کہ میں کپڑے کا تاجر ہوں، ناگ پوری لنگیاں ہمارے یہاں پر فروخت ہوتی ہیں، کیا خالی اوقات میں میرے لیے ان کا خریدنا جائز ہے؟ امیر صاحب نے فرمایا کہ جائز ہے، لہٰذا میں نے مال خرید لیا، بعدہ ناگ پور سے جماعت کامٹی آ گئی، اتفاق سے کامٹی کی لنگیاں بھی ہمارے یہاں بکتی ہیں، چناں چہ بندہ نے کامٹی سے بھی مال خرید لیا، لہٰذا از روئے شریعت مطہرہ جواب دیں کہ میرا یہ عمل جائز ہے یا ناجائز؟

(۲)۔ اگر یہ عمل ناجائز ہے تو بندہ کو معافی کے لیے طریقہ تحریر فرمائیں۔

(۳)۔ اگر کسی شخص نے جماعت میں کام کرنے کا وعدہ کیا کہ اتنے روز کروں

---

(1) عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي ﷺ قال: "آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان".

(صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق: ۱/۱۰، قديمي)

گا، اگر یہ شخص پورے روز کام نہ کرے، بلکہ پختہ ارادہ کرلے کہ اب اپنے مشاغل میں لگ جاؤں، بقیہ ان شاء اللہ تعالیٰ بعد کو پورے کرلوں گا، یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

(۱)۔فی نفسہ لنگیاں خریدنا اور تجارت کرنا بلاشبہ جائز ہے، جماعتی نظام کے تحت جب آپ نے امیر جماعت سے اجازت لے لی تو اس حیثیت سے بھی آپ پر گرفت نہیں۔

(۲)۔ناجائز تو بالکل نہیں، لیکن جب آپ جماعت میں نکلے تو ذہن کو ہر طرف سے فارغ کرکے، جماعتی کام میں لگنے سے زیادہ فائدہ ہوگا اور ذہن جس قدر تجارت وغیرہ میں رہے گا اسی قدر جماعتی کام میں کم متوجہ ہوگا اور وقت بھی کم رہ جائے گا۔

(۳)۔جب وعدہ کیا ہے اور اعلیٰ بات یہ ہے کہ جلد از جلد فوراً ہی وعدہ پورا کرنے میں لگ جائے، مؤخر نہ کرے، خدا جانے کیا بات پیش آجائے اور وعدہ پورا نہ ہوسکے، لیکن اگر کسی عذر کی وجہ سے فوراً نہ کرسکے اور امیر بھی اجازت دے دے تو بعد میں وعدہ پورا کرنے سے بھی وعدہ خلافی نہیں ہوگی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمود حسن غفرلہ الاحد

عورتوں کا تبلیغ کے لیے سفر کرنا

السوال:

(۱)۔عورتوں کو تبلیغ کے لیے سفر کرنا کیسا ہے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتیں تبلیغ کیا کریں اور ازواجِ مطہرات میں سے کسی کو تبلیغ کے لیے بھیجا ہے؟

(۲)۔ کچھ عورتوں کا تنہا دنیاوی یا دینی کام کسی کی وجہ سے ایک ساتھ مل کر سفر کرنا کیسا ہے؟ جیسا کہ عورتیں عموماً اجتماع میں باہر ہوتی ہیں، اگر خدانخواستہ اس سفر میں کسی گناہ کو جیسا کہ غیر محرم پر نظر پڑنا وغیرہ مرتکب ہوتی ہیں، پھر اس کی ذمہ داری کس پر ہے؟

(۳)۔ کچھ عورتیں اپنے مردوں کی ناراضگی کی وجہ سے منع کرنے کے باوجود تبلیغ میں جاتی ہیں، ان کو کس طرح روکا جائے؟ شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

(۱)۔ تبلیغ یا کسی بھی مقصد کے لیے عورت کو شرعی سفر کی اجازت نہیں، جب تک شوہر یا محرم ساتھ نہ ہو(1)، بلا سفر کے ان کا اجتماع ثابت ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کو کسی مکان میں اجتماع کے لیے فرمایا ہے(2)۔

---

(1) قال في الهداية: "ولا يجوز لها أن تحج بغيرهما (أي: الزوج والمحرم) إذا كان بينهما وبين مكة ثلاثة أيام......، بخلاف ما إذا كان بينهما وبين مكة أقل من ثلاثة أيام؛ لأنه يباح لها الخروج إلى ما دون السفر بغير محرم".

(كتاب الحج: ۱/۲۳۳، مكتبه شركت علميه، ملتان)

"كما في الصحيحين: "لا تسافر امرأة ثلاثاً إلا ومعها ذو محرم". وفي لفظ لهما: "فوق ثلاث"، وفي لفظ للبخاري: "ثلاثة أيام".

(فتح القدير، كتاب الحج: ۲/۴۲۰، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(2) ابن الأصبهاني قال: سمعت أبا صالح ذكوان، يحدث من أبي سعيد الخدري رضي الله عنه، قالت النساء للنبي ﷺ: غلبنا عليك الرجال، فاجعل لنا يوماً من نفسك، فوعدهن يوماً لقيهن فيه، فوعظهن، وأمرهن، فكان فيما قال لهن: "ما منكن امرأة تقدم ثلاثة من ولدها إلا كان لها حجاباً من نار". فقالت امرأة: واثنين؟ فقال: "واثنين". (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب هل يجعل للنساء يوم عليحدة في العلم؟: ۱/۲۰، قديمى) =

(۲)۔مسافتِ سفر ۴۸ میل سے کم میں جانے کی گنجائش ہے(1)،لیکن پوری احتیاط کے ساتھ،کوئی قبیح واقعہ پیش آنے کا اندیشہ نہ ہو،نظر کی حفاظت لازم ہے،مکان میں بھی، باہر بھی(2)، چچازاد، خالہ زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد بھائی، دیور، بہنوئی، وغیرہ بھی سب نامحرم ہیں، ان سے بھی پردہ لازم ہے، جو عموماً مکانات میں نہیں ہوتا اور اہلِ خاندان اس کو برداشت کرتے ہیں، بلکہ ان سے پردہ کو معیوب اور تنگ نظری سمجھتے ہیں اور نظر سے آگے بڑھ کر ان سے ہنسی مذاق، بے تکلفی، تنہائی کی باتیں ہو کر خراب نتائج بھی پیدا ہوتے ہیں۔

=قال ابن حجر رحمه الله: "(قوله: فوعظهن)......، وقع في رواية سهل بن أبي صالح عن أبيه عن أبي هريرة رضي الله عنه بنحو هذه القصة، فقال: "موعدكن بيت فلانة، فأتاهن، فحدثهن". (فتح الباري، كتاب العلم، باب هل يجعل للنساء يوم على حدة العلم: ۲٦١/١، قديمي)

(1) تقدم في الحاشية الأولى.

(2) قال تعالىٰ: ﴿وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن إلا ما ظهر منها﴾. (النور: ۳۱)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ: "وفي الزواجر لابن حجر المكي: كما نظر الرجل للمرأة: يحرم نظرها إليه، ولو بلا شهوة، ولاخوف فتنة، نعم، إن كان بينهما محرمية نسب أو رضاع أومصاهرة نظر كل إلى ماعدا بين سرة الأخر وركبته......، نعم، غض بصرها من الأجانب أصلاً أولىٰ بها وأحسن، فقد أخرج أبوداود...... من أم سلمة أنها كانت عند رسول الله ﷺ وميمونة، قالت: فبينما نحن عنده أقبل ابن مكتوم......، فدخل عليه -عليه الصلوة والسلام-، فقال رسول الله ﷺ: "احتجبا منه". فقلت: يارسول الله، هو أعمى لا يبصر، قال: "أفعمياوان أنتما؟ ألستما تبصرانه"؟ واستدل به من قال بحرمة نظر المرأة إلى شيء من الرجل الأجنبي مطلقاً". (روح المعاني: ١٤٠/١٨، دار إحياء التراث العربي بيروت)

بقولِ اکبر مرحوم ؎

آج کل پردہ دری کا یہ نتیجہ نکلا　　جس کو سمجھے تھے بیٹا ہے، بھتیجا نکلا

(۳)۔عورتوں کی تبلیغ کی بے حد ضرورت ہے، اگر اپنے مکان پر ان کو دین سکھانے اور کتاب سُنانے کا انتظام کردیں تو بہتر ہے، یا پھر اپنے ہی شہر میں ہفتہ میں ایک دن ان کے اجتماع کا مقرر کردیا جائے، یہاں سب پردہ کے ساتھ جمع ہوجایا کریں، اگر کہیں سفر ہی کرنا ہو تو شوہر یا کسی محرم کے ساتھ جانے کا انتظام کیا جائے، تا کہ دینی نقصان بھی نہ ہو، فتنہ سے بھی امن رہے، عورتوں کی تربیت کا مقصد بھی حاصل ہو جائے۔فقط واللہ اُعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ

دارالعلوم دیوبند ۱۶/۹۱/۸ھ

عورتوں کے لیے تبلیغی سفر

السوال :

زید کی والدہ تبلیغی جماعت میں بمبئی میں کام کرتی ہیں، اب تبلیغی جماعت کے اکابرین نے چند مستورات جماعت محرموںؒ کے ساتھ لندن بھیجنے کا ارادہ کیا ہے، اس مذکورہ جماعت میں زید کی والدہ کا نام بھی ہے، زید کی والدہ اپنے شوہر کے ساتھ لندن جائیں گی، مگر گھر میں چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں، ایک پندرہ سال کی لڑکی بھی ہے، والدین کی عدمِ موجودگی میں بچوں کی نانی بچوں کی دیکھ بھال کرنے کے لیے تیار ہے، تو ان حالات میں یہ سفر جائز ہے یا نہیں؟ اور مستورات کا جماعت کی شکل میں دور دراز کا سفر بغرضِ تبلیغ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

تبلیغی جماعت کا مقصد دین سیکھنا اور اس کو پختہ کرنا اور دوسروں کو دین سیکھنے پختہ کرنے کے لیے آمادہ کرنا ہے اور اس جذبہ کو عام کرنے کے لیے طویل طویل سفر بھی اختیار کیے جاتے ہیں، جس طرح مرد اپنے دین کو سمجھنے اور پختہ کرنے کے محتاج ہیں، عورتیں بھی محتاج ہیں اور گھروں میں عامۃً اس کا انتظام نہیں ہے، اس لیے لندن یا کسی بھی دور دراز مقام پر محرم کے ساتھ حدودِ شرع کے پابندی کا لحاظ رکھتے ہوئے جائیں اور کسی کے حقوق تلف نہ ہوں تو شرعاً اس کی اجازت ہے، بلکہ دینی اعتبار سے مفید اور اہم ہے، اگر بچے اتنے چھوٹے نہیں کہ بغیر والدہ کے تڑپیں گے اور ان کی پرورش نہیں ہو سکے گی اور بچوں کی نانی ان کی دیکھ بھال اطمینان بخش طریقہ پر کرلیں گی تو پھر اجازت ہے، خدائے پاک اس سفر میں برکت دے، نصرت فرمائے اور کامیاب واپس لائے، بچوں کو عافیت سے رکھے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند ۹۱/۱۲/۲ھ

الجواب صحیح۔ بندہ محمد نظام الدین غفرلہ

دار العلوم دیوبند ۹۱/۱۲/۲ھ

عورتوں کی تبلیغ

السوال:

ہمارے یہاں عورتوں کی جماعتِ تبلیغ بھی شروع ہوگئی ہے، کیا اس پُرفتن زمانہ میں شرعاً اس کی اجازت ہے؟ کیا حدیث شریف یا آثارِ صحابہ میں اس کی اجازت ہے؟ کیا اس میں شرکت کرنے والی عورتیں گنہگار ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مستورات کی درخواست پر ان کے لیے اجتماع کا دن اور مکان مقرر فرمایا، پھر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس کثرت سے مستورات دین سیکھنے اور مسائل معلوم کرنے کے لیے آیا کرتی تھیں۔ یہ تو حدیث شریف میں موجود ہے۔ اب جب کہ دین سے بے خبری، بلکہ بے حیائی غالب آچکی ہے اور مستورات کے باپ، دادا، بھائی، شوہر وغیرہ ان کو دین نہیں سکھلاتے اور نہ مردوں کی طرف سے دین سیکھنے کا کوئی انتظام ہے تو اس حالت میں ضروری ہے کہ مستورات کے لیے دین سکھلانے کا انتظام کیا جائے، مگر اس میں بھی حدودِ شرعیہ کی پابندی لازم ہے، مثلاً یہ کہ اپنے محلہ یا اپنی بستی میں پردہ کے ساتھ جائے نامحرم کے ساتھ نہ جائے، اگر کوئی عورت کتاب سُنائے یا تقریر کرے تو اس کی آواز نامحرم تک نہ پہنچے، لاؤڈ اسپیکر نہ ہو اور بے ضرورت جمع نہ ہو اور اگر دوسری بستی میں جانا ہو تو شوہر یا کسی محرم کے ساتھ جائے، اگر حدودِ شرعیہ کی رعایت نہ کی گئی تو فتنے پیدا ہوں گے، اللہ پاک محفوظ رکھے۔ آمین۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ

دارالعلوم دیوبند ۸۸/۸/۱۳ھ

عورتوں کی اجتماعات میں شرکت

السوال:

مروجہ طریقہ پر جو دینی اور تبلیغی جلسے ہوتے ہیں، اس میں وعظ وتقریریں اور

نصائح بیان کیے جاتے ہیں، ایسی مجلسیں یقیناً بابرکت ہیں، مگر سوال یہ ہے کہ ایسے جلسوں میں عورتوں کا شریک ہونا عند الشرع کیا حکم ہے؟ جب کہ صوم وصلوٰۃ وغیرہ اور ضروری مسائل وفضائل سے واقف ہوں اور بہشتی زیور یا اس جیسی دینی کتابیں پڑھ کر سمجھ لیتی ہوں اور دوسرے کو سمجھا بھی سکتی ہوں اور کسی قدر عمل بھی ہو، اگر مسئلہ سمجھ نہ آئے تو پڑوسی سے سمجھ سکتی ہوں، مختصر یہ کہ ضروری علم ان کو حاصل ہو تو ایسی صورت میں جلسوں کی مجلس میں آمدورفت کیسا ہے؟ جب کہ جلسہ زیادہ تر رات ہی میں ہوتا ہے اور جلسہ میں کم از کم چار پانچ سو مرد ہو جاتے ہیں اور عورتوں کا یہ کہنا کہ نیک کام میں جارہی ہوں، صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور یہ طریقہ عورتوں میں عام ہو رہا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً

عورت کے لیے اعلیٰ بات یہ ہے کہ گھر میں رہے دینی مسائل کی ضرورت ہو تو شوہر، باپ، بھائی وغیرہ سے معلوم کرے کتاب سمجھ سکے تو کتاب میں دیکھ لے، جو مسئلہ شوہر وغیرہ سے بھی معلوم نہ ہو سکے اور کتاب بھی نہ ملے یا سمجھ میں نہ آئے تو وہ شوہر باپ وغیرہ کے ذریعہ سے کسی عالم سے دریافت کرلے، نہ خود باہر جائے نہ کسی کے پاس خط لکھے، جب کہ فتنہ کا اندیشہ ہو، لیکن مسلمانوں میں بے علمی اور بے دینی کی فضا عام ہے، ہزاروں میں ایک آدھ ہی مشکل سے ملے گا، جو علم وعمل میں پختہ ہو یا اس کو علم وعمل کی لگن ہو، اس لیے علم کو عام کرنے کی ضرورت ہے اور عمل کو بھی، دین سیکھنے کا جذبہ بھی ہونا چاہیے، پھر یہ کہ چند مسائل میں دین محدود نہیں، اجتماعات میں شرکت کرنے سے دینی جذبہ قوی ہوتا ہے، اس جذبہ کے اثر سے دوسروں کو فائدہ ہوتا ہے،

گھر کے ماحول کو درست کرنے کی بھی فکر پیدا ہوتی ہے، علم میں اضافہ ہوتا ہے، ایمان میں پختگی آتی ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ زندگی کو سن کر قلب میں اصلاح کا ولولہ پیدا ہوتا ہے، ان فوائد کے پیشِ نظر پورے پردہ کے ساتھ جانا ہو اور کوئی فتنہ نہ ہو تو بلا مجبوری کے ان کو شرکت سے روکنا نہیں چاہیے، بلکہ شوہر یا کوئی محرم اپنے ساتھ لے کر جائے، وہاں خود بھی منتفع ہو اور ان کو بھی محروم نہ رکھے۔ فقط۔

واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ

دار العلوم دیوبند، ۱۲/۷/۹۲ھ

عورتوں کے لیے تبلیغی اجتماع

السوال:

تبلیغی اجتماع جو عورتوں کا ہوتا ہے، اس میں عورت کا اپنے شوہر کی اجازت سے شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیا

دین سیکھنا مردوں اور عورتوں سب کے ذمہ ضروری ہے، عورت کے لیے اگر ہر مکان میں ان کے شوہر باپ، بھائی وغیرہ دین سیکھنے کا انتظام کر دیں تو پھر کہیں جانے کی ضرورت نہیں، لیکن جب اس کا انتظام نہ ہو تو ان کے اجتماع کو منع نہ کیا جائے، البتہ اس کا اہتمام کیا جائے کہ پردہ کا پورا انتظام ہو، بلا محرم کے عورتیں سفر نہ کریں، تقریر میں ان کی آواز نامحرموں تک نہ پہنچے، حضرت نبی کریم ﷺ نے بھی عورتوں کا اجتماع فرمایا

اور خود تشریف لے جا کر دین سکھایا (1)۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عورتوں کا اجتماع اور تقریر

السوال:

عورتوں کا اجتماع کرنا اور عورتوں کا عورتوں میں تقریر کرنا، ممالک وغیر ممالک، محلہ وغیر محلہ کا سفر کرنا درست ہے یا نہیں؟ کیا اسلاف میں اس کی نظیر ملتی ہے؟ اگر درست نہیں تو ان امور پر عیاناً وحقیقۃً تنقید وتبصرہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

دین سیکھنا اور سکھانا حسب حیثیت سب کی ذمہ داری ہے۔(2) گھر کے

---

(1) قد مر تخریجه تحت عنوان: "عورتوں کا تبلیغ کے لیے سفر کرنا"۔

اس کے علاوہ حضور اکرم ﷺ سے عورتوں کی انفرادی اور اجتماعی تعلیم مختلف موقعوں پر ثابت ہے: عن عبدالرحمن بن عباس رضی اللہ عنه قال: سمعت ابن عباس قال: خرجت مع النبی ﷺ یوم فطر أو أضحی، فصلی، ثم خطب، ثم أتی النساء، فوعظهن، وذکرهن، وأمرهن بالصدقة". (صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب خروج الصبیان إلی المصلی: ۱/۱۳۳، قدیمی)

(2) عن أنس رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ ﷺ: "طلب العلم فریضة علی کل مسلم". الحدیث (المقدمة من سنن ابن ماجه، باب فضل العلماء، والحث علی طلب العلم: ۲۰، قدیمی)

قال الشیخ عبدالغنی المجددی رحمه اللہ تعالی: "قال البیضاوی رحمه اللہ: المراد من العلم هنا ما لا مندوحة للعبد عن تعلمه کمعرفة الصانع، والعلم بوحدانیته، ونبوة رسوله، وکیفیة الصلوة؛ فإن تعلمه فرض عین". (إنجاح الحاجة هامش سنن ماجه، ۲۰، حاشیه رقم: ٤، قدیمی، وکذا فی المرقاة شرح المشکوة، کتاب العلم، الفصل الثانی: ۱/٤۷۷، رقم: ٤۱۸، رشیدیه)

آدمی: باپ، دادا، نانا، چچا، ماموں، بھائی اگر مستورات کو دین سکھایا کریں تو یہ ضرورت پوری ہو جائے، اگر وہ نہ سکھائیں یا ان کے پاس خود ہی دین نہ ہو تو ضروری مسائل اعتقادیہ وعملیہ سیکھنے کے لیے ان کو دوسری مستورات کے پاس جانے کی ضرورت پیش آئے گی کہ وہ اپنے مردوں سے دریافت کر کے بتلائیں، لیکن پردہ کا لحاظ ضروری ہوگا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کی خدمت میں مستورات دین سیکھنے کے لیے آیا کرتی تھیں، (1) نیز حضور اکرم ﷺ نے بھی مستورات کا اجتماع فرمایا (2) اور خود تشریف لے جا کر ان کو دین سکھایا (3)۔ اگر اپنے محرم یا شوہر کے ساتھ جائیں

---

(1) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے دیگر صحابیات رضی اللہ تعالی عنہن نے مختلف طریقوں سے دین سیکھا ہے، بعض اوقات کسی کو کوئی مسئلہ پیش آیا تو وہ آپ کی خدمت میں بھیجتی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا جواب ارسال فرماتیں، مثلاً: امام بخاری رحمہ اللہ تعالی نے باب باندھا ہے:

"بـاب إقبـال المحيض وإدبـاره" اس میں صحابیات کا عمل نقل کر کے فرماتے ہیں: "وكـنّ نسـاء يبعثن إلـى عائشة بالدرجة فيها الكرسف، فيه الصفرة، فتقول: "لاتعجلن حتى ترين القصة البيضاء". تريد بذلك الطّهر من الحيضة". (كتاب الحيض: ١/٤٦، قديمي)

بعض اوقات کسی مسئلہ کے پیش آنے پر حضور ﷺ سے پوچھا، سمجھ نہیں آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے سمجھایا:

عـن عائشة رضى الله عنها أن امرأة سألت النبى ﷺ عن غسلها من المحيض، فأمرها كيف تـغتسـل؟ قال: "خذى فرصةً من مسك، فتطهرى بها"، قالت: كيف أتطهر بها؟ قال: "تـطهرى بها". قالت: كيف؟ قال: "سبحان الله، تطهرى" فاجتذبتها إلىّ، فقلت: تتبعى بها أثـر الدم. (صحيح البخارى، كتاب الحيض، باب دلك المرأة نفسها: ١/٤٥، قديمى) قال ابن حجر: "وفهمت عائشة رضى الله عنها ذلك عنه، فتولت تعليمها". (فتح البارى، كتاب الحيضة، باب دلك المرأة نفسها: ١/٥٤٨)

(2) تقدم تخريجه تحت عنوان: "عورتوں کا تبلیغ کے لیے سفر کرنا"۔

(3) "ابن عباس أن النبى ﷺ خرج ومعه بلال رضى الله تعالى عنه، فظن أنه لم =

اور مستورات میں تقریر کریں، اس طرح کہ نامحرم آواز نہ سنیں اور پردہ کا پورا لحاظ رکھیں، نیز اور کسی فتنہ کا مظنہ نہ ہو تو گنجائش ہے۔ بغیر شوہر یا بغیر محرم کے شرعی سفر کرنا یا بے پردہ جانا (1) یا اس طرح تقریر کرنا کہ غیر محرم بھی آواز سنیں، مثلاً: لاؤڈ اسپیکر پر یا کوئی اور فتنہ ہو تو پھر اجازت نہیں (2)۔ عموماً عورتوں کے اجتماع میں فتنہ پیدا ہو ہی جاتا ہے، اس لیے اس سے بچنے کی از حد ضرورت ہے۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ

عورتوں کا تبلیغ اور نظم ترنم سے پڑھنا

السوال:

(۱)۔ عورتوں کا کسی کے گھر جا کر تبلیغ کا ذکر کرنا اور ایسا معمول بنانا کہ روزانہ تبلیغ کا کام ہو سکے، کہاں تک مناسب ہے اور اس میں کیا کوئی حرج ہے؟

(۲)۔ اگر ذکر کے دوران نظم آجائے تو اس کو ترنم کے ساتھ پڑھنا کیا عورتوں کے لیے جائز ہے؟

= يسمع النساء فوعظهن، وأمر هن بالصدقة". الحديث (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب عظة الإمام النساء: ١/ ٢٠، قديمي)

(1) تقدم تخريجه تحت عنوان: "عورتوں کا تبلیغ کے لیے سفر کرنا"۔

(2) قال العلامة الحصكفي رحمه الله: "و(العورة) للحرة جميع بدنها خلا الوجه، والكفين، والقدمين، وصوتها على الراجح". (الدر المختار)

قال عليه السلام: "التسبيح للرجال والتصفيق للنساء"، فلا يحسن أن يسمعها الرجل، وفي الكافي: ولاتلبي جهراً؛ لأن صوتها عورة......". (رد المحتار، باب شروط الصلوة، قبيل مطلب في النظر إلى وجه الأمرد: ١/ ٤٠٦، سعيد)

الجواب: حامداً ومصلیا

پردہ کے ساتھ ایک مکان میں جمع ہوکر دین کی باتیں کریں، سیکھیں سکھائیں، کتاب پڑھیں، سنیں، جس سے دینی معلومات حاصل ہوں، عمل پر پابندی ہو، ایمان تازہ ہو، شرعاً درست ہے، مفید ہے، لیکن کوئی تقریر کسی عورت کی ایسی نہ ہو جس کی آواز نامحرموں تک پہنچے، لاؤڈ اسپیکر اس میں استعمال نہ کیا جائے۔ ترنم اور گانا ہرگز نہ ہو، اس سے پورا پرہیز کیا جائے (1)، ایسا نہ ہو کہ دین کی خاطر کام کیا جائے اور اس میں شیطان کا بھی حصہ ہو جائے۔ فقط۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ

صرف عورتوں کی مجلس میں وعظ کے بجائے کتابی تعلیم مناسب ہے

السوال:

جب صرف عورتوں کی مجلس ہو اور عورتیں ہی وعظ کرنے والی ہوں، تو ان کے

---

(1) "و(العورة) للحرة جميع بدنها خلا الوجه، والكفين، ......، وصوتها على الراجح".

(الدر المختار)

وفي رد المحتار: "ومقابله ما في النوازل، نغمة المرأة عورة......، وفي الكافي: لا تلبي جهرا؛ لأن صوتها عورة، ولا نجيز لهن رفع أصواتهن ولا تمطيطها، ولا تليينها وتقطيعها، لما في ذلك من استعمال الرجال إليهن، وتحريك الشهوات منهم، ومن هذا لم تجز أن تؤذن المرأة، قلت: ويشير إلى هذا تعبير النوازل بالنغمة".

(باب شروط الصلوة، قبيل مطلب في النظر إلى وجه الأمرد: ١/٤٠٦، سعيد)

وعظ کا کیا طریقہ ہونا چاہیے؟ معتبر کتاب پڑھ کر سنائیں یا مقررین کی طرح لچھے دار اشعار وغیرہ پڑھ کر تقریر کریں، یا مذاکرہ کریں؟ کون سی صورت میں عورتیں وعظ ونصیحت کریں؟

الجواب: حامداً ومصليا

مذاکرہ کرلیں، کتاب سنادیں، حسب موقع دونوں صورتیں مناسب اور مفید ہیں، تقریر سے احتراز مناسب ہے۔(1) فقط۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ

دارالعلوم دیوبند

---

(1) تقریر میں آواز بلند ہونے کا قوی احتمال ہے، جو کہ ممنوع ہے، کما تقدم تحت عنوان: ''عورتوں کا اجتماع اور تقریر''۔

بفضلہ تعالیٰ تبلیغی جماعت کے حوالے سے جتنے بھی حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے فتاویٰ میسر آئے، ان کی تکمیل کے بعد مفتی صاحب کے تبلیغی اجتماعات واسفار کے دوران کیے ہوئے بیانات تبلیغی کام کی اہمیت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے پیش کیے جا رہے ہیں۔ جس سے تبلیغی کام کی مزید تائید وتوثیق ہوگی اور حضرت کے بیانات علماء، طلباء اور عامۃ الناس، خاص کر تبلیغی کام سے منسلک حضرات کی اصلاح ظاہر و باطن کے لیے نہایت مفید ہیں۔

(صابر محمود)

دعوت وتبلیغ کی اہمیت

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الحمد لله، الحمد لله نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، ونشهد أن سيدنا ونبينا ومولانا محمدا عبده ورسوله۔ صلى الله تبارك وتعالى عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيراً۔ أما بعد!

فأعوذ بالله من الشيطن الرجيم: ﴿**كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله**﴾.(۱)

اللہ جل جلالہ عم نوالہ نے ارشاد فرمایا کہ تم ایک بہترین امت ہو۔ حضرت نبی کریم ﷺ کی امت کو خطاب ہے، تم بہترین امت ہو، سب سے اعلیٰ درجے کی امت ہو، ﴿أخرجت للناس﴾. جو لوگوں کے لیے بنائی گئی۔ یہ امت تمام مخلوق کی ہدایت کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنائی، بھیجی۔ عادۃُ اللہ اس طرح جاری رہی ہے کہ جب کسی پر حق تعالیٰ نے مہربانی فرمائی اور اس قوم کی ہدایت کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی

---

(1) آل عمران: ۱۱۰۔

بھیجا، یہ حق تعالی کی بہت بڑی مہربانی اور رحمت کی نشانی ہے کہ وہ اس قوم میں ہدایت کے لیے اپنے کسی پیغمبر کو، کسی نبی کو بھیجتے ہیں، مہربانی کی خاص نشانی یہی ہے کہ سب سے زیادہ اس امت پر ہوئی ہے اور اس امت کے لیے ایسے نبی کو بھیجا جو اخیر تک کے لیے کافی ہے۔ ساری نسلوں کے لیے اس کی ہدایت کافی ہے، اس کی نبوت کبھی پرانی نہیں ہوگی، اس کا لایا ہوا دین کبھی بوسیدہ نہیں ہوگا، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کی ہدایت کافی ہو، اس کے بعد نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا، یہاں غور کرنے کی ضرورت ہے کہ جب یہ امت سب سے بہتر ہے، سب سے اعلیٰ درجہ کی امت ہے، اللہ کی مہربانیوں کی سب سے زیادہ مستحق ہے یہ امت، تو اس امت پر بہت ساری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا، نبیوں کی کثرت ہوتی، مگر اللہ تعالی نے سب سے زیادہ مہربانی فرمائی اس امت پر اور مہربانی کی نشانی دی، یعنی نبی ﷺ کو بھیجا اور اس کا دروازہ کردیا بند، کیا بات ہے؟ بات یہی ہے کہ جو کام انبیاء کرتے تھے وہ کام اب اس امت سے لینا ہے، نبی آنے بند ہو گئے، نبی ﷺ نے اپنا کام امت کے سپرد کر دیا، امت کو تاکید کر دی کہ تم اس کام کو انجام دیتے رہو قیامت تک۔ یہی مہربانی کی نشانی ہے۔

جس قدر نبی اکرم ﷺ کا کام زیادہ سے زیادہ دنیا میں پھیلے گا، زیادہ سے زیادہ لوگ اپنے آپ کو وقف کر دیں گے، اسی قدر اللہ تعالی کی رحمتیں زیادہ ہوں گی اور جس قدر اس کام میں کمی ہوگی، اسی قدر حق تعالی کی رحمت میں کمی ہوگی۔ اگر کام کی مخالفت ہوگی تو حق تعالی کا غضب نازل ہوگا۔ یہ طریقہ اس امت کے لیے بہت صاف صاف اور سیدھا ہے۔ صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین نے نبی اکرم ﷺ سے دین سیکھا، حضور اقدس ﷺ نے ان کو دین عطا فرمایا، قلوب کے اندر بٹھایا، جمایا، اعمال کرائے،

تمام زندگی میں دین جاری کیا اور پھر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین خوب سمجھتے رہے، عقائد پختہ ہوگئے، اعمال درست ہوگئے، حضور ﷺ نے ان پر اعتماد کیا۔

حدیث میں آتا ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بہت بڑی تعداد اللہ کے دین کے پھیلانے کی خاطر چلی، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شاید آج کے بعد میں تمہارے ساتھ جمع نہ ہوسکوں، یعنی اتنا بڑا اجتماع پھر نہ ہوسکے۔ حضور اقدس ﷺ انتظار میں تھے کہ اللہ کے پاس جانے کا وقت کب آتا ہے؟ آپ کے اس دنیا سے رخصت ہونے کا وقت کب آتا ہے؟ اس لیے فرمایا کہ آج کے بعد میں شاید تمہارے ساتھ جمع نہ ہوسکوں، ایسا اتفاق نہ ہوسکے۔ جب اللہ تعالیٰ تم سے پوچھیں گے، کیا ہمارے نبی ﷺ نے دین کے احکام کی تبلیغ کی؟ تو کیا جواب دوگے؟ کیا تبلیغ کی ہمارے نبی ﷺ نے؟ سب نے کہا جی ہاں! ہم سب کہیں گے: ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کی۔

پچھلی امتوں کا حال قرآن پاک میں مذکور ہے، ان کے سامنے پوچھا گیا تو سب نے کہا: ﴿ما جاء نا من بشیر ولا نذیر﴾ ہمارے پاس نہ تو کوئی خوش خبری سنانے والا آیا، ورنہ کوئی ڈرانے والا آیا۔ اس امت کے متعلق یہ ہے کہ اس امت سے حضور ﷺ نے وعدہ لیا کہ ہم نے تبلیغ کی؟ تو سب نے کہا: ہاں کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللھم اشھد. اللھم اشھد". اے اللہ! گواہ رہ۔ اے اللہ! گواہ رہ۔ میں نے تبلیغ کردی ہے۔ کوئی چیز دین کی چھپائی نہیں، جو بھی چیز مجھ پر نازل ہوئی وہ میں نے بتلا دی، کوئی چیز اپنی جانب سے بڑھائی نہیں کہ جو نازل نہ ہوئی وہ کہہ دی، بلکہ پورا پورا، ٹھیک ٹھیک، نکھرا ہوا، خالص دین جو آسمان سے نازل ہوا وہ میں نے پہنچا دیا۔ احادیث

میں اس کی تشریحات بڑی تفصیل سے کر دی۔ پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ألا فليبلغ الشاهد الغائب"(۱) خبردار رہو! جو حاضرین ہیں اب وہ غائبین کو پہنچاتے رہیں۔ جن لوگوں نے براہ راست دین کو مجھ سے سیکھ لیا ہے ان لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ اس دین کو لے کر جائیں، جہاں تک پہنچا سکیں، پہنچائیں۔ اخیر میں حضور اکرم ﷺ نے یہ ذمہ داری اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر ڈالی۔ جب اس امت کو خیر امت کہا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے کام خیر ہی کے ہوں گے، اس کا مقصد خیر ہی ہوگا، اس سے خیر ہی کی صورتیں حاصل ہوں گی، تب ہی تو اس کو خیر کہا گیا ہے، وہ خیر کیا ہے؟ وہ خیر یہی ہے جس کو آگے فرمایا گیا: ﴿أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر﴾ اللہ کی معروف چیزوں کا یہ امت حکم دے اور اللہ کی نافرمانیوں سے روکے۔ یہ خیر کا کام ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا کیا کام ہے؟ کس چیز کا حکم کرتے ہیں؟ جو چیزیں اللہ کی مرضی کے مطابق ہیں، ان کو پھیلائیں، جو چیزیں اللہ کی مرضی کے خلاف ہیں ان سے روکیں، یہی ہے دین کا کام، یہی بات اس امت کے لیے تجویز کی گئی۔

اور اس امت کے پاس وحی نہیں آتی، نہ یہ رسول ہے، البتہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذمہ داری اس امت کے سپرد کی ہے کہ یہ کام تمہارے ذمہ ہے۔ تیئس ۲۳ سال کی مبارک زندگی میں اللہ کے احکام جس طرح سے نازل ہوئے، لوگوں کو بتایا، سکھایا،

---

(۱) الصحيح للبخاري، كتاب الحج، باب الخطبة ايام منىٰ، رقم الحديث: ۱۷۳۹-۱۷٤۲، وصحيح مسلم، كتاب القسامة، باب تغليظ تحريم الدماء، رقم الحديث: ٤۳۸۳، والمسند الزخار المعروف بمسند البزار: ۲۹۸/۱۲، رقم الحديث: ٦۱۳٥، مؤسسة علوم القرآن، بيروت، مكتبة العلوم والحكم بالمدينة المنورة.

عمل کرایا اور ان کے دلوں کے اندر راسخ کر دیا۔ یہ امانت ہے، اس امانت کو جہاں تک ہو سکے پھیلاتے جاؤ۔ یہ کام حضور اکرم ﷺ نے اپنی امت کو سپرد فرمایا۔

پچھلی امت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ پاک سے عرض کیا کہ اے اللہ! تیری کتاب میں ایک امت کا ذکر ہے کہ اس پر جب مصیبت آئے گی تو اس پر صبر کرے گی، "إنا لله وإنا إليه راجعون" پڑھے گی، جب اس کو کوئی راحت پہنچے گی تو وہ تیرا شکر کرے گی، اللہ تعالیٰ کے انعامات کا احسان مانے گی، میری درخواست یہ ہے کہ وہ امت مجھے دے دی جائے، وہاں سے حکم ہوا کہ نہیں، وہ امت نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی امت ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ کی کتاب میں ایک امت کا تذکرہ ہے، مال غنیمت اس کے لیے حلال ہوگا، (۱) ایک ایک نیکی کرنے پر دس نیکیوں کا اس کو اجر اس کو ملے گا اور بہت ساری صفات گنوائیں، ایسی ہوگی، ایسی ہوگی، ایسی ہوگی۔ میری درخواست ہے کہ وہ امت مجھے دے دی جائے، ہر بات کے جواب میں یہی ارشاد ہوگا کہ وہ امت نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ اے پاک پروردگار! اگر وہ امت مجھے نہیں دینی تو مجھے اس امت میں داخل کر دے۔ یہ امت ایسی امت ہے کہ پچھلے پیغمبروں نے یہ درخواست کی، اللہ تعالیٰ سے کہ ہم کو اس امت میں داخل کر دیجیے، امتی بنا دیجیے حضور ﷺ کا۔ اس واسطے اس امت کو قدر کرنے کی ضرورت ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کا مقام کتنا بلند فرمایا۔

قدر کے معنی بگڑنے کے نہیں ہیں، تکبر کرنے اور برائی کرنے کے نہیں ہیں، بلکہ حق تعالیٰ کے احسانات کو پہچاننے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کیسے کیسے انعامات عطا

---

(۱) دلائل النبوة للبيهقي، باب صفة رسول الله ﷺ في التوراة والإنجيل والزبور......: ۳۷۹/۱، دار الكتب العلمية، والوفاء بتعريف فضائل المصطفىٰ لابن جوزي۔

فرمائے ہیں؟ ان انعامات کے بدلہ میں کیا کچھ کرنا چاہیے؟

روایات میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ رات میں اتنی لمبی لمبی نماز پڑھتے تھے کہ کھڑے کھڑے پیروں پر ورم آجاتا، عرض کیا گیا کہ آپ اتنی مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں؟ آپ تو بخشے بخشائے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں آپ کی کسی قسم کی بھی پکڑ نہیں ہے، آپ کیوں اتنی مشقت برداشت کرتے ہیں؟

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "أفلا أكون عبداً شكوراً؟" اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتنے انعامات فرمائے، کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ جتنا اس کا انعام زیادہ ہوتا ہے، اسی قدر شکر لازم ہوتا چلا جاتا ہے، جتنی قدر پہچان لے آدمی اتنی ہی زیادہ محنت برداشت کرتا ہے۔ اس کے احسانات کے سامنے وِس جاتا ہے، سمجھتا ہے کہ میری جان کی کوئی حیثیت نہیں، میری عزت کی کوئی حیثیت نہیں، اس کے احسانات کے سامنے وہ سب چیزیں اس پر قربان ہیں۔

اس لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے:

"ألا فليبلغ الشاهد الغائب" جو لوگ حاضر ہیں، جنہوں نے مجھ سے براہ راست دین سیکھا ہے، اب وہ اس کو غائبین تک پہنچائیں۔ تو روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت بڑی جماعت اسی وقت وہاں سے نکل گئی اور وہاں سے نکل کر عالم میں گئی اور جو صحابی جتنی دور تک پہنچ سکے پہنچے، ظاہر ہے کہ اس زمانے میں سفر کی وہ سہولتیں نہیں تھیں جو آج کل ہیں، موٹر کار وغیرہ۔ وہ حضرات پیدل چلتے تھے، گھوڑے پر چلتے تھے، اونٹ پر چلتے تھے، یہ عامۃً ان کے اسباب سفر تھے، ذرائع تھے مسافت طے کرنے کے۔ اسی حالت میں وہ گئے اور ایسے ایسے مقامات طے کیے جن میں ہفتوں لگ جاتے تھے پانی پر، جگہ

جگہ ہوٹل کھلے ہوئے نہیں تھے، جگہ کی فراغت نہیں تھی، بلکہ بڑی پریشانیاں ہوتی تھیں، بہت سی پریشانیوں کو برداشت کیا۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ایک لشکر میں جارہے تھے، راستے میں ان کی طبیعت خراب ہوئی، آثار موت ظاہر ہوئے، انہوں نے وصیت کی کہ میرے جنازہ کو لیے رہو، جہاں تک تم جاؤ، جب ان کی وفات ہوئی اوران کے ساتھی لشکر والے اور سامان ساتھ لیے جارہے تھے، ساتھ جنازہ بھی لیے جارہے تھے، حتی کہ ترکستان میں پہنچ کر قسطنطنیہ کے قلعہ کے نیچے ان کو جاکر دفن کیا، اپنے وطن اور ملک سے جس قدر دور چلے دین حق کی خاطر، اسی قدر اللہ تعالیٰ کی خوش نودی کا ذریعہ بنے۔ ابھی ان کی قبر موجود ہے۔ (۱) جس وقت جنگ ہوئی، غازی صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کی دشمنی میں عیسائیوں نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر پر غلاظت ڈالی، اس کی اطلاع دی گئی سلطان صلاح الدین ایوبی کو، انہوں نے کہلا بھیجا، یاد رکھو! جتنے گرجا گھر موجود ہیں، سب کو غلاظت سے بھر دوں گا۔

کیا حال تھا وہاں؟ دین کی خاطر مرنے کے بعد یہ پسند نہیں کیا کہ وہیں دفن ہو جائیں، بلکہ اخیر تک لے جایا جائے، مشائخ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے جنازہ کی برکت سے مسافت کو بہت جلد طے کرادیا، لڑائی میں فتح ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اس جنازہ کی برکت سے قسطنطنیہ فتح کرایا اور معلوم ہوتا ہے ماضی کی کتابوں میں دیکھنے سے، جو حضرات وہاں سے نکلے تھے دین کے لیے، ایک چلہ، تین چلے کے لیے نہیں نکلے، زندگی بھر کے لیے نکلے، لوٹنے کی ضرورت نہیں پیش آئی، اپنے مکان نہیں لوٹ کر

---

(۱) مختصر تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر، خالد بن زید بن کلیب أبو أیوب الأنصاری: ۷/ ۳٤۰، ۳٤۲، دار الفکر۔

آئے، چلے گئے خدا کے راستے میں، کیوں کہ ان کا مقصود یہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے جو دین سکھلایا اس کو جہاں تک ہو سکے پہنچائیں، اپنی استطاعت کے مطابق پہنچائیں۔

احادیث میں ایک شخص کا واقعہ آتا ہے، پچھلی امتوں کا واقعہ ہے، بہت گنہگار تھا، اپنے ایک مقتدیٰ کے پاس گیا، پوچھا بھائی! میں نے اتنے گناہ کیے ہیں، کوئی شکل ہے توبہ کی ان گناہوں سے؟ اس نے کہہ دیا کہ تو تو جہنمی ہے، توبہ کی کیا صورت؟ اس کو اٹھا کر لے گیا، جہاں بہت ساروں کو قتل کیا اس کو بھی قتل کر دیا۔ دوسرے کے پاس گیا، ایسی ہی صورت پیش آئی، اس کو بھی قتل کر دیا، تیسرے کے پاس گیا، انہوں نے کہا فلاں بستی ایسی ہے کہ جہاں ایک بزرگ رہتے ہیں وہاں چلا جا، وہاں جانے سے تیری توبہ قبول ہو جائے گی، یہ چلا، کچھ دور چلا تھا، راستے میں چلتے ہوئے موت آ گئی، گرا، گر کر انتقال ہو گیا، لیکن گرنے کے بعد تھوڑا سا اور کھسک گیا، اس لیے کہ جس طرف کو جا رہا ہے، کارِ خیر کو جا رہا ہے، توبہ کرنے کے لیے جا رہا ہے، گناہوں کو بخشوانے کے لیے جا رہا ہے، جتنا ایک قدم دو قدم، ایک بالشت دو بالشت، جتنا بھی ہو سکے آگے بڑھ جائے، اس کا تو انتقال ہو گیا، ملائکہ رحمت بھی آئے اور ملائکہ عذاب بھی آئے، ملائکہ عذاب کہتے تھے کہ گنہگار ہے، اتنے آدمیوں کا قاتل ہے، توبہ اس نے کی نہیں، لہٰذا یہ جہنمی ہے۔ ملائکہ رحمت کہتے تھے کہ ہاں! یہ گنہگار ہے، اتنے آدمیوں کا قاتل ہے، لیکن توبہ کے لیے گیا تھا، گناہ بخشوانے کی نیت سے جا رہا تھا، نیت اس کی صحیح تھی، معاملہ پیش ہوا دونوں گروہ کا خدا کے دربار میں، وہاں سے حکم ہوا کہ اچھی بات ہے، پیمائش کر لو، جس بستی سے چلا ہے وہ بستی اس کی موت کے وقت نزدیک ہے یا وہ جس بستی کی طرف جا رہا ہے، اس کے قریب پہنچ چکا ہے؟ ابھی تو آدھی مسافت بھی طے نہیں کی تھی اس لیے ناپا

گیا، زمین تو صرف اللہ کے قبضہ میں ہے، اللہ تبارک وتعالی نے حکم کیا، ایک طرف کی زمین سکڑ گئی، ایک طرف کی پھیل گئی، چناں چہ وہ آدھے سے زیادہ پہنچ چکا تھا، یعنی وہ بستی قریب ہوگئی جہاں جارہا تھا توبہ کے لیے، ملائکہ رحمت لے گئے۔ اللہ تبارک وتعالی کے یہاں بندہ کے ارادہ کی، اس کی نیت کی اتنی قدر ہے۔(۱) کارِ خیر کے واسطے آدمی نیت کرکے چلتا ہے، اللہ تعالی کے یہاں مقبول ہے۔

توجس کام کے واسطے اس امت کو پیدا کیا گیا ہے اور جس کی وجہ سے اس امت کو پیدا کیا گیا ہے، وہ کام یقیناً تمام کاموں سے زیادہ خیر والا ہے اور وہ یہی ہے:

﴿تأمرون بالمعروف﴾ معروف وہ چیز ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ کے زمانہ میں عام طور پر دین کی بات سمجھی جاتی تھی، اچھی بات سمجھی جاتی تھی وہ معروف ہے۔

منکر وہ چیز ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ کے زمانہ میں عام پر اچھی بات نہیں سمجھی جاتی تھی، یا انہی میں سے بعضے اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے، بعد کے لوگ اس کو اچھا سمجھنے لگے اس کو منکر کہیں گے۔

معروف وہ چیز ہے جس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ان کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین نے اور تابعین رحمہم اللہ نے اچھا سمجھا ہو، دین کی بات سمجھا ہو، ثواب کی چیز سمجھا ہو، اس کو معروف کہیں گے۔

اور منکر وہ چیز ہے جس کو ان حضرات نے ثواب کا کام نہیں سمجھا، دین کا کام نہیں سمجھا۔

---

(۱) رواه البخاري في أحاديث الأنبياء، باب: ٥٤، رقم الحديث: ٣٤٧٠، ومسلم في التوبة، باب قبول توبة القاتل، وإن كثر قتله، رقم الحديث: ٧٠٠٨.

﴿تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾. تم لوگ نکالے گئے ہو، کاہے کے واسطے؟ تمام امت کے لیے، اس واسطے کہ معروف کا امر کرو اور منکر سے نہی کرو، اللہ کی پسندیدہ چیز اور اسے رسول ﷺ کی پسندیدہ چیز کو پھیلاؤ، دنیا میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس پر آمادہ کرو، تمھارا، اس واسطے کہ جس شخص کو بھی حق تعالیٰ نے ایمان دیا، اس ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے اندر خیر کا داعیہ ہے، مگر ماحول اور ناواقفیت کی وجہ سے خیر کی طرف متوجہ نہیں ہوتا آدمی۔ اس ایمان کو پھیلانے کی ضروت ہے، ابھارنے کی ضرورت ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ آگ ہوتی ہے، اس کے اوپر راکھ پڑی ہوئی ہے، لیکن راکھ کی وجہ سے آگ بھڑکتی نہیں، اس سے کوئی کام نہیں لیا جاتا، آہستہ آہستہ اس راکھ کو ہٹایا جائے، پھر آگ کی حرارت بھڑکے گی اور اس سے کام لیا جائے گا، اسی طریقہ سے محبت کی آگ ہے ہر مؤمن کے دل میں، دین کی محبت ہر مؤمن کے دل میں ہے، لیکن علم نہیں، ماحول نہیں، زندگی غلط طریقے پر ہے، پس ماحول کی خرابی کی وجہ سے زندگی نہیں بدلتی، یہ ایسے ہی ہے جیسے آگ کے اوپر راکھ پڑی ہوئی ہے، آہستہ آہستہ اس راکھ کو ہٹایا جائے، بے دینی کو ہٹا کر علم کی روشنی سامنے لائی جائے، ماحول کی خرابی کو ہٹایا جائے، تب وہ چنگاری بھڑکے گی۔

ایک شخص جنگل میں رہتا ہے، بھیڑ بکری پالتا ہے، کہیں اس کو شیر کا بچہ مل گیا، وہ شیر کے بچے کو لے آیا، بکری کا دودھ پلاتا رہا، یہ بچہ پلتا رہا، حتی کہ خوب بڑا ہو گیا اور اس کی حالت ایسی ہو گئی جیسی بھیڑ بکری کی، ایک مرتبہ بھیڑ بکری گئیں کسی جگہ پانی پینے کے لیے، اس پانی میں سب کو اپنی اپنی صورتیں نظر آ رہی تھیں، یہ شیر کا بچہ بھی تھا، اسے تعجب ہوا کہ پانی میں سب صورتیں تو اور طرح کی ہیں، میری صورت اور طرح کی ہے، یہ کیا

بات ہے؟ حالاں کہ میں انہیں میں رہتا ہوں، معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر یہ جاننے کی طاقت ہے، اس کو اپنی طاقت کا احساس ہو گیا، سمجھ گیا کہ میں تو دوسری قسم کا ہوں، شیر نے بکری کو مار ڈالا، یک دم سمجھ گیا، اس کو ماحول کی وجہ سے اپنی طاقت کا احساس نہ تھا، جو شیر بھیڑ اور بکری میں سے نکل نہیں پاتا تھا، اس کو اپنی طاقت کا کیا احساس؟ سمجھتا ہے کہ بھیڑ، بکری ہے، لیکن اگر اس کی صورت اس کے سامنے کر دی جائے آئینہ کے ذریعے تو معلوم ہو گا کہ بھیڑ بکری کے علاوہ اس کی صورت ہے، اس آئینہ کے ذریعے اس کو موقعہ مل گیا اپنی حالت پر غور کرنے کا۔ غور کرنے کا موقعہ ملے گا تو اس کی صفات اس پر ظاہر ہوں گی اور سمجھے گا وہ الگ ہے، بھیڑ بکری سے، یہی حال اس مسلمان کا ہے کہ اللہ نے جس کو ایمان کی دولت سے نوازا ہے، وہ شیر کے بچے کی مانند ہے، لیکن ماحول ایسا ہے جیسا کہ بھیڑ بکری کا ماحول ہے، یہ شیر کا بچہ ہے، جو بھیڑ بکری میں پل رہا ہے، جس طرح سے بھیڑ بکری کے ساتھ چلتا پھرتا ہے، کماتا کھاتا ہے، اسی طریقہ سے یہ مسلمان بھی ہے، اس واسطے ضرورت ہے کہ اس کے سامنے اس کی تصویر پیش کی جائے، اسے بتلایا جائے کہ تم اس قسم کے نہیں، تمہاری صورت دوسری ہے، تو پھر اس کے جوہر دیکھیے۔

یہ مسلمان رہتا ہے ایسے لوگوں میں جن کے سامنے زندگی کا مقصد پیٹ کے سوا کچھ نہیں، یہی پیٹ ہے، اسی مادی جسم کی خاطر کھانا، پینا، پہننا، اوڑھنا، یہی سب کچھ ہے، غور کیا جائے تو سب اسی مادی دنیا کے واسطے، اسی گلنے سڑنے والے جسم کے واسطے، اسی کے لیے اچھے سے اچھا کپڑا بناتا ہے، اسی جسم کے واسطے اچھے سے اچھا کھانا اور غذا تیار کرتا ہے، اچھے سے اچھا مکان تیار کرتا ہے، اچھے سے اچھا عہدہ اختیار کرتا ہے، مگر ان سب چیزوں کا مقصد یہی جسم اور مادی دنیا ہے، حالاں کہ یہ جسم کچھ دنوں میں

ختم ہو جائے گا، کچھ دنوں میں مر جائے گا، اس کو لے جا کر قبر میں ڈالا جائے گا، پھولے گا، پھٹے گا، وہاں کے جانور اس کو کھالیں گے، کوئی حیثیت اس کی باقی نہیں رہ جائے گی، لیکن ساری زندگی کا داؤ پیچ اس کے پیچھے اسی جسم کے واسطے ہے، اسی مادہ کی خاطر ہے۔

تو ضرورت ہے کہ یہ ماحول درست کیا جائے، اس کو بتلایا جائے کہ تو اس کام کے لیے نہیں پیدا کیا گیا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے خالص جسم نہیں پیدا فرمایا، بلکہ جسم کے ساتھ ایک اور دوسری چیز بھی اس جسم کے اندر رکھی ہے، یہ جسم پر لباس ہے، کرتا ہے، کرتا آدمی اتار کر پھینک دیتا ہے، اصل چیز تو اندر کی چیز ہے۔ اسی طریقہ پر روح ہے، روح کے واسطے یہ جسم تو کرتا ہے، روح اس کرتے کو اتار کر کہیں پھینک دیتی ہے اور خود کہیں اور چلی جاتی ہے، اصل راحت آخرت میں ہے، راحت حاصل کرنے والی، تکلیف کو برداشت کرنے والی آخرت میں روح ہے۔ اس روح کی تیاری کے لیے، اس روح کی درستگی کے لیے، اس روح کی راحت کے لیے، کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔

اگر کوئی شخص اپنے کرتے کی تو فکر کرتا ہے، رات دن اس کو دھوتا ہے، پھٹتا ہے تو سیتا ہے، لیکن جسم کے اندر بہت سی بیماریاں بھری ہوئی ہیں، ان بیماریوں کی فکر نہیں کرتا، کس قدر وہ شخص بے وقوف کہلائے گا، کرتے کی فکر تو کرتا ہے، لیکن کرتا جس جسم کے لیے بنا ہے اس میں پھوڑے پھنسی بھرے ہوئے ہیں، اس کے اندر کینسر ہو گیا ہے، اس کے اندر پیپ بھری ہوئی ہے، خون اس میں ہے، بدبو اس میں سے آرہی ہے، اس جسم کی فکر نہیں کرتا۔

یہی حال بس ہمارا بھی ہے کہ ہمارے واسطے یہ جسم کرتے کے بنے ہوئے ہیں اور اصل روح ہے، وہ روح گل رہی ہے، سڑ رہی ہے، وہ رذائل میں گرفتار ہے، اس

روح کے درست کرنے کی، اصلاح کی ضرورت ہے، اس کی فکر نہیں ہے، آج اس جسم کی فکر نہیں، ذراسا بخار آ جائے گا فکر ہو جائے گی، ڈاکٹر کے پاس جاؤ، انجکشن لگاؤ، خون ٹیسٹ کراؤ، بہت فکر ہوتی ہے، سو فیصد فکر، ذرا سی کوئی تکلیف ہو جائے، آنکھ میں تکلیف ہو جائے، ناک میں تکلیف ہو جائے، دانت میں تکلیف ہو جائے، تو اچھی طرح علاج کی فکر کی جائے، لیکن ضرورت ہے روح کے علاج کی، مگر اس کی کوئی فکر نہیں۔ روح کے اندر مثلاً حسد بھرا ہوا ہے، حسد کیا ہے؟ دوسرے شخص کے پاس اللہ کی نعمتوں کو دیکھ کر جلنا اور یہ کوشش کرنا، تمنا کرنا کہ اس کے پاس یہ نعمت نہ رہے، کسی کے پاس عمدہ کوٹھی دیکھی، اپنے پاس اتنی طاقت نہیں کہ عمدہ کوٹھی بنا لے، اندر اندر جلتا ہے، کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح گر جائے، اس کے پاس یہ نہ رہے، کسی کے پاس دوکان دیکھی، اپنے پاس اتنی طاقت نہیں کہ ایسی دوکان بنا سکے، اس لیے جلتا ہے کہ اس کے پاس سے یہ دوکان ضائع ہو جائے۔ اسی طرح سے کسی کے پاس کوئی عہدہ دیکھا، کوئی ثروت دیکھی، دنیا کی ثروت دیکھے یا آخرت کی ثروت دیکھے، اللہ کی نعمت کو دیکھ کر کسی کے پاس یہ تمنا کرنا، یہ کوشش کرنا کہ اس کے پاس یہ نعمت باقی نہ رہے، یہ حسد ہے، روح کے اندر یہ بیماری ہے، قرآن کریم میں سورۃ الفلق میں ہے:

﴿ومن شرّ حاسد إذا حسد﴾. (الفلق:۵)

حسد سخت ترین مہلک مرض ہے، بہت سی لڑائیاں اسی حسد کی وجہ سے ہوتی ہیں، ایک دوسرے کی ترقی کو برداشت نہیں کر پاتا، یہ حسد ہے۔

اسی طرح روح کے اندر ایک مرض ہے تکبّر کا، تکبّر کے معنی اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، دوسرے کو ذلیل سمجھنا، دوسرے کو حقیر سمجھنا، یہ مرض ہے، نہایت خطرناک مرض

ہے، تباہ کن مرض ہے، حدیث پاک میں آتا ہے:

"جس کے دل میں ذرّہ برابر بھی تکبر ہوگا، جب تک اس کو اس سے خالی نہیں کر لیا جائے گا، اس وقت تک جنت میں نہیں جائے گا"۔

تو عرض کرنا یہ ہے کہ جسم کی ذرا سی تکلیف کو برداشت نہیں کر پاتے، اس کے علاج اور تصحیح کی فکر میں رہتے ہیں، یہ ایسا ہے جیسے: کسی کے کرتے کے اندر ذرا سا سوراخ پیدا ہو جائے، ذرا سا نقصان ہو جائے، اس کی فکر سوار ہے اور روح کی فکر نہیں کرتے اگرچہ وہ مہلک امراض میں مبتلا ہے، اس کی فکر نہیں کرتے، یہ ایسا ہے، جیسے جسم کی فکر نہیں کرتے، جو مہلک امراض میں مبتلا ہے، کُرتے کی فکر کرتے ہیں، جسم کی فکر نہیں کرتے، جو اصل مقصود تھا، اس کو چھوڑ دیا، جو غیر مقصود تھا اس کو اختیار کر لیا، بڑی غلطی کی بات ہے، راستے سے بھٹک گئے ہیں۔

حضرت نبی کریم ﷺ راستہ بتلانے کے لیے تشریف لائے، ایک ایک چیز کو کھول کر بیان فرما دیا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سمجھا دیا، دلوں کے اندر سمو دیا، بھر دیا، تمام زندگی کو ان کی سنت کے مطابق بنا دیا اور اس اعمال کے ڈھیر کو ان کے سپرد کر دیا، انہیں بتائیں دنیا کے پاس پہنچ کر۔

میرے محترم بزرگو اور دوستو! اللہ تبارک وتعالی نے اپنی مہربانی فرمائی کہ رحمۃ للعلمین ﷺ کو ہماری ہدایت کے لیے بھیجا اور نبوت کے دروازے کو ہمیشہ کے لیے بند فرما دیا، آئندہ کوئی نبی نہیں آئے گا، آئندہ اگر کوئی شخص نبوت کا دعوی کرے کہ میں نبی ہوں، وہ نبی تو کیا بنتا وہ تو امتی بھی نہیں رہے گا، امتی ہونے سے بھی خارج ہو جائے گا،

امت اجابت میں نہیں رہے گا، وہ تو جہنم میں جانے کے قابل ہے، اس واسطے اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کی قدر کرنی چاہیے۔ رحمۃ للعالمین ﷺ کو ربّ العالمین نے ہمارے لیے نبی بنا کر بھیجا، اپنا دین ان پر نازل فرمایا، انہوں نے تمام لوگوں کو بتلا دیا، سکھلا دیا، جتنے لوگ وہاں پر موجود تھے، انہوں نے دین کو سیکھ لیا، حضور ﷺ نے اس دین کے معانی ان کے سپرد فرما دیے اور حکم فرمایا کہ اس کو لے کر جاؤ، دنیا میں اور گھر گھر پہنچاؤ، سکھلاؤ، چناں چہ اللہ کے نیک بندے دین کے پھیلانے کی خاطر گئے ہیں، پوری کوشش کی، بہت دور تک پھیلایا۔

تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ چشت سے چل کر آئے تھے، ہندوستان اجمیر میں تشریف لائے اور اجمیر سے پھر دہلی تشریف لے گئے، سفر کرتے تھے یہ حضرات فقیرانہ زندگی تھی، ان کے ساتھ ساز وسامان نہیں تھا، جس وقت یہ اجمیر میں تشریف لائے تھے، کملیہ بچھا کر بیٹھ گئے، راجہ کا منتری جو آیا ہے، اجمیر اس زمانے میں بہت بڑا گڑھ تھا سادھوؤں اور جوگیوں کا، بڑی ریاضت کرنے والے وہاں موجود تھے، آ کر منتری نے کہا کون بیٹھا ہے؟ ہٹ جاؤ! یہاں راجہ کے اونٹ بیٹھیں گے، انہوں نے کہا اچھا بھائی، ہم ہٹ جائیں گے، راجہ کے اونٹ ہی بیٹھیں گے، چناں چہ اٹھ گئے اور راجہ کے سارے اونٹ بیٹھ گئے، اب بیٹھنے کے بعد میں انہیں جب اٹھاتا ہے تو اٹھا نہیں جاتا، اٹھنے کی طاقت ختم ہوگئی، انہوں نے فرما دیا تھا کہ راجہ کے اونٹ ہی بیٹھے رہیں گے، چناں چہ بیٹھے رہے، نماز کا وقت آتا ہے، وضو کرنے کے لیے کوئی پانی نہیں دیتا، بڑی پریشانی ہوئی، راجہ کا جو مندر تھا، اس کے دروازے پر گئے، اندر منہ کر کے بت کو خطاب کر کے کہا: تو بھی اسی کا نوکر ہے، میں بھی

اسی کا نوکر ہوں، نماز کا وقت آ گیا ہے، میں ہاتھ منہ دھو کر سیراب ہوں گا، مجھے یہ لوگ پانی نہیں دیتے، تو ہی پانی دے، وہ بت اپنی جگہ سے اٹھا اور پانی بھر کر لایا، اس کو دیکھ وہ حیرت میں رہ گئے، یہ کون ہے، جس کے واسطے ہمارا بت پانی بھرتا ہے؟!

نہیں جانتے کون ہے، یہ اللہ کا پیغام دینے والا ہے، اللہ کا ایک نیک بندہ ہے، اللہ کے دین کو پھیلانے کے لیے آیا ہے، جس وقت اجمیر سے دہلی جا رہے تھے، راستے میں راجپوتوں کا ایک گاؤں تھا، گاؤں کے لوگ آئے کہ اجمیر کا ایک فقیر دلّی جا رہا ہے، چلو! چل کر درشن کریں گے، آ کر بیٹھے، ایک ہی مجلس میں ایک ہزار چھوٹے بڑے سب مسلمان ہو گئے، ان کے سینے کے اندر ایک جوش تھا، دین حق کی تبلیغ کا، دین کو پہنچانے کا، ان کو زیادہ زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں پیش آئی تھی، دل کے اندر سب کچھ موجود تھا۔ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ نوے ۹۰ ہزار ان کے ہاتھ پر ایمان لے آئے، جہاں جہاں بھی گئے وہاں کے لوگ ایمان لے آئے، بہر حال ان کا انتقال ہو گیا، جو لوگ ان کے ہاتھ پر ایمان لائے، کتنے ان میں سے ایسے ہوں گے جنہوں نے قرآن پاک پڑھا، حافظ ہوئے، عالم ہوئے، کتنے ایسے ہوں گے جو بعد میں مشائخ ہوئے، اولیاء اللہ ہوئے، مبلغ ہوئے، مزکّی ہوئے، صاحب حال ہوئے، نہیں بتا سکتے اور ان کے ہاتھ پر ایمان لانے والوں کی اولاد کی اولاد کا سلسلہ چلا، کون بتا سکے گا؟ غور کرنے کا مقام ہے، جب اللہ کے دربار میں حاضری ہوگی، پیشی ہوگی اور اتنی بڑی جماعت کو لے کر یہ جائیں گے جنت میں، ان کے دربار میں کہ اے اللہ! اتنے لوگوں کو میں نے مسلمان بنایا، اتنے ایمان لائے، توحید کو قبول کیا، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا ان اعمال پر کیا حال ہوگا اور نبی اکرم ﷺ کی خوشی کا کیا حال ہوگا کہ میری امت

میں ایسے ایسے لوگ ہیں؟ جو اتنی بڑی بڑی جماعتوں کو مؤمن بنا کر لے آئے، یہ ہے:

﴿کنتم خیر أمة أخرجت للناس﴾ لوگوں کے واسطے نکالے گئے، لوگوں کے لیے نکالے گئے کا مطلب یہی ہے کہ دین کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچاؤ، پہنچانے کے لیے صرف اتنا کافی نہیں کہ صرف ان کے سامنے بیان کردو، بلکہ اپنی عملی زندگی میں وہ چیز ظاہر ہو، اپنے قلب کے اندر بھی اس کی پختگی ہو، تمام زندگی کا ہر گوشہ اس روشنی سے منوز ہو۔

زیادہ تر اسلام پھیلا ہے عرب تاجروں کے ذریعہ، وہ لوگ عرب سے گئے ہیں، دوسرے ممالک میں، جہاں پر گئے سچائی اور دیانت کے ساتھ ہی رہے، جو معاملہ کیا راست بازی کے ساتھ کیا، دھوکہ سے بچے، جھوٹ سے بچے، سود سے بچے، رشوت سے بچے، جو حرام طریقہ سے آمدنی ہو، ان سب سے محفوظ رہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنی برکت عطا فرمائی ہے ان کے ہر قول میں، ہر فعل میں، لوگ ان کے حالات دیکھ دیکھ کر مسلمان ہونے لگے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا احسان وفضل وکرم ہے کہ یہ جماعت کی صورت پیدا فرمائی، اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ جس زمانے میں وہاں کے حالات کے مطابق جو چیز زیادہ ضرورت کی ہو، اسی کو عام فرمایا کرتے، اسی کا اہتمام فرمایا کرتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگروں بڑا زور تھا، اس لیے ان کے واسطے جادوگر منگوائے گئے، وہاں کیا کیا؟ ایک عصا عطا فرمایا تھا، عصا کو ڈالا، بہت بڑا زبردست اژدہا بن گیا اور سارے سانپوں کو نگل گیا، جو جادوگروں نے بنائے تھے، جس کو دیکھ کر وہ لوگ حیران رہ گئے، کہ ارے بھئی! یہ تو بڑا جادوگر ہے، ان کے زمانے میں

جادو کا بڑا زور تھا، ان کو معجزہ ایسا ہی عطا کیا، جس کے ذریعہ سے جادوگروں کو شکست ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں زور تھا طب کا، حکمت کا، بہترین ماہر طبیب ہوتے تھے، صرف آواز سن کر مرض کو پہچان لیتے، صورت دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں، نبض پر ہاتھ رکھنے کی بھی ضرورت نہیں، آج تھرمامیٹر کے ذریعے مرض کی تشخیص کی جاتی ہے، دور سے آواز سن کر بتلا دیتے تھے کہ مرض کیا ہے؟ اس کے لیے دوائیں تجویز کر دیتے تھے، اس زمانہ میں اللہ تبارک وتعالی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور ان کو معجزہ یہ دیا کہ علاج کر دیتے، اکمہ وابرص کا، یہ دو مرض ایسے تھے جن کا علاج ان لوگوں کے پاس نہیں تھا، ایک تو وہ جو پیدائشی نابینا ہو، اس کی آنکھوں کا کوئی علاج ان کے پاس نہیں تھا، جس کی آنکھوں میں پتلی ہی نہیں، آنکھ کا پردہ ہی نہیں، اس کا کیا علاج ہے؟ ایک ابرص، برص سفید نشانات پڑ جاتے ہیں اور پڑتے پڑتے پورا جسم سفید ہو جاتا ہے، برص کی بیماری اسے کہتے ہیں۔ یہ دو مرض ایسے تھے جن سے اس زمانہ کے طبیب عاجز تھے کہ اس کی دوا تجویز کریں، علاج کریں، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معجزہ دیا کہ ایسے مریض کے جسم پر ہاتھ پھیرا، اللہ تعالی نے شفا عطا فرمادی اور لیجیے جو مردہ جسم ہو اس کے اوپر ہاتھ پھیرا، تو وہ چل رہا ہے۔ مردہ بھی زندہ ہونے لگے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے، آؤ! مقابلہ پر کون سا حکیم آتا ہے؟ کون سا ماہر طبیب آتا ہے؟

حضرت نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں بڑی شان شوکت تھی فصاحت وبلاغت کی، بڑا زور وشور تھا، ایسے ایسے فصیح وبلیغ تھے کہ اپنے مقابلہ میں ساری دنیا کو عجم کہتے تھے اور اپنے آپ کو عرب، عرب کہتے ہیں بولنے والے کو اور عجم کہتے ہیں گونگے کو، اپنے علاوہ سب کو عجم اور گونگا کہتے تھے، شہد کے اسی ۸۰ نام ہیں ان کے پاس، تیر کے پانچ

سو نام ان کی لغت میں، گھوڑے کے بہت سے نام عربی زبان میں، مصیبت کے چار ہزار نام ہیں عربی لغت میں، حتی کہ لکھا ہے مصیبت کے ناموں کا یاد کرنا سب سے بڑی مصیبت ہے، اتنی قسمیں تھیں۔

ایسے وقت میں حضرت نبی اکرم ﷺ تشریف لائے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو معجزہ عطا فرمایا فصاحت وبلاغت کا اور بھی بہت سے معجزات دیے گئے، لیکن فصاحت وبلاغت کا معجزہ ایسا تھا کہ اس نے سب کو ساکت کر دیا، لوگ کہتے تھے ان کے پاس کوئی جن آتا ہے، کوئی پیغام آ کر ان کو سکھا جاتا ہے، یہ تو شاعر ہے، یہ تو گھڑتے ہیں، یہ تو ساحر ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھا اعلان کر دو:

﴿قل لئن اجتمعت الجن والإنس على أن يأتوا بمثل هذا القرآن لا يأتون بمثله ولو كان بعضهم لبعض ظهيراً﴾.(۱)

تم تمام جنات اور انسان سے مل کر یہ چاہو کہ اس جیسا قرآن بنا لاؤ، ہرگز نہیں بنا سکتے، وہ لوگ عاجز ہو گئے ایسا قرآن بنانے سے، ایسا قرآن نہیں لا سکے، اس کو اور جگہ کہا گیا: دس آیتیں بنا لاؤ اور کہا گیا: ﴿فأتوا بسورة من مثله﴾ (۲) ایک ہی سورت اس جیسی بنا لاؤ، نہیں لا سکے، کہاں سے لاتے؟ اس واسطے قرآن کریم کا مقابلہ اپنی فصاحت سے نہیں کر سکتے اور کسی نے ارادہ بھی کیا اس جیسا لانے کا، قرآن پاک میں ہے: ﴿والسماء ذات البروج﴾ (۳) میں لکھتا ہوں، کہتا ہوں: والسماء ذات

---

(۱) الإسراء:۸۸.

(۲) البقرة:۲۳.

(۳) البروج:۱.

الـفـروج، ایسے کہنے والے تھے،نہیں لکھ سکے اس جیسا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو ایسا معجزہ عطا فرمایا۔

اس زمانے میں لوگ خوب سمجھتے تھے کہ یہ کلام، کلام الٰہی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سورۃ الکوثر ﴿إنـا أعـطینـك الکوثر، فصل لربك وانحر، إن شانئك هـو الأبتـر ﴾(۱) لکھی اور لکھ کر دروازہ پر لٹکا دیا کہ بھئی! جو بڑے شاعر ہیں، اس کے مقابلہ میں لے آئیں، ایک شاعر تھا بڑا زبردست، اس نے آگے لکھ دیا: "مـا هـذا قول البشـر"۔ مقابلہ کی ضرورت تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے لشکر زبردست پیدا فرمائے، اتنے زبردست کہ دوسرے مقابلہ نہ کر سکے، جس وقت میں مسلمان گئے ہیں اور جا کر انہوں نے سمندر میں گھوڑے ڈالے، ادھر مشرکین پہاڑوں پر بیٹھے ان کا یہ حال دیکھ رہے تھے، کہنے لگے: اہرمن نے ہماری بات سن لی۔ ابھی مسلمانوں نے گھوڑے ڈال دیے تو کیا ہوا؟ سب کے سب غرق ہو جائیں گے، مگر سارے کے سارے سمندر کے پار نکل گئے، کوئی غرق نہیں ہوا۔ اب انہیں پریشانی ہوئی، حتی کہ کہنے لگے: یہ دیو ہیں دیو، دس دس مشرکین مل کر ایک مسلمان کو گرانا چاہتے ہیں، نہیں گرا پاتے اور اگر کسی کو گرا بھی دیا تو یہ سمجھتے تھے یہ دوبارہ زندہ ہو گیا، اس زمانہ میں اس کی ضرورت تھی، غرض جس زمانے میں جس چیز کی ضرورت ہوئی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے انتظامات فرمائے۔ جیسے گرمی کے زمانے میں ٹھنڈی چیزیں پیدا فرماتے ہیں اور سردی کے زمانے میں گرم چیزیں پیدا فرماتے ہیں، یہ خداوند تعالیٰ کا نظام ہے۔ مہربانی ہے، اب یہ ہمارا آخری دور چل رہا ہے، ہمارے اعتبار سے تو آخری ہے، آخری دور ایسا آیا کہ اس زمانے میں نہ گھوڑے

(۱) الکوثر۔

ہاتھی کی ضرورت ہے، بلکہ اس زمانے میں ضرورت ہے تبلیغی جماعت کی کہ جو پھیلا ہوا ہے سیلاب، اس سیلاب کو روکنے کے لیے، اسی طریقہ سے جماعت کی جماعت نکلے اور تمام عالم اسلام میں پھیل جائے، آپ اللہ کے دین کو لے کر جائیں اور لوگوں کو شناسا کراتے چلے جائیں کہ لوگو! یہ ہے دین، جتنی چیزیں آج پیش کی جارہی ہیں، جتنی اسکیمیں آج بنائی جارہی ہیں، سب کی سب ناکام اور فیل ہو چکی ہیں، بڑی بڑی حکومتوں والے، بڑے بڑے سیاسی، بڑے بڑے ایٹم بم تیار کرنے والے سب لوگ سمجھ گئے ہیں کہ یہ مادی دنیا بے کار ہے، دنیا ایسی ہی بے راحت ہے کہ جو تلاش کرتی پھرتی ہے کہ کہیں اسے راحت مل جائے۔

میرے محترم دوستو! اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے کہ آپ حضرات کے دل میں حق تعالیٰ نے بات ڈالی ہے اور اس چیز کو عام فرمایا ہے، اب دنیا نا آشنا نہیں ہے، کوئی نہیں کہتا کہ یہ تبلیغ کا کام بے کار ہے، اس کو لے کر اٹھیے اور دنیا پیاسی ہے، ان کے دل پیاسے ہیں، ان دلوں کے اندر جا کر اس آب حیات کو ڈالیے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے ذریعہ سے ان کو سیرابی عطا فرمائیں گے، ان کی دینی زندگی بنے گی، وہ سمجھیں گے کہ ہم کہاں تھے اور کس لیے پیدا ہوئے تھے اور ہم کدھر جا رہے ہیں، اس واسطے یہ حق تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس تبلیغ میں ہر شخص حصہ لے سکتا ہے، جو شخص ساری زندگی وقف کردے، کیا کہنے! نور علی نور اور جو شخص ساری زندگی نہ دے سکے، تین چلّے، سات چلّے دے سکے وہ بھی کامیاب، جو شخص تھوڑا وقت دے سکے وہ بھی کامیاب، لیکن بھئی! جیسی جیسی قربانی ہوگی ویسی ویسی کامیابی ہوگی اور تبلیغ میں جانے والے اپنے آپ کو فراموش نہ کریں، بلکہ یہ سمجھیں کہ فلاں جگہ جا کر دیکھا کہ وہاں کلمہ نماز سے بھی واقف

نہیں ہیں۔إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

یہ ایسا ہے جیسے کھانا خود کھائے، دوسرا بھوکا رہے، کیا ہماری غیرت گوارا کرے گی کہ کھانا ہم خود کھائیں اور دوسرا آدمی بھوکا رہے، اللہ نے ہم کو وسعت دی ہے۔ غیرت گوارا نہیں کرے گی، ایمان کا تقاضا بھی نہیں ہے، آدمی تو آدمی جانور کو بھی کھلانا چاہیے۔

ایک عورت تھی فاحشہ، پچھلی امتوں کی بات ہے، اس کو پیاس لگی، اس نے کنویں میں سے پانی نکالا، اس نے دیکھا کہ کتے کا ایک پلہ پڑا ہوا ہے، وہ پیاس کی وجہ سے زبان نکال رہا ہے، اس نے سوچا کہ اس کو بھی اسی طرح سے پیاس لگ رہی ہے، جیسے مجھے لگ رہی ہے، چناں چہ اس نے کنویں میں سے پانی نکال کر اس کو پلایا، اس زمانے کے نبی کو بتایا گیا کہ اس عورت کی مغفرت ہوگئی، فاحشہ تھی، بدکاری کرتی تھی، لیکن کتے کے بچہ کو پانی پلانے سے اس کی مغفرت ہوگئی۔(۱) اس واسطے یوں سمجھتے ہوئے کہ ہمارا ایک بھائی بھوکا پیاسا رہے، اس کو کھانا دینے کی ضرورت ہے، ہماری ذمہ داری ہے، اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے نکلنے کی ضرورت ہے اور اگر کوئی شخص خلافِ اخلاق کو ہی اختیار کرے، بے مروّتی سے پیش آئے، بات نہ سنے تو اس پر ناراض نہ ہونا چاہیے، بلکہ یوں سوچے: اے اللہ! کلمہ تو تیرا یہ حق ہے، تبھی تو تو نے یہ نبی کو عطا فرمایا اور یہ شخص تیرا محبوب ہے، تبھی تو تو نے اس کو ایمان کی دولت سے نوازا ہے، پھر یہ میری زبان سے نکلا ہوا کلمہ سننے کو تیار نہیں ہوتا، یہ میری زبان کا قصور ہے، میری زبان گنہگار ہے، اسی وجہ سے کلمہ حق کی تاثیر نہیں ہو رہی ہے اس پر، اس لیے اپنے گناہوں پر

---

(۱) رواہ مسلم فی المساقلۃ، باب فضل سقی البھائم المحترمۃ وإطعامھا: رقم الحدیث: ۵۸۶۰.

رونے، توبہ کرنے کی ضرورت ہے، جو شخص کلمہ حق کو قبول کر لیتا ہے، اس کی تعریف کرنے، قدر کرنے کی ضرورت ہے، ایک میں ہوں کہ کتنی مدت سے مجھ پر تبلیغ کی جا رہی ہے، مگر میں آمادہ نہیں ہو رہا تھا، ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ اس کے سامنے کلمہ کہلوایا، اس کے سامنے پیش کیا، اس نے قبول کرلیا، کیسی کیسی صلاحیتیں پیدا فرمائیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدمی کے اندر۔

محترم دوستو! بڑی بڑی صلاحیتیں موجود ہیں، بے شمار موجود ہیں صلاحیتیں آدمی کے اندر، مگر وہی بات ہے شیر کا بچہ ہے، بھیڑوں میں پرورش پا رہا ہے، اس لیے اس عادت کو ختم کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے لیے اپنے آپ کو وقف کرنے ضرورت ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کا سب سے بڑا اجہاد یہ ہے کہ جس کے دل میں دین کی طلب نہ ہو، اس میں دین کی طلب پیدا کرے، دین کی طلب پیدا کرنا مقصود ہے، اس واسطے اللہ کی راہ میں نکالے جاتے ہیں کہ دین کی طلب پیدا ہو، دیکھو! دین کی طلب پیدا ہو تو خود اہل دین کے پاس جائیں گے، اہل دین سے دین کو حاصل کرنے کی کوشش کریں، اگر دین کی طلب ہی نہیں تو اہل دین کی طرف جائے گا کون؟ دین کی طلب ہوگی تو مدارس تو میں آئیں گے، قرآن کریم بھی پڑھیں گے، حدیث بھی پڑھیں گے، تفسیر بھی پڑھیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کو عالم بنا دے گا اور جب یہ دین کی طلب ہوگی تو بزرگوں کے پاس جائیں گے، صحبت حاصل کرنے کے لیے، ان سے نصیحتیں لینے کے لیے اور جب دین کی طلب ہی نہیں، تو نصیحتیں حاصل کرنے کے لیے کون جائے گا ان کے پاس؟ اس واسطے یہ طریقہ بہت آسان

ہے، ہر شخص کے لیے اس میں حصہ لینے کا موقعہ ہے، یہاں تک کہ جو شخص بالکل نکما ہو، کچھ بھی نہیں جانتا، وہ بھی حصہ لے سکتا ہے۔

ایک میواتی سے پوچھا: بھئی! تم لوگ عربی تو بالکل نہیں جانتے، اردو بھی صحیح نہیں آتی، تم عرب کے علاقے میں جاتے ہو، تم وہاں جا کر کیا کام کرتے ہو؟ کہنے لگے مولوی صاحب! آدم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے، ایک بیٹے نے دوسرے بیٹے کو قتل کر دیا اور چوں کہ یہ پہلی میت تھی، پتہ نہیں تھا کہ میت کے ساتھ کیا معاملہ کیا جاتا ہے؟ پریشان تھا وہ قاتل کہ کیا کروں؟ اللہ نے دو کوّے بھیجے، ایک کوّے نے دوسرے کوّے کو مار دیا اور پھر پنجوں سے زمین کھود کر اس میں دبا دیا، اس کی سمجھ میں آ گیا کہ مرے ہوئے کو یوں دبا دیا جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ سمجھانا چاہیں تو کوّے کے ذریعہ سمجھا دیں، ہمارے ذمہ تھوڑے ہی ہے سمجھانا۔ ہمارا کام تو یہ ہے کہ بات کہہ دیں اور اللہ سے دعا کریں کہ میں نے تو ٹوٹی پھوٹی بات کہہ دی، باقی بات تو سمجھا دے، چناں چہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت کام لیا، ان لوگوں سے ایسے ایسے موقعہ پر کام لیا جہاں ماحول بالکل الگ ہے، زبان الگ ہے، طرز اور طور طریقہ سب کا بالکل الگ ہے، لیکن اس کے باوجود کام لیا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اور سمجھا دیا اور اگر کوئی شخص نہ سمجھے تو کوئی حرج نہیں، ان کو تو صرف کوشش کرنا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی، وہ خود نہیں سمجھا پاتے تھے، جلدی سے بات کو، اس لیے حضرت ہارون علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی، تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دین کا کام کریں، ان کے لیے بات کو سمجھانا آسان ہوگا، صاف صاف بات کہہ سکیں گے۔ اسی طریقہ پر یہاں بھی متکلم جس کو بنایا جاتا ہے، وہ متکلم ایسا ہو جو صاف صاف بات کہے اور سمجھا دے اور اللہ تبارک

وتعالیٰ اثر ڈالنے والے ہیں، جو شخص کچھ بولتا ہے، اللہ کی مدد سے اس نے بات کہہ دی، آواز اس کی زبان سے نکل گئی، لیکن اس آواز کو سامعین کے کانوں تک پہنچانا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا کام ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل اور توفیق کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا، بغیر اللہ کے فضل کے سامعین تک آواز نہیں پہنچتی، فہم عطا فرمانے والے: اللہ۔ قلوب میں باتوں کا ڈالنا یہ بھی تو اللہ کا کام ہے، زبان سے صحیح طور پر بات نکالنا یہ بھی تو اللہ کا فضل، سننے والے کے کان میں ڈالنا، یہ بھی اللہ کا فضل۔ اور پھر اس کا مطلب سننے والے کو سمجھا دینا، یہ بھی اللہ کا فضل، اس کو سمجھنے کے بعد اس کے دل کے اندر عمل کرنے کا داعیہ پیدا ہونا یہ بھی اللہ کا فضل، ہر کام اللہ کے فضل سے ہوتا ہے، یہ اعضاء، یہ ظاہری چیزیں بہت معمولی چیزیں ہیں، ناقدری ان کی بھی نہ کی جائے، یہ نہ سمجھے کہ یہ بے کار ہیں، اللہ نے کوئی چیز بے کار پیدا نہیں کی، ہر چیز کے اندر صلاحیت ہے، ہر چیز کے اندر تاثیر رکھی ہے، قوت دی ہے، وہ قوت اگر معلوم نہ بھی ہو، ہمیں تو یہی سمجھنا چاہیے کہ ہم اپنی طاقت سے کچھ نہیں کر سکتے، نکمّے، بے کار ہیں، لیکن حق تعالیٰ کا فضل شامل حال ہو تو ان نکمّوں ہی سے کام لے لیں، جس شخص کو بولنا نہ آتا ہو، اس سے بھی کام لے لے۔

ایک دفعہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم دیوبند تشریف لائے، دیوبند میں دار العلوم ایک مدرسہ ہے، علماء خدا کے فضل وکرم سے اس زمانے میں بہت اعلیٰ درجہ کے تھے، ایک بوڑھے میاں جی سے فرمایا: بھائی! تم تقریر کرو۔ اس بوڑھے آدمی نے اپنی زبان میں کہا: حضرت! میں تقریر کروں ان عالموں کے سامنے؟ کہا: ہاں! تم تقریر کرو۔ وہ کھڑا ہوا، اس نے کہا: دیکھو بھائی! ہم لکھے پڑھے نہیں، ہم کچھ نہیں جانتے، حضرت جی نے فرمایا تقریر کرنے کو، اس واسطے کھڑا ہو گیا تقریر کرنے کو،

ایک زمین دار ہے جس کے یہاں گائے، بھینس وغیرہ پلی ہوئی ہیں، دودھ بھی ہوتا ہے، مکھن بھی ہوتا ہے، مکھن کی ایک بڑی مٹکی ہے اور زمین دار کے دو بیٹے ہیں، زمین دار نے بڑے بیٹے سے کہا: اس مکھن کی مٹکی کو تو اٹھا کے لا۔ اس نے جواب دیا، فرصت نہیں اٹھانے کی، زمین دار نے کہا: فرصت نہیں اٹھانے کی؟ ٹھیک ہے، جھوٹ نہیں بولا اس نے، اس نے چھوٹے بیٹے سے کہا: چلو بیٹے! مکھن رکھنے والی مٹکی اٹھا کر لے آؤ، وہ تھی بھاری، اس سے اٹھائی نہیں گئی، ہاتھ میں سے پھسل کر گر گئی، مکھن سارا خراب ہو گیا، اب بتاؤ زمین دار کس پر خفا ہوگا؟ چھوٹے بیٹے پر یا بڑے بیٹے پر؟ بڑے بیٹے پر ہوگا؛ کرنے کا کام تو اس کا تھا، چھوٹا تو کمزور ہے۔

بس اسی طرح سے دیکھ لو! ہم لوگ تو ہیں چھوٹے بچے، ان پڑھ، آپ لوگ علماء ہیں بڑے اور یہ دین کی مٹکی ہے، اس کو لے جا کر پھیلانا ہے ساری دنیا میں، آپ حضرات کام کر رہے ہیں، پڑھانے لگے ہیں، آپ کو فرصت نہیں تو ٹھیک ہے، کام کر رہے ہیں، ہم یہ نہیں کہتے کہ غلط بات ہے، ٹھیک ہے! کام بھی کر رہے ہیں، فرصت نہیں آپ کو، ہمیں کیا، ہم لے کر چلے آئے، اس دین کی مٹکی کو، ہم سے تو بس مکھن خراب ہی ہوگا، یہ مٹکی ٹوٹے گی ہی اور کیا ہوگا؟ جواب دو! یہ کہہ کر بیٹھ گئے، ان پڑھ آدمی علماء کی مجلس میں کسی طرح سے بات کر کے بیٹھ گئے، ان کے مقام کو بھی برقرار رکھا، جو اعلیٰ درجہ کے ہیں، بڑے ہیں، دین کا کام کر بھی رہے ہیں اور یہ بھی کہ ہم لوگ نا اہل ہیں، پر تمہاری ذمہ داری کیا ہے؟

اس واسطے اس کام کو پہلے یوں سمجھنا کہ میرے اندر یہ صلاحیت پیدا ہو جائے، تب کروں گا، یہ غلط ہے۔ اہلیت تو اس طرح سے پیدا ہوگی کہ اہل کے ساتھ میں

رہے اور کام کرنے والے کو دیکھتا رہے، سمجھتا رہے، اس سے نصیحت حاصل کرتا رہے، یہ جماعت چلتی ہے، اس میں چلتی ہے، اس میں یہی ہوتا ہے، ہر بڑا چھوٹوں کو دیتا رہتا ہے، ہر چھوٹا بڑوں سے حاصل کرتا رہتا ہے، دس باتیں اس نے اس سے حاصل کی، دس باتیں اس نے اس سے حاصل کی، اس طریقہ پر کام آہستہ آہستہ چلتا رہتا ہے۔

ایک ایک چیز لوگوں کے جی کے اندر ہے، وہ اسے سمجھاتے ہیں اور دین کا کام درست ہوتا رہتا ہے، اس لیے ﴿أخرجت للناس﴾ یہ جماعت یہ امت لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے کہ دین کو جہاں تک ہو سکے زیادہ سے زیادہ لوگوں میں عام کیا جائے، پھیلایا جائے، اس وقت نکلنے کی ضرورت ہے۔

اس امت کو خیرِ امت کہا گیا ہے اور اس کا کام بتایا گیا ہے، کام یہ ہے کہ امر بالمعروف کرتی ہے اور نہی عن المنکر کرتی ہے، یعنی بھلائی اور خیر کو پھیلاتی ہے، برائی اور شر کو مٹاتی ہے، بھلائی کو زیادہ سے زیادہ پھیلانا، برائی کو زیادہ سے زیادہ روکنا، منع کرنا یہ امت کا فریضہ ہے، اس وجہ سے یہ امت خیر امت ہے، جہاں جائے گی سچائی کو پھیلائے گی، جھوٹ کو روکے گی، اخلاص کو پھیلائے گی، نفاق کو مٹائے گی، محبت کو پھیلائے گی، آپس کے بغض کو مٹائے گی، غرض جتنی باتیں اللہ کو پیاری ہیں، اللہ کے رسول ﷺ کو پیاری ہیں، ان چیزوں کو زیادہ سے زیادہ پھیلاتی ہے، آپ ہی غور کیجیے، ایک وہ شخص ہے جو پھول پھیلاتا ہے، خوش بو پھیلاتا ہے، جس مجلس میں جاتا ہے معطر کر دیتا ہے، اگر، لوبان، خوش بو کے پھول جگہ جگہ پر پیش کرتا ہے اور ایک وہ شخص ہے جو بدبو پھیلاتا ہے دنیا میں، دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے؟ اس کی وجہ سے دماغ معطر ہوتے ہیں، فرحت پہنچتی جاتی ہے، دوسرے کی وجہ سے طبیعت مکدر ہوتی جاتی ہے، قلوب پر میل آ جاتا

ہے، پریشانی بڑھتی چلی جاتی ہے۔

تو نبی اکرم ﷺ دنیا میں تشریف لائے، خیر کو پھیلانے کے لیے اور یہ ذمہ داری امت کے سر عائد فرما گئے، امت نے اس کام کو کیا انجام دیا، سب دنیا پر چھا گئی امت، کوئی ملک ایسا نہیں جہاں حضور ﷺ کی دعوت نہ پہنچی ہو، روئے زمیں پر کوئی جگہ ایسی موجود نہیں جہاں اللہ کے پاک رسول ﷺ کا نام جاننے والے موجود نہ ہوں، کچھ لوگ مانتے ہیں، کچھ لوگ نہیں مانتے، باقی جانتے سب کے سب ہیں، اس کام کے واسطے حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے میوات کے علاقہ کا انتخاب فرمایا، میوات کا علاقہ دہلی کے قرب وجوار میں دور تک چلا گیا، اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کس قدر جہالت تھی، عرب کی جاہلیت کو بھی مات کر رکھا تھا، میں خود اس علاقہ میں گیا ہوں، جگہ جگہ جا کر دیکھا ہے، کیفیت یہ تھی، سروں پر چوٹی رکھی ہوئی ہے، گنگا داس اور جمنا داس نام ہیں، گھروں میں مورتیاں رکھی ہوئی ہیں، کہیں کوئی کلمہ جاننے والا نہیں، نماز تو بعد کی چیز ہے، اور اس قوم میں ایک دھونس کہلاتی ہے، ایک نقارہ ہوتا ہے، ایک بستی میں وہ نقارہ رکھا ہوا ہے، جب کوئی عالمگیر جنگ ہوتی ہے تو ایک جگہ پر وہ نقارہ بجایا جاتا ہے، جس کی آواز پانچ کوس تک جاتی ہے، پانچ کوس کی دوری پر ایک دوسرا نقارہ رکھا ہوتا ہے، اس کی آواز سن کر وہ نقارہ بجایا جاتا، پھر اس کی آواز جاتی پانچ کوس تک، غرض اس طریقہ سے تمام علاقہ میوات میں یہ آواز پھیل جاتی تھی، یہ ایک نفیر عام کی صورت تھی، جس شخص کے پاس جو اوزار ہوں، چاقو، لاٹھی، پھائی، چھرا، بلم لے کر نکل آتے تھے اور لڑائیاں ہوتی تھیں، انگریز نے ہر چند چاہا کہ وہاں امن قائم ہو، وہاں کے لوگ انسانیت سیکھیں، اس کے واسطے سخت سے سخت حاکم مقرر کیے وہاں،

جنہوں نے مجرموں کو سخت سزائیں دیں، چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، دوسرے کی عورت کو لے بھاگنا ان کے یہاں کوئی جرم نہیں سمجھا جاتا تھا، یہ بہت معمولی چیز تھی، یہ کیفیت تھی، ایسے علاقے کا انتخاب کیا ہے اسی تبلیغی کام کے واسطے۔

حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بستی کے آدمیوں کو نماز پڑھنا سکھائی، اس نے نماز پڑھی، دوسرے لوگ جمع ہو گئے، ایک دوسرے کو اشارہ کر کے ملاتے تھے کہ دیکھو اس کو کیا ہو گیا ہے؟ جن بھوت کا اثر ہے، اوندھا سیدھا جو ہو رہا ہے، یہ کیفیت ان لوگوں کی تھی۔

ایک بستی میں جانے سے معلوم ہوا کہ یہ بستی ساری مسلمانوں کی ہے اور اس کے قریب دوسری بستی غیر مسلموں کی ہے، مسلمانوں سے پوچھا، بھائی! تم میں اور ان میں کیا فرق ہے؟ کیوں کہ خدا کے پیغام سے، قرآن سے، نماز سے تم بھی ناواقف اور وہ بھی ناواقف، زنا، چوری، بدکاری سب تمہارے یہاں بھی ہوتی ہے ان کے یہاں بھی ہوتی ہے، کوئی کام اسلام کا تمہارے اندر نہیں ہے، تو تم میں اور ان میں کیا فرق ہے؟ تم مسلمان کہلاتے ہو اور وہ غیر مسلم؟ تو اس نے صاف صاف بتایا کہ ہمارا نکاح قاضی پڑھاتا ہے اور ان کا نکاح پنڈت پڑھاتا ہے، اتنا فرق ہے۔

ایک جگہ جانا ہوا، وہاں مسجد تو بنی ہوئی تھی، پرانے زمانے کی، کئی سو سال پہلے کی، مگر اس میں بکریاں بیٹھی تھیں، بکریوں کی مینگنیوں کا ڈھیر تھا، کوئی اذان کہنے والا نماز پڑھنے والا نہیں تھا، اس مسجد کو جا کر صاف کیا، مینگنیاں نکالیں، اذان کہی، لوگ اکٹھے ہو گئے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ بدگمانی ان میں پیدا ہونا شروع ہوئی، ایک کہتا تھا: سرکاری آدمی ہیں، جاسوس ہیں، ایک کہتا تھا: فتنہ برپا کرنے کے لیے آئے ہیں، اپنے ایسے تھانہ سے

تحقیق کے لیے پولیس آ گئی، یہ سب چیزیں ابتدا میں پیش آئیں، ان لوگوں میں ایک میاں جی ہوتا تھا، کسی کسی گاؤں میں، جس کے پاس ایک چھری ہوتی تھی، کئی سو سال سے پڑی ہوئی، ذبح کرنے کا وقت آتا تو میاں جی کے پاس جانور آتے، وہ ''بسم اللہ، اللہ اکبر'' پڑھنا نہیں جانتا، کیوں کہ اس چھری پر پڑھی ہوئی ہے، اس کے ذریعہ سے ذبح کرتا، یہ کیفیت تھی۔

غرض عجیب حالات تھے وہاں کے، حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے اس علاقہ کا انتخاب کیا ہے اس خدمت کے لیے، ایسے اکھڑ علاقے میں کام کرنے کی داغ بیل ڈالی، جہاں علم نہیں، عمل نہیں، اخلاق نہیں، کوئی چیز نہیں، ایسے علاقہ میں شروع شروع میں سخت سے سخت دشواریاں بھی ہوئیں۔

ایک گاؤں میں تشریف لے گئے، لوگوں نے کہا: فلاں شخص چوبدری ہے، اپنے مکان کے سامنے بیٹھتا ہے، اگر وہ اس کام کے لیے کھڑا ہو جائے تو سب کھڑے ہو جائیں گے، اس کے پاس گئے، جا کر پاس بیٹھے، وہ سرہانے بیٹھا ہے، حضرت پائنتی بیٹھے اور بیٹھ کر بات کرتے رہے، بات کرتے کرتے اس کی تھوڑی کی طرف ہاتھ بڑھایا، یا مانوس کرنے کے لیے، اسے غصہ آیا، دوسری مرتبہ پھر سے ہاتھ بڑھایا، تو اس نے کہا میری ڈاڑھی پر ہاتھ بڑھاتا ہے، تیرے لاٹھی ماروں گا، مولانا نے فوراً پیر پکڑ لیے اس کے اور فرمایا: اب تو لاٹھی نہیں مارو گے، اب تو خوش ہو گیا، اس طریقہ پر لوگوں کو مانوس کیا، وہ لاٹھی مارنے کا ارادہ کرتا ہے، حضرت مولانا اس کے پیر پکڑ لیتے ہیں، غرض ایسے علاقہ میں کام کیا، یہ تو آپ حضرات کے یہاں نام پڑ گیا ہے تبلیغ کا، انہوں نے تبلیغ نام نہیں سنا تھا، انہوں نے کہا دین سیکھنے کے لیے چلو۔ چوں کہ صدیوں سے وہ لوگ آباد

تھے اور کسی زمانہ میں ان کے بڑے مسلمان ہوئے تھے، اس وجہ سے مسلمان کہلاتے تھے اور کوئی بات اسلام اور ایمان کی ذرا بھی ان میں نہیں تھی، ان لوگوں کے دلوں میں جذبہ پیدا کیا کہ دین سیکھنے کے واسطے چلو، ایک میاں جی ان کے ساتھ ہو گیا۔

اول تو مولانا کے یہاں اپنا جو مدرسہ تھا، دہلی نظام الدین میں تعلیم ہوتی تھی، تعلیم کی کیا صورت تھی؟ قرآن کریم ناظرہ پورا پڑھا دیتے تھے اور کم سے کم ایک پارہ حفظ کرا دیتے تھے اور کچھ تھوڑا سا لکھنا سکھا دیتے تھے، تا کہ خط لکھنے پڑھنے کا کام آ جائے۔ اس کے بعد چھوڑ دیا، جاؤ! اپنا کام کرو، یہ ان کے یہاں کی تعلیم تھی اور بہت ہی غریب لڑکے، کوئی لڑکا کانا ہے، کوئی اندھا ہے، کوئی لنگڑا ہے، گھر کے کسی کام کا نہیں، ماں باپ کے اوپر بار ہے، تو حضرت مولانا جاتے تھے کہ اچھا بھائی! اسے ہمیں دے دو، اسے لا کر پڑھاتے، دین سکھاتے، دیر تک یہ صورت جاری رہی۔

ایک مرتبہ ایک لڑکا آیا، ہاتھ میں کڑے پہنے ہوئے، ہندوانہ طریقے پر دھوتی پہنے ہوئے، ڈاڑھی منڈی ہوئی تھی، تعارف کرایا تو معلوم ہوا کہ وہ مولانا کے یہاں کا پڑھا ہوا ہے، کسی زمانہ میں یہاں پڑھ کر گیا تھا، اس کو دیکھ بہت صدمہ ہوا، بہت افسوس ہوا، افوہ! یہاں ان پر اتنی محنت کی جاتی ہے اور وہاں جا کر ان کا یہ حال ہو جاتا ہے، پھر ذہن منتقل ہوا کہ جب تک ماحول نہیں بدلے گا، اس وقت تک تعلیم بھی کار آمد نہیں ہونے کی، اس واسطے کہ بچے یہاں ماحول میں رہتا ہے، تعلیم حاصل کر کے جاتا ہے، وہاں کا ماحول خراب ہے، ماں باپ، بہن بھائی، چچا، ماموں، خالو وغیرہ یہ سب کے سب غلط راستے پر ہیں، لہٰذا وہ بھی جا کر ان کے اندر جذب ہو جاتا ہے، اس لیے ماحول کی تبدیلی کی ضرورت ہے، ماحول کی تبدیلی کے واسطے دین سیکھنے کے عنوان پر یہ کام

شروع کیا، اپنے اپنے جھولی میں چنے لیے اور نکل جاؤ چالیس روز کے واسطے، ایک میاں جی ان کے ساتھ ہیں اور جماعت کی جماعت چلی جارہی ہے، چالیس روز کے واسطے، وہ میاں جی پڑھا لکھا ہے، کتنا پڑھا لکھا ہے؟ قرآن شریف اس نے پورا پڑھ رکھا ہے اور کچھ تھوڑی سی اردو جانتا ہے، نماز جانتا ہے اور ان لوگوں کو، کسی کو کلمہ یاد کرا رہا ہے، کسی کو الحمد یاد کرا رہا ہے، کسی کو التحیات یاد کرا رہا ہے، جیسی جیسی جس کی حالت ہے وہ یاد کرتا ہے، چالیس روز تک یہ لوگ تبلیغ میں رہے اور اس چالیس روز کے اندر اندر انہوں نے کیا کیا؟ وضو کرنا سیکھ لیا، نماز پڑھنا سیکھ لیا، الحمد یاد کرلی، قل ہو اللہ یاد کرلی، درود شریف یاد کرلیا، اس چالیس روز کی مدت میں انہوں نے زنا نہیں کیا، شراب نہیں پی، انہوں نے چوری نہیں کی، انہوں نے ڈاکہ نہیں ڈالا، انہوں نے آپس میں لڑائی نہیں کی، انہوں نے یہ سیکھا کہ ماں باپ کا ادب کیسے کیا کرتے ہیں؟ بھائی بہن کے کیا حقوق ہیں؟ مسافروں کے کیا کیا حقوق ہیں؟ بہت ساری باتیں انہوں نے آہستہ آہستہ سیکھ لیں، چالیس روز کے بعد جب یہ جماعت کے لوگ واپس آئے، انہوں نے آکر صبر وسکون کے ساتھ زندگی نہیں گزاری، بلکہ اس بات کو سکھایا، دوسروں کو ترغیب دی اور ہر شخص ان کو دیکھ دیکھ کر یہ سوچتا کہ واقعی یہ تو بہت اچھے ہو کر آئے ہیں، پہلے بری عادتیں تھیں، وہ عادتیں اب ان کے اندر نہیں، ماں باپ سے پہلے لڑا کرتے تھے، اب ماں باپ کی خدمت کرتے ہیں، پہلے چاہتے تھے کہ محلہ والوں کا مال لوٹ لیں، اب چاہتے ہیں کہ غریبوں کی مدد کریں، پہلے اس فکر میں رہتے تھے کہ چوری کرلیں اور اب چوری سے حفاظت کی فکر میں رہتے ہیں، کتنا بڑا تغیر ہوا ان کی زندگی میں؟! تو دوسری جماعت نکلی، پھر تیسری نکلی اور پھر کچھ روز کے بعد یہ پہلی مرتبہ جو نکلے تھے، چالیس روز کے لیے یہ بھی

دوبارہ نکلے۔

غرض یہ سلسلہ عام طور پر جاری ہوگیا اور حضرت مولانا نے یہ فرمایا کہ دیکھو! جہاں جہاں بزرگ ہیں، مشائخ ہیں، وہاں جاؤ اور ان سے ہرگز مت کہو کہ آپ تبلیغ کے لیے ہمارے ساتھ باہر چلیے، ان حضرات نے جو مشاغل اختیار کیے ہیں تزکیہ باطن کے یا تعلیم کے، کوئی حدیث پڑھا رہا ہے کوئی فقہ پڑھا رہا ہے، کوئی تفسیر پڑھا رہا ہے، ان حضرات نے پورے دلائل کی روشنی میں اس کا انتخاب کیا ہے، ان سے یہ مت کہو کہ آپ ان دینی خدمات کو چھوڑ دیں، بلکہ ان سے یہ کہو کہ حضرت! کام بہت بڑا ہے اور ہم لوگ نا اہل ہیں، ہمارے اندر صلاحیت نہیں، آپ دعا کیجیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کام کو صحیح طریقہ پر چلائے، ہماری نا اہلیت کی وجہ سے کام خراب نہ ہو، ہمیں اس کا ڈر رہتا ہے، یہ دعا ان سے کراؤ، چناں چہ یہ ہوتا تھا، جگہ جگہ جاتے تھے یہ لوگ اور پھر اس کا اتنا رواج ہوا کہ ان لوگوں کے لیے مشکل نہیں چلّے کے لیے نکلنا، یہاں تو بہت دیر ہوتی ہے، تشکیل کرنے میں، نام لکھایا جاتا ہے، بار بار کہا جاتا ہے، کوئی صاحب اٹھتے ہیں، تھوڑی سی ہمت کر کے، کوئی جھنجھلا کر، کوئی کسی طریقہ سے، مگر نکلنا بہت آسان، فوراً نکل جاتے ہیں۔

اب پھر ان لوگوں کے درمیان میں کیا انقلاب ہوا، اتنا بڑا فرق ہوا کہ ایک شخص نے چوری کی، تھانیدار نے اس کو پکڑ کر جیل میں ڈالا، پوچھا کہ تو تبلیغی جماعت میں جاتا ہے کہ نہیں جاتا؟ اس نے کہا: نہیں، میں نہیں جایا کرتا، اس کی پٹائی کی، پٹائی کر کے اس شرط پر چھوڑا کہ جا کر تبلیغ میں چلّہ دے، تھانیدار غیر مسلم تھا، وہ جانتا تھا کہ جو تبلیغی جماعت میں جاتے ہیں، چوری ان کی چھوٹ جاتی ہے، بداخلاقی چھوٹ جاتی ہے، ان

کے اندر بڑا تغیر پیدا ہو جاتا ہے، کتنے تعجب اور حیرت کا مقام ہے کہ غیر مسلم اس سے اتنا اثر لیتے ہیں اور مسلمان اس کی طرف متوجہ ہوں تو کتنا بڑا فائدہ ہوگا؟

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ دو آدمی، دونوں کے دونوں تبلیغ میں جانے والے، ان کے درمیان لڑائی ہوگئی، شیطان تو ہر جگہ لگا ہوا ہے، یہ تھوڑا ہے کہ تبلیغ والوں کو چھوڑ دے گا، بالکل نہیں، وہ کسی وقت نہیں بخشے گا، وہ تو مرتے وقت تک ساتھ رہے گا، اس واسطے لڑائی ہوئی، ایک نے دوسرے کے گھونسہ مارا منہ پر، جس سے اس کا دانت ٹوٹ گیا، بس دانت ٹوٹتے ہی اس گھونسہ مارنے والے کو خیال ہوا: افسوس! میں تو تبلیغ میں چلّہ دے چکا، جماعت میں گیا تھا، بڑی خطا ہوئی میرے سے تو، اب بڑا پریشان ہوا، آیا اپنے میاں جی کے پاس، میاں جی لڑائی میں دانت ٹوٹ گیا میرے ہاتھ سے دوسرے کا، بتلاؤ اس کی کیا سزا ہے؟ قرآن میں دیکھ کے بتاؤ۔ میاں جی نے قرآن کا مطالعہ کیا اور اس میں پڑھا: ﴿السن بالسن﴾ دانت کے بدلہ دانت، کہا بہت اچھا لیٹ گیا اور جس کا دانت ٹوٹا تھا اس سے کہا: بھائی! تو توڑ لے میرے دانت، جس طرح سے ہو سکے توڑ لے، میری طرف سے اجازت ہے، وہ آیا اس سے نہیں ٹوٹا، وہ سینے پر بیٹھے بیٹھے پوچھتا ہے: میاں جی! معاف کرنا کیسا ہے؟ میاں جی نے کہا: قرآن پاک میں آیا ہے: ﴿وأن تعفوا أقرب للتقوى﴾ ۔ ﴿وأن تعفوا خير لكم﴾ میاں جی نے کہا: معاف کرنا اعلیٰ بات ہے، اس نے کہا میں نے معاف کردیا۔ تو یہ انقلاب ہوا طبائع میں۔ طبائع میں انقلاب ہونا معمولی بات نہیں، بہت بڑی چیز ہے، جن لوگوں کی زندگی اس طرح سے گزری وہ لوگ یہاں تک پہنچ جائیں، یہ معمولی بات نہیں، اگر یہ غلطی سے کسی وقتی جذبہ، کسی وقتی داعیہ سے یہ غلطی سرزد ہوگئی اور دانت ٹوٹ گیا تو فوراً انتقام دینے کو تیار اور جو

کچھ وہ فیصلہ کردے اس کے واسطے وہ آمادہ ہیں۔

اس لیے میرے محترم دوستو اور بزرگو! ضرورت ہے کہ ہم اس کام میں حصہ لیں اور حصہ لینے کی یہی صورت ہے کہ اس کام کی اہمیت کو دیکھیں، حضرت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو! جب تبلیغ کے واسطے نکلو تو پہلے وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ کر یہ سوچ لو کہ یہ کام اتنا اہم اور عظیم الشان ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کام کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے، یہ کام کیسا ہے؟ معمولی کام نہیں، یہ نہیں کہ دو پیسے کا سودا خریدنے کے لیے جارہے ہیں، ایسا کام نہیں، تفریح کے لیے جارہے ہو، ایسا کام نہیں، بلکہ اس کی عظمت کو دل میں بٹھاؤ، اس کام کے لیے اللہ نے پیغمبروں کو بھیجا اور انہوں نے بڑی بڑی مشقتیں اٹھائیں، بعضے بعضے پیغمبروں کو آرے سے چیرا گیا، بعضوں کو آگ میں ڈالا گیا ہے، بعضوں کو قتل کیا گیا ہے، بعضوں پر پتھر برسائے گئے ہیں، انبیا علیہم السلام کے ساتھ یہ چیزیں پیش آچکی ہیں، جب اس کام کو اٹھانا اور سنبھالنا ہے، اس کو لے کر چلنا ہے، تو اس کام کے جو پیش رو ہیں، مقتدیٰ ہیں، ان کے حالات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ان کے اوپر کیا گزری؟ لہٰذا اس کام کی اہمیت اور عظمت دل میں قائم کر کے تضرع وعاجزی کے ساتھ درخواست کر کے دعا کریں کہ: اے اللہ! ہم لوگ نا اہل ہیں، ہمارے ایمانوں میں پختگی نہیں، ہمارے اخلاق میں پختگی نہیں، آج ہمارے اعمال واخلاق کی وجہ سے غیر مذہب والوں کے سامنے شرمندگی ہوتی ہے، ارے یہ مسلمان! مسلمان تو بڑے اخلاق کا ہوتا تھا، اعلیٰ کیریکٹر ہوتا تھا اس کا، آج یہ کیا بات ہے؟ اعلیٰ کیریکٹر کا تو یہ حال تھا کہ جنگ فارس کے وقت میں جب شہزادہ فارس گرفتار کر کے لایا گیا ہے، اس کے لیے سزائے موت تجویز تھی، جب اس کو قتل کرنے

وقت آیا تو اس سے پوچھا گیا کہ تمہاری آخری کوئی حسرت ہے؟ آخری خواہش ہے؟ دنیا سے جانے سے پہلے پہلے کوئی خواہش ہو تو بتاؤ، اس نے کہا مجھے توقع نہیں کہ آپ لوگ میری خواہش پوری کریں گے، کہا نہیں، پوچھا اسی واسطے رہے ہیں تم سے، بتاؤ کیا خواہش ہے؟ اس نے کہا مجھے پیاس لگ رہی ہے، پانی پلا دو۔ کہا اچھی بات ہے، ایک کٹورے میں پانی لایا گیا، اس نے کہا: اچھا وعدہ کرلو کہ جب تک میں یہ پانی نہیں پیوں گا، اس وقت تک مجھے قتل نہیں کرو گے، اچھی بات ہے، یہ ہمارا وعدہ ہے، اس نے کہا قسم کھالو، انہوں نے کہا: قسم کھانے کی ضرورت نہیں، مسلمان کا قول ہی قسم ہے، یہ بات تھی کہ مسلمان جھوٹ نہیں بولتا، جو مسلمان نے زبان سے بات کہہ دی وہی اس کے لیے قسم ہے، یہ اس کے کیریکٹر کا حال تھا، اتنا پختہ ہوتا تھا، آج تحریریں لکھائی جاتی ہیں، کوئی بیع نامہ کیا جاتا ہے تو اس کے لیے تحریر لکھائی جاتی ہے، تحریر لکھانے میں تو کوئی بات نہیں، اچھی بات ہے، پختگی ہو جائے گی، لیکن یہاں تو عدم اعتماد کی وجہ سے ہے، اسے جھوٹا سمجھتے ہیں کہ کل کو اس نے انکار کر دیا تو اس تحریر کے ذریعہ ہم دعویٰ دائر کرسکیں گے۔

جب اس کے سامنے پانی لایا گیا تو اس نے پانی پھینک دیا اور کہا: دیکھیے صاحب! آپ نے وعدہ کیا تھا، جب تک میں پانی نہیں پیوں گا اس وقت تک مجھے قتل نہیں کرو گے، اب یہ پانی تو پینا ناممکن ہے، زمین پر گر گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اطلاع کی گئی، آپ نے فرمایا کہ ہم اس کے ساتھ دھوکہ نہیں کریں گے، آزاد کر دو، چھوڑ دیا اس کو، جب آزاد کر دیا، آزاد ہونے کے بعد کہتا ہے: "أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً عبده ورسوله"۔ کلمہ پڑھتا ہے، پھر اس نے بتایا: میں اپنے دل سے تو مسلمان ہو چکا تھا بہت دیر پہلے، لیکن میں گرفتار تھا اور میرے لیے

سزائے قتل تجویز تھی اور مجھے یہ اندازہ تھا کہ اگر میں اسی حالت میں اسلام قبول کرنا ظاہر کیا تو لوگ یہی سمجھیں گے کہ یہ موت کے ڈر سے مسلمان ہوا؛ اس لیے میں چاہتا تھا کہ کسی طرح آزادی مل جائے، اس وقت اسلام کا اظہار کروں۔ (۱) تو کیریکٹر کا یہ حال تھا مسلمان کے، دوسرے دھوکہ کرتے رہیں، ہم دھوکہ نہیں کریں گے۔

ایک محدّث تھے، ان کے یہاں کا یہ حال تھا کہ جس غلام کو دیکھتے کہ یہ غلام زیادہ نماز پڑھتا ہے اس کو آزاد کردیتے، غلاموں کو یہ بات معلوم ہوگئی، لمبی لمبی نمازیں پڑھنا شروع کردیں غلاموں نے، سارے صوفی بن گئے اور وہ محدّث سب کو آزاد کر دیتے، کسی نے ان کو یہ اطلاع کی کہ یہ نماز اس واسطے پڑھتے ہیں تاکہ آزاد ہوجائیں، تو انہوں نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کے دین کی خاطر ہم کو دھوکہ دے گا ہم اس کے دھوکہ میں آجائیں گے، کوئی حرج نہیں، یہ دھوکہ دیتے ہیں بہت اچھا، یہ جانیں، ہماری طرف سے آزاد ہیں، آزاد کردیتے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً کے دور کا واقعہ ہے، جب کوئی شخص ذمّی مسلمان ہوتا تو اس کا جزیہ معاف کردیتے، محصول معاف، محصول جو حفاظت کے لیے لیا جاتا تھا ان کی نگرانی کے لیے، وہ محصول معاف کردیتے تھے، جب کوئی مسلمان ہوجاتا تھا، ان کے عامل نے اطلاع کی کہ خزانہ خالی ہوگیا، ذمّی لوگ کثرت سے مسلمان ہورہے ہیں، جزیہ ان سے معاف ہورہا ہے، اب آمدنی نہیں ہو رہی ہے خزانہ میں، کیا زوردار جواب دیا، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے "إن

---

(۱) الكامل في التاريخ، سنة سبع عشرة، ذكر فتح رامهرمز، وتستر وأسر الهرمزان: ۲/۳۸۹-۳۹۲، دار الكتب العلمية، البداية والنهاية، سنة سبع عشرة، فتح السوس: ۱۰/۶۱-۶۴، دار هجر.

محمداً قد بعث هادياً ولا جابياً"۔ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا ہادی بنا کر، ہدایت دینے کے لیے، جابی روپیہ بٹورنے والا بنا کر نہیں، تا کہ روپے بٹوریں، اس واسطے جزیہ تو معاف ہو ہی جائے گا، چاہے کوئی اپنے اسلام لانے میں صادق ہو یا نہ ہو، یہ وہ جانیں، لیکن جزیہ معاف۔

بے شمار واقعات سے تاریخیں اکابر کی، مشائخ کی، سلاطین کی، خلفاء کی بھری ہوئی ہیں کہ مسلمان اپنے قول کا، اپنے فعل کا بہت پختہ ہوتا تھا، اس کا کردار بہت اعلیٰ ہوتا تھا، اس کی مثال ملنی دور دور تک مشکل ہوتی تھی، اس کردار کو واپس لانے کے لیے، اس اعلیٰ کردار کو دوبارہ رائج کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس اخیر دور میں یہ طریقہ جاری فرمایا جو بہت زیادہ اور کارآمد ہے، تجربہ اور مشاہدہ ہے اس کا، جس جگہ پر یہ حال تھا کہ نماز نہیں جانتے تھے، کلمہ نہیں جانتے تھے، پچیس برس تک محنت کی اور جانکاہ محنت کی، گرمی کے زمانہ میں چلے، سردی کے زمانہ میں سفر کیا، برسات میں بھی سفر کیا، غرضیکہ بہت سی پریشانیاں اٹھائیں، لیکن ہر پریشانی خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کی۔

ایک مرتبہ ایک پہاڑ پر چڑھنا ہوا، شام کے وقت جب وہاں پہنچے تو حضرت مولانا الیاس نور اللہ مرقدہ نے ایک صاحب سے کہا: بھائی! دیکھ نبی اکرم ﷺ نے کتنے پہاڑ چڑھے اس دین کی خاطر، آج ایک پہاڑ چڑھنے کی سنت ادا ہوئی تجھ سے، یہ کتنا مبارک دن ہے؟! یہ حضرات اس بات پر خوش ہوتے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کو زندہ کرنے کا موقعہ آیا۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے رات بھر نماز پڑھی، معمول تھا رات بھر، کھڑے ہو کر، قرآن سنا کرتے تھے، رمضان المبارک

میں، پیروں پر ورم آ گیا، پیڈلیوں پر ورم آ گیا، اس پر چہرے پر اتنی بشاشت کہ حضور اکرم ﷺ کے پیر مبارک پر بھی ورم آیا تھا، آج اللہ نے ہمیں اس سنت پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی۔ یہی چیز ان حضرات کی خوشی کا ذریعہ ہوتا تھا، خوش کرنے والی چیز ہوتی تھی کہ نبی اکرم ﷺ کی ایک سنت زندہ ہوئی، حضور اکرم ﷺ کی ایک سنت پر ہمیں عمل کرنے کی توفیق ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل وکرم ہے، دین کی خاطر مشقتیں برداشت کی، پچیس برس تک محنت کی، ہر جگہ پر اپنا مبلغ چھوڑا، ہر جگہ مکتب قائم کیے اور ان مکاتیب میں مدرسین کی تنخواہ اپنے پاس سے دی، گاؤں والوں سے نہیں مانگی، چندہ نہیں کیا، پچیس برس بعد پھر جانا ہوا، پانچ پانچ کوس کے علاقہ کے جو دیہات تھے ان کا ایک علاقہ بنا کر پنج کوسہ تجویز کر دیا، ایک جگہ پر پہنچے ہیں، دریافت فرمایا کہ بھائی! بتاؤ اس پنج کوسہ میں کیا کام ہوا پچیس برس میں؟ ایک شخص مستقلاً مبلغ موجود تھا، اس نے بتلا دیا کہ حضرت! ہمارے اس پانچ کوسہ کے علاقے میں تین یا چار آدمی ایسے ہیں جو تہجد کے پابند نہیں، باقی سب تہجد کے پابند ہیں۔ جہاں نماز سے واقف نہ تھے، وہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس محنت کی برکت سے یہ انقلاب فرمایا کہ تین یا چار آدمی ہی صرف ایسے ہیں جو تہجد کے پابند نہیں، باقی سب تہجد کے پابند ہیں۔

ایک جگہ پہنچے، وہاں بتلایا کہ چار پانچ آدمی ایسے ہیں جو جماعت کے پابند نہیں، ورنہ سب کے سب جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے پابند ہیں، ایک پنج کوسہ میں جہاں سخت ترین لڑائی اور سر پھٹول رہتی تھی، کسی نے کسی کا ہاتھ توڑ دیا، مار کر سر توڑ دیا، یہ چیز رات دن رہتی تھی وہاں، دریافت کیا، بتلایا: اس پانچ کوس کے علاقہ میں کوئی دو مسلمان ایسے نہیں کہ جن کے درمیان آپس میں لڑائی اور عداوت ہو، سب کے سب

بھائی بھائی بن کر رہتے ہیں، کتنا بڑا انقلاب ہے؟ طبائع کا انقلاب لانا یہ بڑی چیز ہے، اس لیے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کا جہاد سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ جس دل میں دین کی قدر نہیں اس کے اندر دین کی قدر پیدا کر دینا، دین کی تڑپ پیدا کر دینا، جب دین کی طلب ہوگی تو آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف عالیہ کو بھی تلاش کرے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق جمیلہ کو بھی دیکھے گا، آپ علیہ السلام کی تمام پاکیزہ زندگی کو اختیار کرے گا، ہر بات میں لوگوں سے پوچھے گا کہ اس میں سنت طریقہ کیا ہے؟ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ارشاد ہے؟ اپنی زندگی کو آزاد نہیں رکھے گا، بلکہ پابند بنا دے گا، جبکہ دین کی طلب ہوگی، اگر دین کی طلب نہیں ہوگی تو پھر کچھ نہیں ہوگا۔

یہ آپ جانتے ہیں کہ تبلیغ میں تقریریں اصل نہیں، تقریر جو کی جاتی ہے وہ کچھ لچھے دار نہیں ہوتی، تقریروں کی ضرورت بھی نہیں، وہ تو صرف لوگوں کو آمادہ کرنے کا ذریعہ ہے، اصل مقصود تو کام ہے، عمل ہے، اس کام اور عمل کو اختیار کرنا یہ مقصود ہے، اسی کے ذریعہ سے ہوتا ہے جو کچھ ہوتا ہے۔ تقریر تو محض آمادہ کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ مولانا فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو! جب تبلیغ کے لیے چلو تو دو رکعت نماز پڑھ کر، اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے گناہوں سے توبہ کر کے، استغفار کے ساتھ اور یہ تصور کرتے ہوئے کہ اللہ پاک نے اس کام کے لیے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو بھیجا، آج یہ کام ہم جیسے نااہل اور ناکارہ لوگوں کے سپرد کر دیا۔ اے اللہ! اس کو خراب ہونے سے بچا، اے اللہ! ہمارے گناہوں کی نحوست کی وجہ سے یہ بے تاثیر نہ ہو جائے، یہ تصور کر کے چلو اور ہلکی ہلکی آواز سے ذکر میں مشغول رہو، سبحان اللہ، اللہ پاک ہے، ہر عیب سے، الحمد للہ، ہر

خوبی اللہ کے لیے ہے، لا الٰہ الا اللہ، حکم ماننے کے قابل صرف اللہ کی پاک ذات ہے، اللہ اکبر، اللہ سبؐ سے بلند اور بالا ہے، خاص کر لفظ اللہ اکبر کو کہتے ہوئے جاؤ اور جہاں کسی بھائی سے ملاقات ہو اس کے آس پاس کھڑے ہو جاؤ اور ہر شخص اپنے قلب سے، زبان سے ذکر میں مشغول رہے، دھیان اللہ کی طرف رہے، اس فضا میں معاصی بھرے ہوئے ہیں، ظلمت بھری ہوئی ہے، ضلالت وجہالت بھری ہوئی ہے، اللہ کے ذکر سے اس فضا کو منوّر و معطر کرو، تاکہ وہ جہالت دور ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت قریب ہو، آہستہ آہستہ کلمات پڑھتے رہو، ایک شخص متولی کلام ہو اور وہ سوچے کہ یا اللہ! کسی طرح سے ایسا ہو کہ بغیر میرے کہے خود بخود اس بھائی کے جی کے اندر یہ بات آجائے، جو میں کہنا چاہتا ہوں، تیرے دین کو اس تک پہنچانا چاہتا ہوں، یہ بات تو خود اس کے قلب میں ڈال دے، مجھے کہنے کی نوبت نہ آئے اور پھر یہ سوچے کہ اگر کوئی اور شخص کہتا تو اچھا تھا میرے کہنے کے بجائے، پھر کہے اس سے نہایت ادب واحترام کے ساتھ یہ سمجھتے ہوئے کہ میں گنہگار ہوں، اگر وہ شخص چھوٹا ہے تو یوں سمجھے کہ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے؟ ابھی اس نے گناہ کہاں کیے؟ بہت کم گناہ کیے ہوں گے، میری عمر زیادہ ہے، میری ڈاڑھی سفید ہو گئی گناہ کرتے کرتے، میرا منہ نہیں کہ اس کے ساتھ بات کہہ سکوں، دین کی دعوت دے سکوں اور اگر عمر میں بڑا ہے تو سوچے کہ اس نے نیکیاں زیادہ کی ہوں گی، اللہ کو زیادہ یاد کیا ہوگا، زیادہ عمر گزری اس کی، میں کس منہ سے کہوں، اپنے اندر پوری پوری ندامت کا احساس کر کے پھر اس سے کہے، اس ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ:

بھائی! کلمہ پڑھنے سے ایمان تازہ ہوتا ہے، اپنا کلمہ آپ کو سناتا ہوں، آپ

میرا کلمہ سن لیں، اگر اس میں کوئی غلطی اور کوتاہی ہے تو اس کی آپ اصلاح کردیں، آپ میرے گواہ بن جائیں اور پھر آپ اپنا کلمہ سنادیں، تاکہ میں آپ کا گواہ بن جاؤں، ہم دونوں حضور اکرم ﷺ کی امت کے دو بھائی ہیں، آپس میں ایک بھائی کا دوسرے بھائی پر حق ہوتا ہے، اس واسطے کلمہ پڑھنے سے گواہ بن جائیں گے ایک دوسرے کے اور آپ ہمارے ساتھ فلاں مسجد میں آج نماز پڑھ لیں، گشت کے لیے چل رہے ہیں۔ اپنے بھائیوں کی خوشامد کرنے کے لیے نماز کے واسطے، آپ کے پاس وقت ہو، موقعہ ہو تو، ذرا آپ بھی مہربانی کرکے تشریف لے آئیں، جب وہ ساتھ ہولیں، لے جائیں ان کو۔

اس طریقہ پر اس سے بات کریں، اگر وہ قبول کرلیتا ہے بہت خوشی کا اظہار کرنا ہے کہ اے اللہ! تیرا شکر ہے، احسان ہے، تونے اس بندہ میں کتنی خوبیاں رکھی ہیں کہ ایک مرتبہ اس کے سامنے بات پیش کی گئی، اس نے قبول کرلی اور اگر وہ ناخوشی کا اظہار کرے، قبول نہ کرے تو پھر یہ سوچے کہ میرے اندر یہ کھوٹ ہے، میرے اندر خرابی ہے، ورنہ تو یہ دعوت کو ضرور قبول کرلیتا۔ اس طریقہ پر کام کریں اور جس بستی میں جائیں وہاں اگر جماعت کا استقبال ہو، لوگ خوشی کے ساتھ آجائیں، ٹھہرنے کا بھی انتظام کریں، آپ کی تعلیم میں بھی شرکت کریں، گشت میں بھی شریک ہوں، جماعت بھی بن جائے، باہر نکلنے کا بھی موقعہ مل جائے تو آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہمارا کام ہوگیا، ہمارا مقصد حاصل ہوگیا اور فرمایا کرتے تھے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کہ یہ سمجھ لیں کہ ہمارا کام ہوگیا، ہمارا مقصد حاصل ہوگیا، ورنہ اندیشہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں جب حاضری ہوگی، حساب کتاب ہوگا، وہاں آپ سے یہ نہ کہہ دیا جائے کہ جس

مقصد کے لیے آپ نے دنیا میں کام کیا تو وہ تو مقصد وہیں حاصل ہو گیا، پھر ہم سے کیا چاہتے ہو؟ اس واسطے یوں نہ سمجھے کہ ہمارا مقصد حاصل ہو گیا، ہمارا مقصد تو اس دنیا میں حاصل ہونا ہی نہیں، ہمارا مقصد کیا ہے؟ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہر قدم پر ہر بول پر ہر سانس پر اللہ کی خوش نودی ہم کو نصیب ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ کے خزانہ عامہ سے ہمیں کچھ ملے، ہمارا مقصد تو وہ ہے اس دنیا میں جو کچھ آتا ہے وہ تو انعام وجیز ہے، مختصر سا انعام ہے، جو اس دنیا میں مل جاتا ہے، ورنہ تو حقیقت میں اس دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے انعامات کو سمونے کی طاقت نہیں، یہ دنیا برداشت نہیں کر سکتی، اس لیے یوں نہ سوچے کہ حصول مقصد ہو گیا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اے اللہ! تیرا شکر ہے، تو نے ان بھائیوں کے اندر وہ صلاحیت عطا کر رکھی ہے کہ انہوں نے اس دعوت کو قبول کیا، وہ آمادہ ہو گئے، اے اللہ! ان کو شرح صدر کر دے، یہ دین کے کام کے لیے آگے بڑھیں، اگر وہ قبول نہ کریں اور دعوت کی جماعت کی تشکیل نہ ہو پائے، وہاں استقبال نہ ہو تو ان سے ملوم نہ ہوں، رنجیدہ نہ ہوں، یوں نہ سمجھے کہ ہم ناکام رہے، جماعت کامیاب نہیں ہوئی۔

دیکھو! جماعت تو ہر وقت کامیاب ہے، اس کے تو ناکام ہونے کا سوال ہی نہیں، اس واسطے کہ اس کا کام کیا ہے؟ جس کو کامیابی کہا جاتا ہے، وہ کام کیا ہے؟ وہ کام ہے اللہ کی خوش نودی، لہٰذا یہ سوچتے ہوئے کہ اللہ کے دربار عالی سے ہمیں کچھ ملے گا، یہ سوچتے ہوئے قدم بڑھائیں گے، آگے بڑھتا چلا جائے گا، ہمت بلند ہوتی چلی جائے گی، یہ نہ سوچے کہ ہم ناکام ہوئے اور مایوس ہو کر بیٹھ جائیں ایسا نہیں، دیکھیے! منوانا تو پیغمبروں کی بھی ذمہ داری نہیں ہے، منوانا تو صرف اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے، وہ جس کو چاہیں گے منوا دیں گے، نہیں چاہیں گے نہیں منوائیں گے، پیغمبروں کی ذمہ داری

بھی منوانا نہیں ہے، بلکہ کام بتانا، راہ پر لگانا، کوشش کرنا، خوشامد کرنا، کوشش کرنا، کوشش کرتے رہنا یہ ہے، اس کام میں لگا رہنا چاہیے، جو شخص اس کام میں لگا رہا وہ کامیاب ہے، چاہے اس کی کوشش سے کسی ایک جگہ میں جماعت نہ بنی ہو، چاہے اس کی کوشش سے ایک آدمی بھی نماز پڑھنے کے لیے نہ آیا ہو، لیکن وہ کامیاب ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے: جب اللہ تبارک وتعالی کے یہاں جنت میں داخلہ ہوگا اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام جنت میں آئیں گے، کوئی پیغمبر ایسے ہوں گے جن کے ساتھ دس آدمی، کسی کے ساتھ نو، آٹھ، سات، چھ، پانچ، چار، تین، دو، ایک۔ بعضے پیغمبر ایسے ہوں گے کہ ان کے ساتھ ایک آدمی ہوگا، یعنی زندگی بھر اللہ کے پیغام کو پہنچایا، لیکن ایک شخص ان پر ایمان لایا، لیکن ان کی پیغمبری میں کوئی فرق نہیں، جس طرح سے پیغمبر اولو العزم آئے تھے، اسی طرح سے وہ ہیں، ان سے یہ مطالبہ نہیں ہوگا کہ لوگوں نے کیوں نہیں مانی تمہاری بات؟ وہاں تو یہ مطالبہ ہوگا کہ تم نے کتنی پہنچائی؟ کتنی محنت کی؟ اس راستے میں کتنی جدوجہد کی؟ کتنا سر کھپایا؟ وہاں تو یہ سوال ہوگا، بعضے پیغمبر ایسے ہوں گے کہ جن کے ساتھ ایک بھی آدمی نہیں ہوگا۔

ایک جماعت کے لیے ان کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا، وہاں زندگی بھر کوشش کی اور زندگی بھر کوشش کرنے پر بھی ایک آدمی بھی ان پر ایمان نہیں لایا، لیکن ان کی پیغمبری میں کوئی فرق نہیں، آپ دیکھیے! ایک بینک ہے، سرکاری اس کی حفاظت کے لیے سپاہی

---

(۱) رواہ البخاري في الطب، باب من اكتوى أو كوى غيره......، رقم الحديث: ٥٧٠٥، وباب من لم يرق، رقم الحديث: ٥٧٥٢، وفي الرقاق، باب: يدخل الجنة سبعون ألفاً بغير حساب، رقم الحديث: ٦٥٤١، ومسلم في الإيمان، باب الدليل على دخول طوائف من المسلمين الجنة بغير حساب ولا عذاب، رقم الحديث: ٥٢٧، والترمذي في صفة القيامة: رقم الحديث: ٢٤٤٨.

کھڑا ہوا ہے، بندوق ہاتھ میں لیے ہوئے ہے تاکہ چور کو پکڑے، وہ پہرہ دے رہا ہے، اس کی ساری زندگی گزر جاتی ہے، بسا اوقات کہ ایک بھی چور کو نہیں پکڑا پوری زندگی میں، کیا اس کی ملازمت میں کمی ہے؟ اس کی ملازمت میں کمی نہیں ہے، وہ تو بس اسی طریقہ پر تنخواہ پانے کا مستحق ہے کہ اپنی جگہ پر وہ کھڑا ہوا ڈیوٹی دے رہا ہے، یہاں تک کہ اگر ڈاکو آ بھی گئے اور آ کر اس سپاہی کو پکڑ لیا، باندھ دیا اور قتل بھی کر دیا تو بھی وہ مجرم نہیں، اس لیے کہ اس نے اپنی کوشش پوری کر لی، اس سے تو مطالبہ صرف اتنا ہے کہ تم نے کوشش کتنی کی ہے؟ اس کوشش کو سامنے لایا جائے، اس کوشش پر اجر مرتب ہوتا ہے، حق تعالیٰ کی طرف سے جو داد و دہش ہے وہ بندہ کی نیت اور اس عمل کے مطابق ہے، اخلاص کے ساتھ جس قدر زیادہ جدوجہد کرے گا، اس قدر اس کو اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا مرتب ہوگی اور اگر کسی نے یہ سوچا کہ اس دنیا میں میری کوشش سے کوئی نہیں نکلتا وہ ہمت ہار کے بیٹھ جائے گا، تو کسی کا کیا بگاڑے گا، اپنے لیے اس نے ایک راستہ صاف کیا تھا، محنت شروع کی تھی، حق تعالیٰ کی خوشنودی کو حاصل کرنا شروع کیا تھا، اس راستے کو اس نے روک دیا، اپنے لیے دروازہ بند کر دیا، کسی کا کیا بگڑا؟

یہ یاد رہے کہ اللہ کا دین ہمارا محتاج نہیں، ہم محتاج ہیں اللہ کے دین کے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر ساری دنیا کافر ہو جائے تو بھی اللہ تعالیٰ کی خدائی میں کوئی فرق نہیں آتا اور اگر ساری کی ساری مخلوق ایمان لے آئے تو بھی اللہ تعالیٰ کی بڑائی میں کوئی فرق نہیں آتا، اللہ تعالیٰ تو اپنی جگہ پر ایسے بلند و بالا ہیں کہ وہاں پستی کا نام ونشان نہیں، کوئی گنجائش نہیں، وہاں کمی کا کیا سوال؟(۱) تو یوں نہ سمجھے کہ ہم دین کی

---

(۱) رواہ مسلم فی البر والصلة، باب تحریم الظلم، رقم الحدیث: ٦٥٧٢، والترمذی فی صفة القیامة، باب فیه أربعة أحادیث، رقم: ٢٤٩٥.

خدمت کررہے ہیں، لوگوں کے پاس جا کر اپنا احسان جتانا شروع کردیں کہ بھائی! ہم بھی تجارت والے ہیں، ہم بھی کاروبار والے ہیں، ہمارے پاس بھی بیوی بچے ہیں، ہم بھی اپنا گھر چھوڑ کر آتے ہیں۔ تم بھی آؤ، آخر ہم اتنی پریشانی میں آئے، تم خود سوچو، اپنا احسان نہ جتائیں لوگوں پر بلکہ ان لوگوں کی خوشامد کریں، حق تعالی کا فضل سمجھیں کہ اللہ تعالی نے ان سارے جھمیلوں سے آپ کو نکال کر اپنے کرم سے اپنے دین کی خدمت کے لیے قبول فرمایا، جتنی اس کو توفیق ہو جائے، اتنا زیادہ اس کو شکر گزار ہونا چاہیے۔ اللہ کا احسان مند ہونا چاہیے، یہ نہ سوچے کہ میں دوسرے پر اپنا احسان جتاؤں گا۔ اس احسان جتانے کے ثمرات اور نتائج خراب نکلتے ہیں، اپنی طبیعت میں بڑائی پیدا ہوتی ہے کہ میں دین کی خدمت کررہا ہوں، میں تقریر کررہا ہوں اور یہ دین کی خدمت نہیں کر رہے ہیں، یہ بات بہت تباہ کرنے والی ہے، برباد کرنے والی ہے، جتنی اپنی بڑائی طبیعت میں پیدا ہوگئی کہ میں بڑا عالم ہوں، میں دین کی خدمت کررہا ہوں، میں تقریر کر رہا ہوں اور یہ لوگ چھوٹے ہیں، دین سے ناواقف ہیں، نہیں جانتے یہ دین کیا چیز ہے؟ اگر یہ بات پیدا ہوگئی طبیعت میں، اس کی وجہ سے مسلمان بھائیوں کی حقارت پیدا ہونے لگی، اگر طبیعت میں، تو یہ نہایت خطرناک چیز ہے، اسی واسطے کے چھ نمبروں میں سے ایک نمبر "اکرام مسلم" ہے، کوئی شخص کتنا ہی گنہگار ہو، دین سے ناواقف ہو، لیکن اللہ کا بندہ ہے، اللہ کے ساتھ تعلق کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی مخلوق کے ساتھ خیر خواہی کی جائے۔

حدیث پاک میں آتا ہے: "خیر الناس من ینفع الناس"۔ اچھا آدمی وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے، چاہے لوگ مسلم ہوں، چاہے غیر مسلم ہوں، چاہے دین دار ہوں، چاہے بد دین ہوں، ان کو نفع پہنچانا چاہیے، بلکہ ہر مخلوق کو نفع پہنچانا چاہیے، اللہ

تبرک وتعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نفع پہنچانے میں یہ خیال نہیں فرماتے کہ یہ مسلمان ہے، اسی کو نفع پہنچایا جائے، اس دنیا میں نفع اٹھانے والے سب ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ رب العالمین ہیں، تمام جہانوں کے رب ہیں، چھوٹی سی چیونٹی بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بھی روزی دیتے ہیں، اس پر بھی رحم فرماتے ہیں، کُتے اور سور پر بھی رحم فرماتے ہیں۔ انسان اور جن پر بھی رحم فرماتے ہیں، بد دین اور دین دار پر بھی رحم فرماتے ہیں، ان پڑھ اور پڑھے ہوئے پر بھی رحم فرماتے ہیں، انسان جب اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے تو اس کو بھی سب کے ساتھ رحم کا معاملہ کرنا چاہیے، سلوک کا معاملہ کرنا چاہیے، باقی جس شخص کے اندر اوصاف عالیہ موجود ہیں وہ زیادہ تعظیم کا مستحق ہے، اس کی تعظیم اس کی حیثیت کے موافق کرنی چاہیے، لیکن رحم اور خیر خواہی کا معاملہ سب کے ساتھ کرنا چاہیے۔

حدیث پاک میں آتا ہے: "لا یؤمن أحدکم حتی لا یأمن جاره بوائقه"۔(۱) تم میں سے کوئی شخص ایمان دار کہلانے کا مستحق نہیں جب تک اس کے پڑوسی کو اس سے پورا امن نہ مل جائے، اگر پڑوسی ڈرتا رہے کہ نہ جانے میرا یہ پڑوسی کس وقت مجھ پر قدم اٹھادے گا، کس وقت میری دیوار گرادے گا، کس وقت کیا نقصان پہنچادے گا؟ یہ بات نہیں ہونی چاہیے اور پڑوسی کے لیے کوئی قید نہیں کہ مسلمان ہو، یا

---

(۱) کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال، خطب النبی ﷺ ومواعظه، رقم الحدیث: ۴۴۱۵۴، ۱۶/۱۲۸، مؤسسة الرسالة.

أن رسول الله ﷺ قال: "والله لا یؤمن، والله لا یؤمن، والله لا یؤمن". قیل: من یا رسول الله؟ قال: "الذی لا یأمن جاره بوائقه". (رواه البخاری فی الأدب، باب إثم من لا یأمن جاره بوائقه، رقم الحدیث: ۶۰۱۶).

غیر مسلم، سب کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول تھا، جب ان کے ہاں کوئی چیز اچھی پکتی تھی تو ان کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا، وہ فرمایا کرتے تھے: جب تک اس یہودی کے یہاں نہ بھیج دی جائے بطور تحفہ کے، اس وقت تک میرے بچے اس میں سے کچھ نہیں کھا سکتے، گھر والوں کو اجازت نہیں دیتا ہوں؛ کیوں کہ پڑوسی کا حق بہت زیادہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اتنی وصیت کی پڑوسی کے حقوق کی کہ یوں خیال ہونے لگا، شاید یہ اس کو میراث میں بھی شریک کریں گے۔(۱) تو پڑوسی کے لیے کوئی قید نہیں کہ مسلم ہو، دین دار ہو، بلکہ ہر ایک کے ساتھ حق ہے، پڑوسی کا حق مستقل ہے، اس کو پہچاننے کی ضرورت ہے، مسافر کا حق مستقل ہے، بڑی عمر والے کا حق مستقل ہے، ان کو پہچاننے کی ضرورت ہے، حضور ﷺ نے جو حقوق بیان فرمائے، یہ تمام زندگی کے شعبوں کو حاوی ہیں، کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے متعلق تفصیلات موجود نہ ہوں اور یہ جو چھ نمبر مقرر کیے ہیں، یوں نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ نمبر ہی دین ہے سارا، نہیں، اس کے اندر جامعیت ہے اور ان چھ نمبروں کے ذریعہ آہستہ آہستہ راستہ کھلتا چلا جاتا ہے، ہر چیز کی طرف رہنمائی حاصل ہوتی چلی جاتی ہے، تبلیغی نصاب اس واسطے پڑھایا جاتا ہے کہ ان چھ نمبروں کے ذریعہ آہستہ آہستہ راستہ کھلتا چلا جائے اور چیزیں سمجھ میں آجائیں۔

میں نے جو بری حرکت کی، کبھی خیال نہیں آیا دین کا، اب تبلیغ میں چلّے کے لیے نکلا ہے تو یاد آتا ہے کہ اوہو! میں نے فلاں کام بھی کیا تھا، فلاں حرکت بھی مجھ سے

---

(۱) رواہ البخاری فی الأدب، باب الوصاۃ بالجار، رقم الحدیث: ۶۰۱۴،۶۰۱۵.

ہوئی تھی، اس کا بدل کیا ہے، اس کا حل کیا ہے؟ میرا نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ میں کس طرح سے اس حق سے دست بردار ہو سکتا ہوں؟ یہ چیزیں آتی ہیں، یہ کیا بات ہے؟ بات وہی ہے، چھ نمبر ایسے ہیں جیسے ایک بڑے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا، ان کو آدمی کھول کے بیٹھے، پڑھنا شروع کرے، عمل کرنا شروع کرے، آہستہ آہستہ دین کی ہر شاخ سامنے آتی چلی جائے گی اور اللہ تبارک وتعالیٰ اتنا بڑا سمندر اس کے سینے میں بھر دیں گے کہ ساری زندگی کو حاوی ہوگا اور وہ چلتا چلے گا، یہاں تک کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اعلیٰ درجہ کا مقبول ہو جائے گا۔

باقی جس شخص کو یہ چیز سمجھ میں نہ آئے کہ چھ نمبروں میں کیسے یہ چیز آ گئی؟ عمل کر کے دیکھے آہستہ آہستہ ساتھیوں میں، دوسرے لوگوں میں دیکھتے دیکھتے خود اس کی سمجھ میں آنا شروع ہو جائے گا۔ اس واسطے جب تبلیغ کے واسطے نکلیں، ہمیشہ ہر مسلمان بھائی کا اکرام کریں، اس کے اکرام سے کسی وقت بھی غافل نہ رہیں، یہ اکرام بڑی دولت ہے۔

ایک دفعہ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بڑے جوش میں: ''یاد رکھو! بڑے سے بڑا عمل ایک مسلمان کی ادنیٰ سی آزاری سے اللہ کے یہاں بے رونق ہو جاتا ہے، آدمی کتنا بڑا عمل کرتا ہے، گو اس کی فضیلتیں احادیث میں موجود ہیں، لیکن اس کے ساتھ کسی مسلمان کی دل آزاری بھی ہوئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں بے رونق ہو جاتا ہے۔ حدیث پاک میں موجود ہے: ''المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ''. (۱) سچا پکا مسلمان تو وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ

---

(۱) رواہ مسلم فی الایمان، باب تفاضل الإسلام، رقم الحدیث: ۱۶۱-۱۶۳.

رہیں، نہ ہاتھ سے کسی کو اذیت پہنچاتا ہے، نہ زبان سے کسی کو اذیت پہنچاتا ہے، اس واسطے ایذائے مسلم سے حفاظت ضروری ہے، اکرام مسلم کا لحاظ ضروری ہے۔"

جب یہ پہلی جماعت تیار ہوئی، حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے اس جماعت کو ترتیب دے کر گشت کرایا، جگہ جگہ پر یہ جماعت گئی اور پھر اس کو تھانہ بون بھیجا، حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز کے وطن اور یہ تاکید کی دیکھو! تھانہ بھون نہیں جانا، بلکہ آس پاس کے دیہات میں جاؤ، سات روز تک وہاں گشت کرو، پورے اصول کی پابندی کرو، تاکہ جو لوگ حضرت تھانوی کے متعلقین، مریدین آنے والے ہیں، ان کی خدمت میں آئیں اور آکر تم لوگوں کی خبر دیں۔ جب حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچے گی تو خود ان کے اپنے آدمیوں کے ذریعہ پہنچے گی، سات روز گشت کر کے پھر جمعہ کی نماز حضرت کے پیچھے جا کر پڑھو اور جا کر حضرت سے عرض کرو کہ کام بہت اونچا ہے، ہم لوگ نااہل ہیں، ہماری نااہلیت کی وجہ سے کام خراب نہ ہو جائے، اللہ تعالیٰ ہماری نااہلیت کی وجہ سے اس کام کو خراب ہونے سے محفوظ رکھے اور نصیحت لو اور دعا لو ان سے۔

ایسا ہی کیا، جماعت گئی، گشت کیا، آس پاس دیہات میں اور پھر وہاں سے لوگ آنے شروع ہوئے اور بتایا کہ ایک جماعت ایسی ہے اور وہ یہ کہتی ہے اور یہ کہتی ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے آدمی کو بھیجا، جاؤ! تحقیق کرو کہ کون لوگ ہیں؟ ان کا مرکز کہاں ہے؟ کدھر سے آئے ہیں؟ کیا کہتے ہیں؟ کیا اصول ہیں ان کے؟ وہ تحقیق کر کے بتاتے، یہاں تک کہ جب جمعہ کا دن آیا تو یہ لوگ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی خدمت میں آئے اور حضرت نے ان کو روک لیا اور بلا کر ان کی باتیں پوچھی، تم لوگ کون

ہو؟ ان کے اصول سارے پوچھے، پھر رائے قائم فرمائی: صحابہ جیسا طرز ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی طریقہ پر دین کو پھیلایا کرتے تھے۔

پیارے دوستو! جس شخص کو اس میں شرکت کی دولت نصیب ہو جائے، وہ بڑا خوش نصیب ہے، بہت خوش قسمت ہے، اللہ نے وہ راستہ عطا فرمایا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا راستہ تھا، حضور علیہ نے اس کی بڑی ترغیب دی ہے۔

اس واسطے آپ حضرات کے یہاں جو جوڑ ہوا ہے، اس سے اب جماعت بن کر نکلیں گی دین کی اشاعت کے لیے، بس اس میں پہلی چیز تو یہ ہے کہ یوں سمجھے کہ ہم اپنے دین کی تکمیل کے واسطے اپنے دین کو پختہ کرنے، حاصل کرنے کے لیے نکل رہے ہیں، جو ہمارا بڑا ہمیں راستہ بتاتا جائے گا اس سے اپنے دین کی اصلاح کراتے چلے جائیں گے اور جتنا کچھ ہم نے سیکھا ہے اس کو دوسرے کے سامنے پیش کرتے چلے جائیں گے۔ ہمارے سیکھنے میں جو غلطی ہے دوسرے بتائیں گے تو اس کی اصلاح کرتے چلے جائیں گے اور ان سب سے ہمارا مقصود ہے اللہ کو راضی کرنا، اللہ کے خزانہ سے لینا یہ مقصود اصلی ہے، یہاں تک اگر کوئی ناگوار بات پیش آ جائے راستے میں تو اس کو بھی برداشت کرنا، ڈانٹ ڈپٹ ہو جائے اس کو بھی برداشت کرنا، لوگ اپنی مسجد میں ٹھہرنے نہ دیں، نکال دیں، لاٹھی مار کر نکال دیں، اس کو بھی برداشت کرنا، لڑنا نہیں، مقابلہ نہیں کرنا، اس واسطے کہ دین کی خاطر نکلے ہیں، طالب بن کر نکلے ہیں، اپنے دین کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں، پھر اس طریقہ پر چل کر ہمارے دین کا کوئی حصہ کہیں سے ملے گا، کوئی حصہ کہیں سے ملے گا، کوئی کسی بزرگ سے کوئی عالم سے کوئی دین دار سے ملے گا، ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ جہاں جہاں بھی جو چیز ملتی جا رہی ہے اس کو جمع کرتے جا رہے

ہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں سے نوازے۔

ہر کام کے لیے پہلے جگاؤں کی ضرورت ہے، اس واسطے کہ سب کے دل تو اللہ کے قبضہ میں ہیں، سب کی زبانیں بھی اللہ کے قبضہ میں ہیں، جس دل کے اندر اس کام سے عداوت ہے، کل اللہ تبارک وتعالیٰ اس کام کی محبت اس کے دل میں ڈال دے، جب سب کے دل حق تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں تو پھر مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور عداوت کا مقابلہ، بدلہ عداوت سے نہیں دینا، گالی کا بدلہ گالی سے نہیں دینا، بلکہ سلامتی کے ساتھ رہنا۔

مامون الرشید کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ ایک مرتبہ رات میں اٹھے، انہوں نے غلام کو آواز دی، غلام لیٹے ہوئے تھے، کہیں ایک جگہ پر، آواز دے رہے ہیں، یا غلام یا غلام! تو وہ غلام جاگ رہے تھے، مگر سب سوتے بن گئے، لیٹے رہے، پھر ایک نے کہا کہ ان سب غلاموں کو قتل کر دو، پھانسی دے دو، نہ دن میں چین نہ رات میں چین، ہر وقت یا غلام یا غلام؟! مامون الرشید خلیفہ ہونے کے باوجود خاموش واپس چلے گئے، کسی وزیر کو معلوم ہوا، وزیر نے شکایت کی بادشاہ سے کہ غلام بہت بداخلاق ہو گئے ہیں، ان کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ خلیفہ نے جواب دیا: کیا ان کی بداخلاقی کو درست کرنے کے لیے میں بداخلاق بنوں؟

تو بھائی! اگر کوئی شخص بری بات کہتا ہے تو جو چیز جس کے پاس ہے وہ کہتا ہے، ایک شخص کی زبان مانوس ہے بری باتوں سے، اس کی زبان سے برے ہی الفاظ آئیں گے، اچھے الفاظ کہاں آئیں گے؟ اچھے الفاظ سیکھے ہی نہیں بیچارے نے، ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اچھے الفاظ بولنے کی، وہ اچھے الفاظ بولے گا۔ حضور ﷺ نے بھی

گالیوں کا جواب نہیں دیا، غصہ کا جواب بھی نرمی سے دیا۔

پیارے دوستو! مسلمان تو اس لیے پیدا ہوا ہے کہ یہ ایثار کرے، گالی کھا کر دعائیں دے، نبی اکرم ﷺ پر پتھر برسائے جا رہے ہیں، لیکن آپ ﷺ نے دعائیں دے رہے ہیں: "اللھم اھد قومی فإنھم لا یعلمون"۔(۱)

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ہے کہ ایک مرتبہ کسی دریا کے کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے، یہ بادشاہت چھوڑ کر چلے گئے تھے، فقیری اختیار کر لی تھی، دریا میں ایک کشتی تھی، اس کشتی میں اس قسم کے سرپھرے لوگ تھے، انہوں نے کہا کہ یہاں مجلس رقص ہونی چاہیے، گانا بجانا شروع ہو گیا، وہاں ضرورت تھی ایک سرپٹے کی، سرپٹا کیا کہ جس کو درمیان میں بٹھالیا جائے، ایک شخص ادھر سے چپت مارے اس کے سر پر، ایک ادھر سے مارے، ہنسی مذاق اڑائیں، ایسا کوئی آدمی ہونا چاہیے، تفریح کے لیے آدمی تلاش کرنے کے لیے گئے، دیکھا بیٹھے ہوئے ہیں دریا کے کنارے پر حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ، سمجھے کہ کوئی پاگل ہے، باؤلا ہے، پکڑ لائے، لا کر کشتی پر بیٹھا لیا گیا اور ان کے ساتھ یہ معاملہ شروع ہو گیا، چپت مارنے کا، ایک نے ادھر سے مارا ایک نے ادھر سے مارا، یہ تھے بہت بڑے ولی، حدیث میں ہے: حدیث قدسی ہے: "من اذی لي ولیا فقد اذنته بالحرب".(۲) أو کماقال رسول اللہ

---

(۱) شعب الإیمان للبیهقی، باب فی حب النبی ﷺ، فصل فی حدبه علی أمته......، رقم الحدیث: ۱٤٤٧، دار الکتب العلمیة.

(۲) "من عادیٰ لی ولیاً فقد اذنته بالحرب". کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال، الباب السادس فی صلاة النوافل، الفصل الأول: ۷/ ۷۷۰، رقم الحدیث: ۲۱۳۲۷، مؤسسة الرسالة.

ﷺ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص میرے کسی ولی کو اذیت دیتا ہے، میرے کسی ولی سے عداوت رکھتا ہے، تو میری طرف سے اس کو اعلان جنگ ہے، خدائے پاک کی شان یہ ہے اس کو لوگ گالیاں دیتے ہیں، اس کے ساتھ بتوں کو شریک کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ رحم فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ پھر بھی ان کو روزی دیتے ہیں، کھانے پینے کو دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں، کہتے ہیں: خدا تعالیٰ موجود نہیں، پھر بھی خدا تعالیٰ ان کی روزی بند نہیں کرتے، تو خداوندی تعالیٰ کی شان میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ تو خداوند تعالیٰ برداشت کر لیتے ہیں، لیکن خدائے پاک کے کسی محبوب، کسی ولی کو اگر اذیت پہنچائی جائے، پھر خدا تعالیٰ اس کو برداشت نہیں کرتے۔

جب حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا تو غیرت خداوندی کو جوش آیا، وہاں سے ان کو الہام ہوا، کہو تو ہم اس کشتی کو ڈبو دیں، سب غرق کر دیں، مگر جواب دیتے ہیں: اے باری تعالیٰ! جس طرح سے آپ کو قدرت ہے ان کو ڈبونے اور غرق کرنے پر، آپ کو یہ بھی قدرت ہے کہ ان اندھوں کی، آنکھیں کھول دیں، ان کو ہدایت دے دیں، توجہ کی، جتنے تھے سب کے سب ولی ہو گئے، ان حضرات کا تو یہ حال تھا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ہے کہ اپنے گھر میں تہجد کی نماز میں مشغول تھے، کوئی چور آیا، آ کر گھر میں تلاش کیا، کچھ سامان نہیں ملا، ان کے سلام پھیرنے کا وقت آیا تو اس کو پریشانی ہوئی کہ یہ دیکھ لیں گے مجھے، چھپ گیا وہیں کہیں، دوبارہ جب نیت باندھیں گے تب چلا جاؤں گا، ان کو اندازہ ہو گیا کہ اس گھر میں چور ہے، انہوں نے اپنی گدڑی اس کے راستے میں ڈال دی اور پھر نماز کی نیت باندھ لی، تا

کہ محروم نہ جائے۔تو وہ لوگ دشمنوں کے ساتھ میں اور بدخواہوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے تھے۔

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ

ترا کے میسر شود ایں مقام کہ با دوستانت خلاف است جنگ

میں نے سنا ہے کہ خدا کے راستے کے مرد کہ انہوں نے دشمنوں کے دلوں کو بھی تنگ نہیں کیا، بلکہ انہوں نے ان کے ساتھ بھی خیر خواہی کی ہے، اس واسطے کہ مسلمان تو بدخواہوں کے ساتھ بھی خیر خواہی کرنے کے واسطے پیدا کیا گیا ہے۔

خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھلانے کے لیے پیدا ہوا ہے، خود مصیبت اٹھا کر دوسروں کو راحت دینے کے لیے پیدا ہوا ہے، اس لیے اپنے مقام کو سوچنا چاہیے، ایک مرتبہ ایک شخص نے پوچھا مولوی صاحب! یہ کھیل کود ہو رہا ہے، کرکٹ کھیل رہے ہیں، لوگ شطرنج کھیل رہے ہیں، کیا ہمارا اس میں کوئی حصہ نہیں؟ ہم کو کھیلنے کی اجازت نہیں؟ میں نے کہا: آپ اپنے مقام کو پہچانیے، ایک شخص ہے جو ہوائی جہاز چلانا جانتا ہے، ایک بستی میں حملہ ہونے والا ہے، ضرورت ہے اس بستی سے جلدی سے جلدی لوگوں کو حملہ سے پہلے نکال لائے، وہ جہاز لے کر جاتا ہے، اس کی ڈیوٹی یہ ہے کہ بستی سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو نکال کر باہر لے آئے، حملہ سے پہلے پہلے؛ تاکہ تباہی بربادی سے بچ جائیں، جاتے جاتے کہیں دیکھا کہ کرکٹ کا میچ ہو رہا ہے، اب یہ بے وقوف یہ کہے کہ میرا کوئی حصہ نہیں اس کھیل میں؟ ارے تمہاری ڈیوٹی کیا ہے؟ تمہارے سپرد کیا کام کیا گیا ہے؟ کتنا بلند کام تمہارے سپرد کیا گیا؟ اس کو چھوڑ کر تم ادھر لگنا چاہتے ہو؟ خدائے پاک نے جو ذمہ داری مسلمان پر عائد فرمائی ہے، مسلمان دوسروں کا دیکھا دیکھی اس

ذمہ داری کو چھوڑ کر لہو ولعب میں لگنا چاہتا ہے، اس واسطے اپنی ذمہ داری کو پہچاننے کی ضرورت ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے پوری ذمہ داریاں بیان فرمادیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو جمع کیا، محدثین نے ان کو کتابوں میں لکھا اور آپ تک اس کو پہنچا دیا گیا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت نبی اکرم ﷺ سے ایک روایت نقل فرماتے ہیں:

عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رسول الله ﷺ قال: "بَادِرُوْا بِالْأَعْمَالِ سَبْعاً، هَلْ تَنْظُرُوْنَ إِلَّا فَقْرًا مُنْسِيًا أو غِنىً مُطْغِيًا أَوْ مَرَضًا مُفْسِداً أَوْ هَرَماً مُفْنِداً أَوْ مَوْتًا مُجْهِزاً أَوِ الدَّجَالَ، فَشَرٌّ غَائِبٌ يُنْتَظَرُ أَوِ السَّاعَةُ فَالسَّاعَةُ أَدْهىٰ وَأَمَرُّ"۔

(رواه الترمذي، وقال: حديث حسن، جمع الفوائد: ۲۷۸/۲)۔(۱)

فرماتے ہیں: سات چیزوں سے پہلے پہلے عمل کرلو، یہ دنیا میدان ہے سعی وعمل کا، جو شخص جس قدر سعی وعمل کرے گا، اسی قدر ان شاء اللہ اس کو کامیابی ہوگی، آفتیں ساتھ ساتھ لگی ہوئی ہیں، پریشانیاں درپہ ہیں، اس واسطے فرماتے ہیں کہ سات چیزوں سے پہلے پہلے عمل کرلو:

کیا تم کو اس کا انتظار ہے کہ فقر آجائے؟ اللہ تعالیٰ نے آج ہمیں مال ودولت دے رکھی ہے، روپیہ پیسہ پاس ہے اور عمل کرنے میں یہ روپیہ پیسہ مانع ہے، کہتے ہو: پیشہ کا حرج ہوگا، دوکان کا حرج ہوگا، ملازمت کا حرج ہوگا، کیسے اعمال صالحہ کریں؟ بعضے

(۱) رواه الترمذي في الزهد، باب ما جاء في المبادرة بالعمل، رقم الحديث: ۲۳۰۶.

بعضے آدمیوں پر حج فرض ہے، مگر دوکان کا کوئی خاص انتظام نہیں ہے، اس وجہ سے وہ حج نہیں کررہے۔ اتنا زیادہ مال اللہ نے دے رکھا ہے، وہ روپیہ پیسہ پاس ہے اور عمل کرنے میں یہ روپیہ مانع ہے، اعمال صالحہ میں کوتاہی ہے اور عذر یہ ہے کہ کاروبار جو ساتھ لگا ہوا ہے اس کا کیا کریں؟ ارے! تو کیا اس کا اِنتظار ہے کہ یہ کاروبار ختم ہو کر فقر آجائے؟ تب عمل کروگے؟ اس لیے مال ودولت کی مشغولی کی حالت میں بھی اعمال صالحہ کرنا چاہیے، یہ مال ودولت تو خادم ہے اعمال صالحہ کا، معاون ومددگار ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! ہم لوگ نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، یہ جتنے اہل دولت اور ثروت ہیں، یہ بھی نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، جو کام ہم کرتے ہیں، وہ یہ کام کرتے ہیں، لیکن اللہ نے ان کو مال دے رکھا ہے، یہ صدقہ خیرات کرتے ہیں، ہم صدقہ خیرات نہیں کرپاتے، ہمارے پاس مال ودولت نہیں، یہ لوگ جنت میں ہم سے آگے چلے جائیں گے، ہم پیچھے رہ جائیں گے؟ ان لوگوں کو یہ اشکال تھا کہ یہ مال ودولت والے نیک اعمال کر کے ہم سے آگے آگے جنت میں چلے جائیں گے اور ہم پیچھے رہ جائیں گے، ہمارے پاس تو مال ودولت ہے نہیں، ہم کہاں سے صدقہ کیا کریں؟ تو انہوں نے مال داروں کی حرص کی ہے اعمال صالحہ کی خاطر کہ ان کے پاس مال ودولت ہے، یہ اعمال صالحہ کرتے ہیں۔(۱)

نبی اکرم ﷺ نے ان کو ترکیب بتائی کہ تمہارے پاس مال ودولت نہیں ہے تو تم لوگ دوسرا طریقہ اختیار کرسکتے ہو، نماز کے بعد فلاں فلاں چیز پڑھ لیا کرو اور تسبیحات

---

(۱) السنن الكبرىٰ للبيهقي، جماع أبواب صفة الصلوة، باب الترغيب في مكث المصلي في مصلاه، رقم الحديث: ۳۰۲۴، دار الكتب العلمية.

بتلا دی، ان لوگوں نے تسبیحات شروع کر دی، مال داروں نے دیکھا کہ ہمیشہ تو یہ لوگ نماز پڑھ کر چلے جایا کرتے تھے، اب بیٹھ کر کچھ پڑھتے بھی ہیں، سوچ ہوئی، فکر ہوئی، تفتیش کی، معلوم ہوا کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا تو حضور ﷺ نے پڑھنے کے لیے بتلا دیا، فلاں فلاں چیز بتا دی، انہوں نے بھی پڑھنا شروع کر دیا، ان فقراء و مساکین کو پتہ چل گیا، انہوں نے آ کر پھر حضور ﷺ سے شکایت کی کہ حضور! وہ تو ان مال داروں کو بھی پتہ چل گیا ہے اور وہ بھی پڑھنے لگے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے فضل کو میں کیسے روکوں؟

مقصد یہ ہے کہ مال داری کی حالت میں بھی آدمی اعمال صالحہ کر سکتا ہے، حج کے لیے جا سکتا ہے، اللہ کے راستے میں نکل سکتا ہے، یہ نہیں کہ فرصت نہیں، کاروبار کا کیا ہوگا؟ دوکان کا کیا ہوگا؟ ملازمت کا کیا ہوگا چلے میں نکلنے سے؟ اللہ کے راستے میں نکلنے سے، بلکہ مال داری کے ساتھ بھی اللہ کی راہ میں نکل سکتے ہیں، اعمال صالحہ کر سکتے ہیں، یہ نہ سمجھے کہ مال کمانے لگا ہوں، کیسے عمل کروں؟ کیا اس کا انتظار ہے کہ فقر آ جائے خدانخواستہ؟ پہلے حضرات کا حال مال داری میں بھی خرچ کرنے کا بہت کچھ تھا، اعمال صالحہ کرنے کا بہت کچھ تھا، اللہ کے راستے میں مال داری کی حالت میں بھی نکلتے تھے، مال بھی ان کے پاس بہت تھا۔

نبی اکرم ﷺ (۱) نے ایک مرتبہ چندہ کی فرمائش کی، جہاد کے واسطے، لوگ اپنی اپنی حیثیت سے بہت زیادہ لے کر آئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آئے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ ہمیشہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

---

(۱) رواه الترمذي في المناقب، باب رجاؤه ﷺ أن يكون أبوبكر ممن يدعى من جميع أبواب الجنة، رقم الحديث: ٣٦٧٥.

مجھ سے آگے بڑھ جاتے ہیں اعمال صالحہ میں، آج تو چندہ کا وقت آیا ہے، میرے پاس آج زیادہ وسعت ہے، میں ان سے زیادہ لے جاؤں گا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لے کر آئے، پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے: اے ابوبکر! گھر میں کیا چھوڑا؟ فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ اور اس کے رسول کا نام چھوڑا ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں چھوڑا، گھر کا جو سامان تھا، روٹی پکانے کا سامان، توا، چمچہ وغیرہ وہ بھی لاکر رکھ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا، عمر! تم کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ تو انہوں نے بتایا: آدھا چھوڑا، آدھا لے آیا۔ بس اتنا تھوڑا فرق ہے ان دونوں میں۔

مال و دولت جنت کمانے میں رکاوٹ نہیں ہیں، بلکہ نیکی کمانے میں خادم ہیں، بشرطیکہ ان سے خدمت کا کام لیا جائے اور بھائی! حسن تدبیر سے اللہ کی توفیق سے آدمی کام بھی لیتا ہے، آپ ہی غور کیجیے! قریش نے ایک مرتبہ کمیٹی کی، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کہ ہمارے بتوں کو پوجنے نہیں دیتے، منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں صرف ایک خدا کی عبادت کرو، ان کا خاتمہ کر دینا چاہیے، ایک شخص نے کہا مجھے اتنے روز دو، تو میں ان کو ختم کر دوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار لے کر اٹھے کہ اچھی بات ہے، میں جاتا ہوں اس کام کے لیے، تلوار سنبھالی اور چل دیے، راستے میں ایک اور صحابی ملے، انہوں نے پوچھا عمر کیا ارادہ ہے؟ بتلایا کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سر کاٹنے جا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا: اپنے گھر کی بھی خبر لی ہے؟ تمہاری بہن اور بہنوئی تو مسلمان ہو گئے۔ بس جو غصہ تھا ادھر کا اُدھر کو منتقل ہو گیا، گھر پہ پہنچے تو انہوں نے کواڑ کے سوراخ سے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آرہے ہیں، چہرے پر غصہ کے آثار ہیں، تناؤ ہے، ہاتھ میں تلوار ہے، ڈر گئے، گھبرا گئے، ایک

صحابی، جو اُن کی بہن اور بہنوئی کو قرآن پڑھا رہے تھے، بھی مکان کے ایک حصہ میں چھپ گئے اور انہوں نے بھی قرآن پاک کا وہ حصہ جس پر کچھ لکھا ہوا تھا اٹھا کر چھپا دیا، حضرت عمر آئے اور آ کر دروازہ کھٹکھٹایا، انہوں نے دروازہ کھولا، پوچھا کیا کر رہے تھے، تم کیا پڑھ رہے تھے، کہا: کچھ عربی عبارتیں پڑھ رہے تھے، ٹلانا چاہا، مگر کیسے ٹلتے؟ ان کو خبر ہو چکی تھے، یوں کہا میں سمجھ گیا، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم مسلمان ہو گئے ہو؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن نے کہا: اگر مذہب اسلام سچا اور صادق ہو تو اس کے قبول کرنے میں کیا اشکال ہے؟ اس پر غصہ میں بھرے ہوئے تو تھے اور ایک چپت مارا بہن کو، بہنوئی کی پٹائی کی، بہن بہر حال حضرت عمر کی بہن تھی، فرمایا: ہاں! ہم نے تو مذہب اسلام قبول کیا ہے، جو سچا ہے، تمہارا جو جی چاہے کرو۔ اب ان پر ندامت طاری ہوتی ہے کہ میں نے بہن کو مارا، لہذا غصہ رخصت ہوا اور کہا میں بھی سننا چاہتا ہوں، مجھے بھی سناؤ، کیا ہے؟ انہوں نے سنایا، اب ان کی کایا پلٹ ہو گئی، (۱) حضور ﷺ جس مقام پر مقیم تھے، وہاں گئے، ان لوگوں نے دیکھا کواڑ کے سوراخ میں سے کہ عمر آ رہے ہیں، حضور ﷺ کو اطلاع کی گئی، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے وہاں، حضرت حضرت حمزہ نے فرمایا: گھبرانے کی بات نہیں، اگر کوئی خیر کا ارادہ لے کر آ رہے ہیں، تب تو ٹھیک ہے، ورنہ انہی کی تلوار ہو گی انہی کی گردن اور دروازہ کھولا گیا، حضور ﷺ نے پوچھا عمر کیا حال ہے؟ کب تک اس طرح سے پھرتے رہو گے؟ انہوں نے کہا: میں تو اسلام لانے کے لیے آیا ہوں، اسلام قبول کیا اور اسلام قبول کرتے ہی کہا کہ چلیے! چل کر حرم شریف میں نماز پڑھیں، اس وقت تک مسلمان حرم شریف نماز نہیں پڑھ سکتے تھے، اتنی وحشت، اتنی

---

(۱) دلائل النبوة للبيهقي، باب ذكر إسلام عمر بن الخطاب رضي الله عنه: ۲/۲۱۹، دار الكتب العلمية.

دہشت تھی، چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چلے ہیں، حضور ﷺ آگے آگے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تلوار لیے ہوئے، حضرت علی بھی ہیں، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما بھی ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ہیں، سب کے سب گئے، تو جہاں کفار و مشرکین کی کمیٹی بیٹھی ہوئی تھی انتظار میں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سر اتار کر آئیں گے، انہوں نے دیکھا کہ معاملہ برعکس ہے، یہ کیا ہوا؟ ایک شخص آیا قریب میں، اس نے آکر کہا: یہ کیا ہوا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کلمہ شہادت ادا کیا اور تلوار اٹھا کر کہا کہ تم میں سے اگر کوئی شخص کسی برے ارادے سے آیا تو یاد رکھو! اس کا سر اس کے قدموں میں پڑا ہوا ملے گا۔ غرض جو تلوار حضور اکرم ﷺ کا سر کاٹنے چلی تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس تلوار سے کیا کام لیا، وہی تلوار اللہ کے دشمنوں کے مقابلہ میں ہوگئی۔

جو چیز نقصان دہ ہے اس چیز کو بدل کر نفع کی چیز بنالینا یہ حکمت کی بات ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق عطا فرمائے، مال و دولت کو آدمی نفع کی چیز بنالے اس طریقہ پر کہ اس سے خدا کی خوشنودی حاصل کرلے، یہ حکمت کی بات ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تشریف لائے، چندہ کی تحریک پر مال لے کر بڑی تعداد میں لائے، اتنے اونٹ اور اتنی اشرفیاں میری طرف سے لکھوا رہے ہیں، حضور ﷺ کی خدمت میں لاکر جھولا بھرا ہوا اشرفیوں کا ڈال دیا، اتنا وسیع تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اٹھا نہیں جا رہا تھا، حضور ﷺ ان کے دیے ہوئے روپیوں کو دیکھ رہے تھے اور مسرت کے آثار چہرے پر تھے اور فرما رہے تھے کہ: آج کے بعد اگر عثمان کوئی نفلی عبادت بھی نہ کریں تو کچھ مضائقہ نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے اتنا کچھ دے دیا۔(۱)

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب فی مناقب عثمان، وتسمیته شهیداً، وتجهیزه جیش العسرة، رقم الحدیث: ۳۷۰۰-۳۷۰۱.

تو مال کو آخرت کمانے کا جنت حاصل کرنے کا ذریعہ بنالیا جائے، نہ یہ کہ مال کی مشغولیت کی وجہ سے آدمی آخرت کو فراموش کردے، اعمال صالحہ سے رک جائے، اس لیے فرماتے ہیں: "هل تنظرون إلا فقراً منسياً" ۔آج اللہ نے سب کچھ دے رکھا ہے، بے فکری بھی ہے، کیا اس کا انتظار ہے کہ سب کچھ دیا ہوا ختم ہو کر فقر آ جائے تب عمل کروگے؟

عجیب حال تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے ہیں، ایسی حالت میں ہجرت کر کے گئے کہ ان کے پاس کچھ نہیں تھا، مدینہ طیبہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کا بھائی انصار کو بنادیا تھا، جن کو ان کا بھائی بنایا تھا انہوں نے کہا کہ دیکھو بھائی عبدالرحمٰن! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو ہمارا بھائی بنایا ہے، میرے مکان میں جتنی چیزیں ہیں سب کی سب آدھی تمہاری آدھی میری، میرے پاس دو بیویاں ہیں، یہ تو مناسب نہیں کہ ایک بھائی کے پاس دو بیویاں رہیں اور ایک خالی رہے، ان دونوں کو دیکھ لو، جو پسند ہو اس کو میں طلاق دے دوں گا، اس کی عدت ختم ہونے کے بعد تم اس سے نکاح کرلینا، یہ تو انہوں نے بھائی ہونے کا حق ادا کردیا، ادھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بلند حوصلہ رکھتے تھے، انہوں نے کہا کہ نہیں بھائی! تمہارا مال بھی تم کو مبارک ہو اور تمہاری بیوی بھی تم کو مبارک، مجھے کچھ دھندا کرنا آتا ہے، لہذا آپ راستہ بتادیں، انہوں نے دھندا کیا، اللہ نے برکت دی، (۱) آہستہ آہستہ بہت بڑھ گئے، یہاں تک ہوگئے کہ مالدار صحابہ میں سے ہو

---

(۱) رواه البخاري في مناقب الأنصار، باب إخاء النبي ﷺ بين المهاجرين والأنصار، رقم الحديث: ۳۷۸۱، والنسائي في النكاح، باب الهدية لمن عرس، رقم الحديث: ۳۳۹۰، وأسد الغابة، باب العين والباء: ۳/۳۷۷.

گئے، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک ہزار گھوڑے ان کی ملکیت میں تھے، جنگل کا جنگل بھرا ہوا تھا ان کے گھوڑوں سے، ایک ہزار اشرفی روزانہ کی آمدنی تھی اور یہ گھوڑے تجارت کے واسطے نہیں تھے، یہ گھوڑے کس کام میں آتے تھے؟

جہاد کا اعلان ہوا، ایک شخص نے آ کر کہا: میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں، میرے پاس گھوڑا نہیں ہے، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، لو میرا گھوڑا، لو میری تلوار، ایک ہزار آدمیوں کو گھوڑے دیئے، ایک ہزار آدمیوں کو تلواریں دیں، اب جب میدان جہاد میں جا رہے ہیں تو یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اکیلے نہیں ہیں، بلکہ ایک ہزار اور ہیں، اس لیے کہ جتنا جہاد یہ لوگ کریں گے جو ان کے گھوڑوں پر سوار ہیں اور ان کی تلواریں ان کے ہاتھ میں ہیں، ہر ایک میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا پورا پورا حصہ ہے، اتنے بڑے جنت کمانے والے۔(۱)

مال و دولت سے دل اٹکا ہوا نہیں تھا، جیسے مولانا عبدالحلیم صاحب دامت برکاتہم نے بیان فرمایا تھا کہ مال کی جگہ باہر ہے، اندر نہیں، جیب میں رکھی ہے، صندوقچی میں رکھی ہے، بینک میں رکھی ہے، مگر باہر رکھی ہے، دل میں نہیں، جیب میں رکھی ہے، اگرچہ وہ جیب دل کے قریب ہو، لیکن دل کے اندر نہیں ہونی چاہیے۔ اس کی مثالیں اور نظیریں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کی مبارک زندگیوں میں بڑی کثرت سے ملیں گی، مال دار ہونے کے باوجود ان حضرات کو ادنیٰ سا بھی تعلق مال سے نہیں تھا

---

(۱) تاریخ الإسلام للذھبی، سنة اثنتین وثلاثین، الوفیات، عبدالرحمن بن عوف: ۳۹۲/۳، ۳۹۳، البدایة والنھایة، سنة ۳۲، ذکر من توفی من الأعیان، عبدالرحمن: ۱۵۹/۷، ۱۶۰، دار الکتب العلمیة، وأسد الغابة، رقم الترجمة: ۳۳٦٤، عبدالرحمن بن عوف: ۳۷۸/۳-۳۸۱.

کہ اس کی وجہ سے عبادت میں کمی ہو، رکاوٹ پیدا ہو کہ اس میں لگ کر جماعت چھوٹ جائے، تکبیر اولیٰ فوت ہو یا کوئی نماز قضا ہو جائے۔ یہ بات نہیں تھی۔

ایک صحابی چلے جا رہے ہیں ایک جنگل میں، کھیت میں سے گزرے، یہاں سے ایک نوجوان لڑکا اٹھا، اس نے کہا چچا! میرے والد کا انتقال ہو گیا، انہوں نے کہا: "إنا لله وإنا إليه راجعون" پھر اس نے کہا: میں نے جو کاغذات دیکھے، حساب دیکھا، والد صاحب کے اتنے روپے آپ کے ذمہ واجب ہیں، ان صحابی نے کہا: اچھی بات ہے، جب دل چاہے آ کر لے لینا، اپنے آدمی سے کہہ دیا کہ وہ لینے کے لیے آئیں تو دے دینا، اس کے بعد پھر اس طرف سے گزر ہوا تو وہ لڑکا اٹھا اور کہا: چچا! میرے حساب کے سمجھنے میں غلطی ہو گئی، وہ اتنے میرے والد کے آپ کے ذمہ واجب نہیں، بلکہ یہ تو آپ کے ہیں میرے والد کے ذمہ، انہوں نے کہا: اچھا میں نے معاف کیا، کہنے لگا: معافی کیسی؟ میں تو دوں گا، انہوں نے فرمایا: اچھی بات ہے، دے دو، اس نے کہا: سب تو ہے نہیں، تھوڑے سے دوں گا، اچھی بات ہے، تھوڑے سے دے دو، اس نے کہا: روپے تو ہے نہیں، یہ زمین کا ٹکڑا ہے لے لو، انہوں نے کہا بہت اچھا، اس نے زمین کا ٹکڑا دے دیا، انہوں نے وہیں مصلی بچھا کر دو رکعت نماز پڑھ لی اور چل دیے، اسے وقف کر دیا۔

بے تعلقی کا یہ عالم تھا کہ وہ لڑکا کہتا ہے کہ میرے والد کے اتنے آپ کے ذمہ ہے، اس پر بھی کہہ دیا بہت اچھا، کوئی حساب کتاب دیکھنے کی ضرورت نہیں، حالاں کہ تھے ان کے اس کے ذمہ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کا دل مال کے ساتھ اٹکا ہوا نہیں تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی جو وفات ہوئی، شرّاح حدیث کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ۵۵ کروڑ (۱) کا ترکہ چھوڑا انہوں نے اور تقریباً ۲۲ لاکھ کا قرضہ

(۱) غالباً سہو کاتب ہو گیا ہے، ۵۵ نہیں، اصل میں ۵ کروڑ ہے۔ (صابر محمود)

چھوڑا، اس طریقہ پر امانت دار تھے لوگ ان کے پاس اپنی امانتیں رکھتے اور یہ فرماتے کہ بھائی! بعینہ میں اس کی حفاظت نہیں کرسکتا، میں نے اپنے رجسٹر میں لکھ لیا ہے، باقی جب ضرورت ہو، آ کر لے لینا۔(۱) اور پھر اس کو خرچ کر دیتے، مال سے بے تعلقی کا یہ عالم تھا ان حضرات کا۔

ان حضرات کی پاکیزہ زندگی کو تلاش کر کے دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ کبھی مال کی مشغولی کی وجہ سے نماز قضا نہیں ہوئی، دین کا کوئی کام نہیں چھوٹا، جہاد میں جانے سے نہیں رکے، اللہ کے راستے میں جانے سے کبھی نہیں رکے، اس لیے ہم سب کو اس کام کو کرنے کی ضرورت ہے، ایسا نہیں کہ ایک وقت کے بیان میں شریک ہو گئے، دوسرے وقت چل دیے اور شریک نہ ہوئے، تعلیمی حلقے ہیں، ان میں بھی بیٹھنا ہے، مشورہ ہے، جس جس کو طلب کیا جائے، اس میں شریک ہونا چاہیے، تقریر ہے، اس کو بھی سننا چاہیے، گشت ہے جن کے لیے تجویز کیا جائے گشت میں بھی شرکت کرنا چاہیے۔ اگر کسی نے ایک کام میں شرکت کرلی، دوسرے میں شرکت نہیں کی، وہ ایسے ہی ہے جیسے کسی حکیم نے ایک نسخہ لکھا، اس میں دو دوائیں تو استعمال کرلیں، تیسری کو چھوڑ دیا، نسخہ نامکمل ہے، فائدہ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ آمین۔

اللھم صل علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آل سیدنا ومولانا محمد وبارك وسلم۔

﴿ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار﴾.

اے اللہ! ہم سب کے گناہوں کو معاف فرما، اے اللہ! چھوٹے بڑے سب

---

(۱) رواہ البخاری فی کتاب فرض الخمس، باب برکة الغازی فی ماله حیاً ومیتاً......،
رقم الحدیث: ۳۱۲۹.

گناہوں کو بخش دے، اے اللہ! تیری رحمت بہت وسیع ہے، یہ مبارک مہینہ ہے، اس مبارک مہینے کی قدردانی نصیب فرما، اے اللہ! جن لوگوں نے نام لکھوائے ہیں، ان کے حوصلے بلند فرما، زیادہ سے زیادہ دور تک اور دیر تک وقت دینے کی توفیق عطا فرما۔ ان کے اندر پختگی عطا فرما۔ الٰہ العالمین! ان سب کو قبول فرما۔ اے اللہ! جنہوں نے نام نہیں لکھائے ان کو نام لکھانے کی توفیق عطا فرما۔ جن کو واقعی عذر ہے اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے عذر کا انتظام فرما۔ جن کو واقعی عذر نہیں محض حیلہ بہانہ بنالیا، اے اللہ! اس حیلہ بہانہ بنانے والے کے جی میں اس کام کی اہمیت کو ڈال دے، ان کو سمجھا دے کہ یہ حیلہ بہانہ بنا رہے ہیں۔ واقعی کام کرنا چاہیے۔ الٰہ العالمین! ہمارے اخلاص کی حفاظت فرما۔ ہمارے اعمال کی بھی اصلاح فرما، ہمارے عقائد کی بھی اصلاح فرما۔ اے اللہ! اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو بدل ڈال۔ ہم سب کو رحمت کے سایہ میں لے لے۔ الٰہی یہ تمام فضا معاصی سے، گناہوں سے بھری ہوئی ہے، ان سب کو رحمت اور مغفرت سے بھر دے۔ اے اللہ! اپنے ذکر کی پوری توفیق عطا فرما۔ اے اللہ! مسلمانوں کے قلب میں نور ایمان عطا فرما۔ اے اللہ! اس نور میں قوت عطا فرما۔ اس نور کے ذریعہ اعمال کو روشن فرما۔ الٰہ العالمین! ہر قسم کے فتنوں سے حفاظت فرما۔ اے اللہ! تمام مریضوں کو صحت عطا فرما۔ جسمانی صحت بھی عطا فرما۔ روحانی صحت بھی عطا فرما۔ اے اللہ! سب کو اتباع سنت کی پوری پوری توفیق عطا فرما۔

﴿ربنا أفرغ علينا صبراً، وثبت أقدامنا، وانصرنا على القوم الكافرين﴾.

صلى الله تعالى على خير خلقه محمد وعلى اله وأصحابه وسلم، برحمتك يا أرحم الراحمين.

تمت بالخير بجاه سيدالمرسلين ﷺ.

تبلیغ کی اہمیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد خطبہ مسنونہ!

قال اللّٰہ تعالی: ﴿یا أیها الرسول بلغ ما أنزل إلیك من ربك وإن لم تفعل فما بلغت رسالته والله یعصمك من النّاس إن الله لا یهدی القوم الکفرین﴾. (المائدة: ٦٧)

''اے رسول! جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے، آپ سب پہنچا دیجیے اور اگر آپ ایسا نہیں کریں گے، تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ ان کافر لوگوں کو راہ نہ دیں گے۔'' (از بیان القرآن)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے رسول! جو چیز تمہاری طرف نازل کی گئی ہے، اس کی تبلیغ کرتے رہنا ﴿وإن لم تفعل﴾ اگر ایسا نہ کیا تو اس میں کمی کی، کوتاہی کی ﴿فما بلغت رسالته﴾ اس فریضہ کو اگر آپ نے ادا نہ کیا تو آپ نے حقِ رسالت ادا نہیں کیا، ﴿والله یعصمك من النّاس﴾ اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ کی حفاظت کریں

گے، ﴿إن الله لا يهدى القوم الكفرين﴾ اللہ تعالیٰ کافرین کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس آیت شریفہ میں حق تعالیٰ نے جو کچھ تعلیم دی ہے وہ بہت غور سے سننے کی چیز ہے، رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا کہ جو کچھ بھی آپ پر نازل کیا گیا اس کو پورا پورا پہنچا دینا، کوئی چیز چھپا کر نہ رکھنا، اگر ایسا نہ کیا، کوئی چیز چھپائی، یعنی پورا پورا نہ پہنچایا؟ ﴿فما بلغت رسالته﴾ تو آپ نے رسالت کا فریضہ ادا نہ کیا۔ رسالت ایسی چیز نہیں جس کو آدمی سیکھ کر حاصل کرے، الیکشن کی طرح، جیسے آج کل یہ مہم ہوتی ہے، الیکشن کی سیٹ لڑ کے حاصل کی جاتی ہے، رسالت تو ایسی نہیں بلکہ:

﴿الله أعلم حيث يجعل رسالته﴾.

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: میں رسول خود بناتا ہوں۔ لوگوں کے کرنے، کمانے پر موقوف نہیں، کسی کی رائے پر، کہنے پر موقوف نہیں، اللہ تعالیٰ خود اس کی صلاحیت عطا فرماتے ہیں، اس کا علم عطا فرماتے ہیں، اس کی ہمت وقوت عطا کرتے ہیں، تو ایسا رسول اگر کچھ پہنچائے، کچھ نہ پہنچائے، بات پوری نہ پہنچائے، روک لے، اگر ایسا ہو تو اللہ تعالیٰ نے انتخابات صحیح نہیں فرمائے، لیکن اللہ تعالیٰ کے انتخابات صحیح ہیں، رسول کی شان یہ نہیں کہ کچھ چھپائے اور نہ یہ شان ہے کہ اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر خدا کی طرف منسوب کرے، کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا فرمایا، ایسا نہیں ہوسکتا، اس لیے ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ﴾. (الحاقة: ٤٤-٤٦)

''اور اگر یہ ہمارے ذمہ کچھ باتیں لگا دیتے، تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے پھر ہم ان کے رگِ دل کاٹ ڈالتے۔'' (بیان القرآن)

اگر ہماری طرف غلط بات منسوب کردی، ہم ان کی گردن اڑادیں گے، اس لیے رسول نہ غلط بات اللہ کی طرف سے کہہ دے نہ اللہ کی بات چھپا سکتا ہے اور چھپانے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ وجہ یہ ہو سکتی ہے، ایک یہ کہ لوگوں کا خوف کہ وہ اذیت پہنچائیں گے اور ایک یہ کہ لوگ قبول نہ کریں، ایمان نہ لائیں، تو محنت بے کار جائے، تو دونوں چیزوں کو صاف کردیا گیا۔

﴿واللہ یعصمک من الناس، إن اللہ لا یھدی القوم الکافرین﴾.

"اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ ان کافر لوگوں کو راہ نہیں دیں گے۔" (بیان القرآن)

پچھلے انبیاء کے ساتھ بھی دونوں قسم کی چیزیں پیش آئیں، (۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہوا، کیسی کیسی پریشانیاں اٹھائیں، بیوی کے ساتھ گھر سے نکلے ہجرت کر کے۔ ایک جگہ ظالم بادشاہ کے علاقے سے گزرے، اس نے بیوی چھین لی، اکیلے رہے، کوئی حمایت کرنے والا دوسرا نہیں تھا، جان پہچان نہیں ہے، کہیں تو ٹھکانہ نہیں رہنے کے لیے، اللہ تعالیٰ نے بیوی کی حفاظت بھی کی، اللہ نے اولاد دی، بچے کے ساتھ بیوی کو بھی وادی غیر زرع میں چھوڑ دینے کا حکم ہوا، (۲) وادی غیر زرع کہ یہاں پر کوئی کھیتی نہیں، کوئی پتہ موجود نہیں، کوئی درخت موجود نہیں، ایسی خشک زمین میں

---

(۱) رواہ البخاری فی أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا﴾، رقم الحدیث: ۳۳۵۸.

رواہ البخاری فی أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: ((واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا﴾، رقم الحدیث: ۳۳٦٤.

چھوڑنے آئے، بیوی کہتی کس کو چھوڑنے آئے ہو؟ یہاں کیوں چھوڑے جا رہے ہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کچھ بولتے نہیں، سمجھیں کہ اللہ ہی کا حکم ہوگا، پوچھا کہ کیا اللہ کا یہ حکم ہے؟ فرمایا کہ ہاں! بس اطمینان ہوگیا کہ اللہ پاک ہم کو ضائع نہیں کرے گا، پالنے والی ذات تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، بچے کا دم نکلنے کے قریب تھا، پیاس کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رہا تھا، اللہ نے فضل فرمایا، زمزم کا کنواں جاری فرمایا، بچہ کی پرورش ہوئی، بچہ جب بڑا ہوگیا، بیت اللہ کی تعمیر کی، پھر کہا گیا کہ ذبح کرو بیٹے کو، بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا، قربانی کرنے کے لیے گئے، چھری چلاتے ہیں، مگر نہیں چلتی، اللہ کا فضل شامل حال تھا، جنت سے دُنبہ سامنے ڈال کر اس کے اوپر چھری چلوائی، (۱) یہ قربانی ہوئی، پھر دشمن نے پریشان کیا، لکڑی جمع کرائی، آگ جلائی، شعلے بلند ہونے لگے، ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا، مگر آگ گلزار بن گئی، سلامتی بن گئی، خدا نے فرمایا:

﴿قلنا یا نار کونی برداً وسلاماً علی إبراهیم﴾.

(الأنبیاء: ٦٩)

''ہم نے حکم دیا کہ اے آگ! تو ٹھنڈی اور بے ضرر ہو جا ابراہیم کے حق میں۔'' (بیان القرآن)

غرض انبیائے کرام کو ستایا گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کیا ہوا؟ پیدا ہوئے تو ایسے وقت میں پیدا ہوئے جس وقت میں بچے قتل کردیے جاتے تھے، جس کسی کے یہاں بچہ پیدا ہوتا تھا اس کو اسی وقت قتل کردیتے تھے، حفاظت کے لیے اس بچے کو کیا کیا؟ صندوق میں رکھا، سمندر میں ڈال دیا گیا، جہاں کوئی حفاظت کرنے والا نہیں، مگر اللہ کے حکم سے ڈالا، سمندر کے پانی نے نہیں ڈبویا، جس کے خوف سے سمندر میں ڈالا

تھا، موسیٰ علیہ السلام کا صندوق اسی کے یہاں پہنچا، فرعون کے گھر، اب پریشانی ہوئی، وہ قتل کرڈالے گا، لیکن دل تو اللہ کے قبضے میں ہے، فرعون کے دل میں محبت ڈال دی اللہ نے، فرعون کی بیوی کے دل میں محبت ڈال دی، (۱) کہا اس نے:

﴿لا تقتلوه عسىٰ أن ينفعنا أو نتخذه ولداً﴾ (۲)

''اس کو قتل مت کرو، عجب نہیں کہ ہم کو کچھ فائدہ پہنچادے یا ہم اس کو بیٹا بنالیں۔'' (بیان القرآن)

اسے قتل نہ کرو، ہم اسے بیٹا بنائیں گے، اللہ نے حفاظت فرمائی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی، سمندر میں وہاں بھی حفاظت فرمائی، فرعون کے گھر پہنچ گئے، لیکن فرعون قتل کا دعوی کرتا تھا، فرعون کو کسی کاہن نے بتایا تھا (۳) کہ بچہ پیدا ہوگا بنی اسرائیل میں، تیری سلطنت کا تختہ الٹ دے گا، فرعون نے کہا: جینے نہ دو، جو بچہ پیدا ہو جائے گا، اس کو قتل کردیں گے، ستر ہزار بچوں کو قتل کردیا ہے، (۴) مگر جسے بچانا تھا اللہ کو وہ بچا رہا۔ موسیٰ علیہ السلام فرعون کی گود میں آگئے۔ جب گود میں آگئے وہاں دودھ پلانے والی کی ضرورت پیش آئی، (۵) جس عورت کو دودھ پلانے کے لیے لایا جائے، بچہ اس کا دودھ

---

(۱) القصص: ٤-٩.

(۲) القصص: ٩.

(۳) الجامع لأحكام القرطبي، القصص: ٢٤٨/١٣، دار الفكر.

(٤) تفسير بغوى، البقرة: ٤٩، ٩١، دار طيبه، روح المعاني، البقرة: ٤٩، ج: ٢٥٥/١، دار الكتب العلمية.

واضح رہے کہ تفسیر بغوی میں دو قول مذکور ہیں: اول۔ ۱۲ ہزار بچوں کو ذبح کیا گیا۔ دوم۔ روح المعانی میں ۹۰ ہزار کا قول مذکور ہے، جبکہ ۷۰ ہزار کا قول نہیں مل سکا۔

(٥) القصص: ١١-١٣.

نہیں پیتا، موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا فرعون کے گھر آنا جانا تھا، کہنے لگی میں تم کو بتاؤں ایسے گھرانے کا پتہ جو بچہ کو دودھ پلائے، پرورش کرے؟ چناں چہ اپنی ماں کا نام بتایا، ان کی ماں کو بلایا گیا، ماں نے کہا: ہاں! میں پلاؤں گی دودھ، لیکن مفت نہیں۔ تنخواہ لوں گی اور یہاں رہ کر نہیں، اپنے گھر لے جاؤں گی، وہاں رکھوں گی۔(۱) تو فرعون نے ساری شرائط منظور کر لیں، ماں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلایا، بڑے ہو کر اللہ کے دین کی دعوت دی، فرعون نہ مانا، بلکہ مخالفت کی، نقصان پہنچانا چاہا، لیکن نہیں پہنچا سکا۔(۲)

سارے انبیاء کے ساتھ ایسا ہی ہوا، لیکن اللہ پاک انبیاء کی حفاظت کرتے رہے، کیوں کہ تمام اشیاء اللہ کے حکم کے تابع ہیں، وہ چاہیں تو چیزوں میں تاثیر رہے اور چاہیں تو چیزوں میں سے تاثیر نکال لیں، آگ میں تاثیر ہے جلانے کی، لیکن حق تعالیٰ کی دی ہوئی تاثیر ہے، حق تعالیٰ جب چاہیں اس کو نکال لیں، چھری میں تاثیر ہے ذبح کرنے کی، لیکن حق تعالیٰ چاہیں گے تو وہ تاثیر ذبح کرنے کی رہے گی اور جب چاہیں وہ تاثیر نکال لیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چھری نے ذبح نہیں کیا؛ کیوں کہ اللہ کا حکم ذبح کرنے کا نہ تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نہ جلا سکی، انبیاء علیہم السلام کے قصے قرآن پاک میں مذکور ہیں کہ کس طرح سے اللہ پاک نے حفاظت کی۔

اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کی حفاظت کی، کشتی میں جا رہے تھے، سمندر میں ڈال دیے گئے، مچھلی نے نگل لیا، مچھلی لے کر سمندر کی تہہ میں بیٹھ گئی، پیٹ میں یونس علیہ

---

(۱) تفسیر ابن کثیر، القصص: ۱۰/۴۴۲، ۴۴۵، ۴۴۶، مؤسسة قرطبة.

(۲) طٰہٰ: ۴۷-۸۰.

السلام موجود، لیکن ہضم نہیں کر پاتی، کوئی ذرہ، کوئی عضوان کا توڑ نہیں سکتی، (۱) مچھلی خود پریشان کہ میرے پیٹ میں کیا چیز آ گئی؟ یہ کس طرح باہر نکلے گی؟ غذا تھوڑی ہی تھی وہ تو اللہ کی امانت تھی، بہر حال وہیں مچھلی کے پیٹ میں ہی آیت کریمہ:

﴿لا إلــه إلا أنــت سبحــانك إنى كنت من الظالمين﴾.(۲)

''آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، آپ پاک ہیں، میں بے شک قصوروار ہوں۔ (بیان القرآن)

پڑھتے رہے، یہاں تک کہ مچھلی باہر آئی، ان کو زمین پر پیٹ میں سے نکال دیا۔

نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم ہوا، وہ اپنے آدمیوں کو لے کر کشتی میں سوار ہو گئے، طوفان آ گیا، ساری دنیا تباہ ہو گئی، غرق ہو گئی، بس کشتی والے بچ گئے۔

﴿واستــوت عـلـى الـجـودى وقيـل بـعـداً لـلـقـوم الظالمين﴾ (۳)

''اور کشتی جودی پر آ ٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ کافر لوگ رحمت سے دور ہوں۔'' (بیان القرآن)

اور طوفان سے پہلے حجر اسود کو پہاڑی پر رکھ دیا تھا، (۴) وہ محفوظ رہا، اس

---

(۱) تفسیر ابن كثير، الأنبياء: ۸۷، ج: ۹/ ۴۳۴ - ۴۳۶، مؤسسة قرطبة، وتفسير بغوى، الأنبياء: ۸۷، ج: ۵/ ۳۵۱، دار طيبة.

(۲) الأنبياء: ۸۷.

(۳) هود: ۳۷-۴۴.

(۴) روح المعانى، سورة هود: ۶/ ۲۶۰، رقم الآية: ۴۴، دار الكتب العلمية، وتفسير الكشاف، البقرة: ۱/ ۱۸۶، رقم الآية: ۱۷۲، دار الكتب العلمية.

پہاڑی کا نام جبل امین تھا:۔

غرض طوفان غرق نہیں کر پایا نوح علیہ السلام کو، دریا غرق نہیں کر پایا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو، چھری ذبح نہیں کر پائی حضرت اسماعیل علیہ السلام کو، مچھلی ہضم نہیں کر پائی یونس علیہ السلام کو۔

اس واسطے کہ ساری مخلوق حق تعالی کے ماتحت ہوتی ہے، جس طرح حق تعالی چاہیں گے اسی طرح ہوگا، اس لیے فرماتے ہیں:

﴿والله يعصمك من الناس......﴾.

"اللہ آپ کی حفاظت کرے گا، یقیناً اللہ تعالی ان کافروں کو راہ نہیں دیں گے۔" (بیان القرآن)

ابراہیم علیہ السلام دعوت دیتے تھے اپنے باپ کو اور سب لوگوں کو اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کی طرف، بتوں کو پوجنے سے منع کرتے تھے (۱) اور پیدا کہاں ہوئے ابراہیم علیہ السلام؟ آزر کے گھر میں، جو بت تراش تھے، بت بنایا کرتے تھے، فروخت کرتے تھے، ان کی پوجا پاٹ کرتے تھے، اس کے گھر میں پیدا ہوئے۔ اپنے استاد سے بچپن کے زمانہ میں سنا، کتاب میں نہیں دیکھا، استاد کو فرماتے ہوئے سنا، جب میں قرآن شریف پڑھتا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ بت بناتے تھے (۲) اور ابراہیم علیہ السلام بت کی ٹانگ میں رسی ڈال کر گھسیٹ کر پھرا کرتے تھے، گلی کوچوں میں آواز لگاتے تھے کہ جس چیز سے دین وایمان کھو جاتا ہو وہ لے لو۔

---

(۱) الأنبياء: ۵۱-۵۷.

(۲) تفسير بغوى، الأنعام: ۸۰، ج: ۱۶۳/۳، دار طيبه. وتفسير ثعلبى، سورة الأنعام: ۷۹.

گھسیٹتے گھسیٹتے کسی کی ناک ٹوٹ گئی، کسی کا کان ٹوٹ گیا، گارے میں کیچڑ میں لے گئے، شام کو گھر واپس آ گئے تو کہا کہ کوئی خریدتا نہیں، یہ تو بکے گا نہیں، باپ کہتے: بیٹا! کہیں اس طرح سے سامان بکا کرتا ہے؟ پھر ان کو دھوتے، صاف کرتے، درست کرتے، پھر جب ان کے یہاں کسی عید اور خوشی کا دن تھا تو لوگ کہیں گئے، ابراہیم علیہ السلام نے بت خانے میں جا کر وہاں پر جو بت تھے، کسی کی ناک توڑ دی، کسی کا سر توڑ دیا اور جو بڑا بت تھا اس کے اوپر کلہاڑا رکھا، جب وہ لوگ آئے اور دیکھا تو کہا کس نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کیا؟(۱)

﴿قالوا من فعل هذا بالهتنا إنه لمن الظالمين، قالوا سمعنا فتى يذكرهم يقال له إبراهيم﴾.(۲)

”کہنے لگے کہ یہ ہمارے بتوں کے ساتھ کس نے کیا؟ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس نے بڑا غضب کیا، بعض نے کہا: ہم نے ایک نوجوان آدمی کو، جس کو ابراہیم کر کے پکارا جاتا ہے۔“

(بیان القرآن)

تو کہا کہ ایک لڑکا ایسا ہے، جس کا نام ابراہیم ہے، وہ ان کی برائی کرتا رہتا ہے، اس کو بلا کر لاؤ، ان کو بلا کر لے آئے تو انہوں نے کہا:

﴿بل فعله كبيرهم هذا فاسئلوهم إن كانوا ينطقون﴾.(۳)

---

(۱)روح المعانی، الأنبیاء: ۵۸.

(۲)الأنبیاء: ۵۹-۶۰.

(۳)الأنبیاء: ۶۳.

"بلکہ ان کے اس بڑے نے کیا ہے یہ سب کچھ، سو ان سے
پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں"۔ (بیان القرآن)

کہ یہ جو بڑا بت ہے اس کے کندھے پر کلہاڑی ہے، اس سے پوچھو؟ انہوں نے کہا: تم تو جانتے ہو، یہ باتیں نہیں کرتے۔

﴿لقد علمت ما هؤلاء ينطقون﴾. (۱)

"اے ابراہیم! تم کو تو معلوم ہی ہے کہ یہ بت بولتے
نہیں"۔ (بیان القرآن)

تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا وہ معبود ہو سکتے ہیں جو بولتے نہیں؟ بول نہیں سکتے؟ لیکن ابراہیم علیہ السلام پر بھی طرح طرح کی آزمائشیں آئیں۔

ایک پیغمبر کے سر پر آرا بھی چلایا گیا۔ (۲) اسی طرح حضور ﷺ کا حال تھا، جب (۳) آیت: ﴿وأنذر عشيرتك المقربين﴾ آپ ﷺ پر نازل ہوئی تو آپ مکہ میں ایک پہاڑی [illegible] گئے، کوہِ صفا پر، وہاں آ کر آپ نے لوگوں کے نام لے لے کر پکارا، سب آ گئے، جب سب سامنے آ گئے تو حضور ﷺ نے اول بطور امتحان پوچھا، ایک بات بتاؤ، اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے دشمن پڑا ہوا ہے، تم پر حملہ آور ہوگا ختم کر ڈالے گا، اگر تم جان بچانا چاہتے ہو تو فلاں راستہ اختیار کر لو، کیا تم سچا مانو گے یا

---

(۱) الأنبياء: ٦٥.

(۲) رواه البخاري في مناقب الأنصار، باب ما لقي النبي ﷺ وأصحابه من المشركين بمكة، رقم الحديث: ٣٨٥٢.

(۳) رواه البخاري في التفسير، سورة الشعراء، رقم الحديث: ٣٧٧٠، ومسلم في الإيمان، رقم الحديث: ٥٠١، والترمذي في التفسير، باب: ومن سورة ﴿تبت﴾، رقم الحديث: ٣٣٦٣.

نہیں؟ سب نے کہا سچا مانیں گے، کیوں کہ چالیس سال کی حضور ﷺ کی پاکیزہ زندگی سامنے تھی، کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا، کبھی کسی کو دھوکہ نہیں دیا تھا، چالیس سال کی مبارک اور پاکیزہ ممتاز زندگی نظروں میں تھی، تب آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا کہ اس دنیا کے بعد ایک دوسری زندگی ہے، جس کا نقصان سب سے بڑا نقصان اور نفع بہت بڑا نفع ہے، اس پر ایمان لے آؤ، تو وہ سب مخالف ہو گئے، سب سے زیادہ محبت کا نعرہ لگانے والا ابولہب حضور ﷺ کا چچا تھا، لیکن سب سے پہلے اسی نے مخالفت کی، حضور ﷺ کسی جگہ تشریف لے جاتے تھے اور فرماتے تھے، "یا أیها الناس قولوا: لا إله إلا الله تفلحوا". (۱) "اے لوگو! لا اله الا الله کہو، تم کو کامیابی ملے گی۔" سب سے پہلے کلمہ طیبہ کی یہی دعوت دی، وہ (ابولہب) پیچھے جاتا تھا اور کہتا: لوگو! ان کی بات مت مانو، یہ غلط کہتے ہیں، اللہ کے رسول پھر بھی کہتے رہتے لوگوں سے کہ لا اله الا الله کہو، کامیاب ہو جاؤ گے، ان کی مخالفت کی وجہ سے اس دعوت سے رکے نہیں، حق تعالیٰ کی نصرت شامل حال رہی، یاد رکھو! کسی بھی نبی نے ماحول کی مخالفت کے سامنے اپنی دعوت ترک نہیں کی، ماحول سے متاثر نہیں ہوئے، بلکہ دعوت دیتے رہے، چاہے ان کی جان بھی جائے۔

حضور ﷺ نے جب تبلیغ شروع کی تو خاندان کے لوگ، محلے کے لوگ، بستی کے لوگ سب مخالف ہو گئے، بہت سے تو سختی کرتے تھے، تشدد کرتے تھے، ایک دفعہ حضور ﷺ کے چچا کے پاس جمع ہوئے، ان سے کہا کہ تمہارا بھتیجا کہتا ہے کہ تم بتوں کو

---

(۱) المعجم الكبير، ربيعة بن عباد الدئلي، رقم الحديث: ۴۵۸۲، ۵/۶۱، مكتبة ابن تيمية، ومسند الإمام أحمد، حديث شيخ من بني مالك بن كنانة: ۲۷/۱۴۸، رقم الحديث: ۱۶۶۰۳، مؤسسة الرسالة.

معبود مت بناؤ، ان کے سامنے عاجزی مت کرو، ان میں سے کسی ایک کی بھی عبادت مت کرو، باپ دادا کے وقت سے ہم لوگ بتوں کو پوجتے آئے ہیں، آپ اپنے بھتیجے کو سمجھا دیں کہ وہ اگر امیر بننا چاہتے ہیں تو ہم انہیں اپنا امیر تسلیم کرلیں گے اور اگر ان کو مال کی خواہش ہے تو مال کے ڈھیر ان کے سامنے لگا دیں (۱) اور اگر ان کو عورتیں مطلوب ہیں تو جس عورت سے چاہیں شادی کرلیں، (۲) مگر یہ کلمہ توحید نہ کہیں۔

چچا نے حضور ﷺ کو ان لوگوں کی گفتگو سنائی، حضور ﷺ نے فرمایا: اگر میرے ایک ہاتھ میں چاند رکھ دو اور دوسرے میں سورج، تب بھی میں اس دعوت سے باز نہیں آؤں گا، ان سے کہہ دیجیے، مجھے کچھ نہیں چاہیے، مجھے اجر بھی نہیں چاہیے، مجھے معاوضہ نہیں چاہیے، صرف اللہ کے واسطے دین کو پہنچانے کے لیے آیا ہوں۔ (۳)

ایک بات معلوم ہوئی کہ اگر کسی جگہ تبلیغ کے لیے گئے اور لوگ قبول نہیں کرتے، قسم قسم کے اعتراضات کرتے ہیں، کہتے ہیں یہ تو دیوانہ ہے، ہماری حیثیت ہی کیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اعتراضات کیے لوگوں نے، آپ اپنا کام کرتے رہیں۔ اعتراضات ہمیشہ ہوتے آئے ہیں اور نہ ماننا بھی ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے، بعضوں نے پیغمبروں تک کی بات نہ مانی، لیکن بات یہ ہے کہ نبی کا کام بات منوانا نہیں ہے، بتلانا ہے، دینِ حق کو پورے طور پر سمجھانا ہے، لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کرنا ہے، اللہ کی

---

(۱) السيرة النبوية لابن هشام، ما دار بين رسول الله ﷺ وبين رؤساء قريش، حديث رؤساء قريش مع الرسول ﷺ: ۱/۲۹۳، ۲۹۵، تراث الإسلام.

(۲) مسند أبي يعلى الموصلي: ۲/۲۰۳، مسند جابر بن عبد الله، رقم الحديث: ۱۸۱۲، دار الكتب العلمية.

(۳) السيرة النبوية لابن هشام، مباراة رسول الله ﷺ قومه، وفد قريش مع أبي طالب في شأن الرسول ﷺ: ۱/۲۶۵، ۲۶۶، تراث الإسلام.

بات کو اچھی طرح واضح کرنا ہے، تاکہ بات لوگوں کی سمجھ میں آئے، کوئی مانے یا نہ مانے، اس کی ذمہ داری نبی پر نہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب جنت میں جنتی داخل ہوں گے، کچھ انبیاء ایسے ہوں گے جن کے ساتھ کوئی بھی امتی نہ ہوگا، (۱) آدھی بلکہ ساری زندگی اللہ کے دین کی تبلیغ کی، لیکن کوئی ایمان نہ لایا ان پر، مگر اس کی وجہ سے ان کی نبوت میں کوئی کمی نہیں ہوئی، اللہ کے قرب میں کوئی کمی نہیں ہوئی، اسی طرح مقرب ہیں اللہ کے نزدیک۔ آپ بتائیے کہ اگر کسی سپاہی کو بندوق دے کر کھڑا کر دیا جائے، کسی بینک کے سامنے حفاظت کے واسطے تاکہ چور ڈاکو آئے تو اس کو پکڑ لے اور ساری رات وہ کھڑا رہے اور ایک بھی چور نہ آئے، تو کیا اس سپاہی کو تنخواہ نہیں ملے گی کہ اس نے چور کو پکڑا نہیں ہے، جب چور آیا ہی نہیں تو پکڑے گا کہاں سے؟ غرض محنت کرتا رہے، اللہ کی یاد میں لگا رہے اور یہ یقین رکھے کہ اللہ کرنے والے ہیں، مدد دینے والے وہی ہیں، مخالفت سے نہ گھبرائے۔

رہی حفاظت...... تو وہ اللہ کریں گے، حضور ﷺ سفر میں تھے، (۲) ایک جگہ قیام کیا، ایک سایہ دار درخت کے نیچے، تلوار درخت پر لٹکائی، آرام کرنے لگے، ایک بدوی آیا اور حضور ﷺ سے کہہ رہا ہے: بتاؤ اے محمد! تم کو میرے ہاتھ سے کون بچائے

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب: یدخل الجنة سبعون ألفا بغیر حساب، رقم الحدیث: ٦٥٤١.

(۲) رواہ البخاری فی الجهاد، باب تفرق الناس عن الإمام عند القائلة، رقم الحدیث: ۲۹۱۳، ومسلم فی الفضائل، باب توکله علی الله تعالی وعصمة الله تعالی له، رقم الحدیث: ٥۹٥.

گا؟ حضور ﷺ نے اطمینان سے فرمایا: اللہ بچائے گا۔ بس یہ سنتے ہی اس بدوی کے اوپر کپکپی طاری ہوگئی، تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی، حضور ﷺ نے تلوار اٹھائی، فرمایا اے اللہ کے دشمن! اب تو بتا کہ تجھ کو کون بچائے گا؟ اس نے کہا: افسوس! مجھ کو کوئی بچانے والا نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پتہ چلا تو وہ دوڑے ہوئے آئے، کسی نے کہا اس کو قتل کر دو۔ کسی نے کچھ اور کہا حضور ﷺ نے فرمایا: اس نے قتل تو نہیں کیا، قتل کی دھمکی ہی تو دے رہا تھا، قتل کا ارادہ ہی تو کر رہا تھا، قتل کیا تو نہیں، حضور ﷺ نے معاف فرمایا۔

غرض حوصلہ بلند ہونا چاہیے، اس شخص کا جو تبلیغ کے لیے نکلتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ کے لائے ہوئے دین کی تبلیغ کے لیے صحیح طور پر، سمجھ کر نکلتا ہے تو ہر چیز میں اس کے لیے بڑا اطمینان ہے، کہیں اذیت پہنچتی ہو، تکلیف بھی پہنچتی ہو، اس سے بھی مطمئن ہے، کیوں کہ جانتا ہے کہ ہر تکلیف میں ہماری خطائیں معاف ہوتی ہیں، جیسے دھوبی کپڑے کو پتھر پر زور سے مارتا ہے، اس کا میل نکالنے کے لیے، اس طریقے پر ہمارے لیے پریشانیاں آتی ہیں، تاکہ ہماری لغزشیں دور ہو جائیں، ہماری خطائیں معاف ہو جائیں، اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں کہ کسی بندے کو پاک صاف کر کے اٹھائیں، کوئی گناہ اس پر نہ رہے تو اس پر دنیا کی تھوڑی سی پریشانیاں ڈال دیتے ہیں، تاکہ وہ پریشانیاں برداشت کرتا رہے، توبہ کرتا رہے، یہاں تک کہ ساری خطائیں اس کی معاف ہو جائیں، پاک صاف کر کے اس کو اٹھا لیا جاتا ہے، وہاں کوئی سزا کوئی عذاب نہیں ہوتا۔

اس واسطے تبلیغ میں نکل کر یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ چلّے کے لیے نکلنے سے مال کی کمی ہوگی، بلکہ دین اور اس کی ترقیوں کے لیے نکلتا ہے، صحیح طریقہ کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے کہ اس طرح یہاں جتنی بھی قربانی دی جاتی ہے اسے کوئی مال و متاع کا لالچ

نہیں ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ سلمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ (۱) لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو دس آدمیوں کی جماعت کے ساتھ وفد کی شکل میں ایک نصرانی بادشاہ کے پاس بھیجا، نصرانی بادشاہ نے ان سب کو قید کرلیا، حالاں کہ قاصد تھے، سفیر تھے، سفیر کو قید کرنا کہیں نہیں آیا، مگر قید کرلیا، پھر ایک روز ان کو بلایا، بلا کر کہا حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو کہ تم نصرانی مذہب اختیار کرلو، اسلام چھوڑ دو، تو تم کو آدھی سلطنت دے دوں گا، وہ کہنے لگے: تیری سلطنت کی حیثیت ہی کیا ہے؟ جس کی خاطر میں مذہب اسلام چھوڑ دوں، لا حول ولا قوة الا بالله۔ بادشاہ نے کہا: اچھا مجھے سجدہ کرلو، آدھی سلطنت دے دوں گا، انہوں نے فرمایا کہ یہ پیشانی صرف خدا کے سامنے جھکتی ہے، کسی اور کے سامنے نہیں جھک سکتی۔ بادشاہ نے اپنے قید خانہ میں سے ایک قیدی کو بلایا اور آگ جلوا کر اس پر پانی کڑھائی میں بھروادیا، جب پانی خوب کھولنے لگا (ابلنے لگا) تو لوگوں کو حکم دیا کہ اس قیدی کو اس میں ڈال دو، قیدی کو ڈال دیا گیا زندہ، جس سے اس کی ہڈی پسلی پانی میں الگ ہو کر رہ گئی اور تڑپ تڑپ کے مرگیا، پھر حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ دیکھو! یا تو مجھے سجدہ کرو، ورنہ یاد رکھو! اس طرح کھولتے کھولتے ہوئے پانی میں جلا کر ختم کردوں گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ تیرا جو جی چاہے کر۔ میں ہرگز سجدہ نہیں کروں گا۔

بادشاہ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ جاؤ! ان کو بھی اسی طرح کھولتے ہوئے

---

(۱) كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، عبدالله بن حذافة رضي الله عنه: ۱۳/۴۹۱، رقم الحديث: ۳۷۲۸۲، مؤسسة الرسالة، والإصابة في تمييز الصحابة، حرف العين، عبدالله بن حذافة، رقم الترجمة: ۴۶۲۲.

پانی میں ڈال کر ختم کر دو۔ سپاہی ان کو لے کر چلے، یہ راستے میں روئے، ان سپاہیوں نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ یہ قیدی رو رہا ہے، بادشاہ نے کہا اس کو بلاؤ، آپ آئے تو بادشاہ نے پوچھا کہ سجدہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا؟ دماغ کا پارہ کچھ اتر گیا؟ آپ نے جواب دیا بالکل نہیں۔ پوچھا کیا بیوی بچے یاد آ رہے ہیں؟ فرمایا: بالکل نہیں۔ پوچھا کیا پھر یہ تصور آ رہا ہے کہ کس طرح جان نکلے گی؟ تکلیف ہوگی؟ فرمایا یہ بھی نہیں۔ کہا پھر کیوں رو رہا ہے؟ انہوں نے فرمایا: دین اسلام کی خاطر جان دینے کا آج موقعہ نصیب ہو رہا ہے، افسوس اس کا ہے کہ میرے پاس صرف ایک جان ہے، کاش! میرے پاس ایک ہزار جانیں ایسی ہوتیں تو ان سب کو قربان کر دیتا، یہ بات ہے۔

جب آدمی دینِ حق کی خاطر نکلتا ہے تو اس کا حوصلہ بہت بلند ہوتا ہے، وہ جانتا ہے کہ خدائے پاک کی نصرت میرے ساتھ ہے، میں تو اس کے کام کے لیے نکلا ہوں، اپنے کے لیے تھوڑا ہی نکلا ہوں۔

جب بادشاہ نے ان سے کہا: اچھا! میری پیشانی کو بوسہ دے دے، چھوڑ دوں گا۔ انہوں نے فرمایا: مجھے اکیلے چھوڑ دے گا یا میرے ساتھیوں کو بھی؟ بادشاہ نے کہا: سب ساتھیوں کو چھوڑ دوں گا، کہا اچھا۔ تو اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور ساتھیوں کو چھڑا کر لے آئے اور آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین کے سامنے سارا واقعہ بیان کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

جو شخص راہ حق میں نکلتا ہے وہ ہر مصیبت پر اس بات کو دیکھتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر بھی بڑی مصیبتیں آئیں، لیکن یہ مصیبت بھی کچھ نہیں، اللہ کی قدرت ہے کتنا خوش نصیب مجھے بنایا کہ اپنے دین کے لیے منتخب فرمایا۔

ہمارے بڑے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ رمضان میں رات بھر لیٹتے نہیں تھے، ساری رات نماز پڑھتے تھے، مختلف حافظوں سے قرآن پاک سنتے رہا کرتے تھے، ایک مرتبہ ساری رات کھڑے رہنے سے ان کے پاؤں پر ورم آ گیا، تو بہت ہی خوش ہوئے کہ اللہ تیرا شکر ہے کہ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کی توفیق دی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیر مبارک میں ورم آ جایا کرتا تھا، رات کو نماز پڑھتے پڑھتے حدیث شریف میں ہے: "حتی تورمت قدماه". (۱) اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے اس کی توفیق عطا فرمائی۔

اس واسطے جہاں کہیں مصیبت و پریشانی پیش آئے اس کو یہ سوچے کہ وہ دین کی خاطر آئی، دنیا کی خاطر بھی تو پریشانی آتی رہتی ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پر پریشانیاں آئیں، ان کو کوڑے لگائے گئے، سو کوڑے لگتے تھے اور کوڑے مارنے والا جس زور سے کوڑے مارتا تھا اسی زور سے کہا کرتے "غفر الله لك". اللہ پاک تیری مغفرت فرمائے اور تم کو معاف کر دے، جو کوڑا لگتا اسی کوڑے مارنے والے کے لیے دعائے مغفرت کرتے تھے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ایک شخص کو ہمیشہ دعا دیا کرتے تھے، بیٹے نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے جس کو آپ دعا دیتے رہتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ ایک بہت آوارہ قسم کا آدمی ہے شرابی، تو پوچھا کہ آپ اس کو کیوں دعا دیتے ہیں؟ فرمایا کہ اس نے کہا تھا

---

(۱) صحيح البخاری، كتاب التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ليغفر لك الله ما تقدم﴾، رقم الحديث: ٤٨٣٦، وسنن النسائی، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب الاختلاف على عائشة فی إحياء الليل، رقم الحديث: ١٦٤٥، وسنن ابن ماجه، كتاب إقامة الصلوات، باب ما جاء فی طول القيام فی الصلوات، رقم الحديث: ١٤١٩

امام احمد! آپ امام ہیں، دیکھیے! حکومت کے کوڑے مجھے اپنی بد معاشی سے نہیں روک سکے، باوجودیکہ حکومت کے کوڑے مجھ کو لگے، میں اپنی بات پر قائم ہوں اور آپ امام ہیں، جو بات کہہ رہے ہیں، دین کی بات کہہ رہے ہیں، حق کی بات کہہ رہے ہیں، ایسا نہ ہو کہ حکومت کے کوڑوں سے آپ مرعوب ومتاثر ہو جائیں، اس کے کہنے سے بہت ہمت ہوئی، اس لیے دعائے خیر دیتا ہوں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو اس طرح سے جکڑا گیا زور سے، مشکیں باندھی گئیں کہ کندھے الگ ہو گئے، مگر انہوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر سارے شہر میں گشت کیا اور اعلان کیا کہ جو شخص مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے اور جو نہیں پہچانتا وہ پہچان لے کہ میں مالک بن انس ہوں، جس شخص نے میرے ساتھ یہ معاملہ کیا، میں نے اس کو معاف کیا، کوئی انتقام اس سے نہ لینا، مگر حکومت وقت نے اس سے انتقام لے لیا، تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حکومت کے پاس گئے اور فرمایا: قصور تو اس نے میرا کیا، تکلیف اس نے مجھے پہنچائی، معاملہ تو اس نے میرے ساتھ کیا، میں نے اس کو معاف کیا، تو آپ کون ہوتے ہیں انتقام لینے والے؟ یہ اکابر کے حالات ہیں، اس واسطے بڑی قوت ہوتی ہے جب آدمی اللہ کے لیے نکلتا ہے۔

ایک شخص نے سفر میں دریافت کیا کہ یہ بتائیے، ہم جو تاریخ پڑھتے ہیں، تو تاریخ میں ملتا ہے کہ مسلمانوں کا جب دوسروں سے جہاد ہوا، مسلمانوں کے پاس آدمی کم، ہتھیار کم، گھوڑے کم، لیکن جب میدان میں جاتے ہیں، تو مسلمان خوب آگے بڑھتے ہیں اور وہ پیچھے بھاگتے چلے جاتے ہیں، حالاں کہ دوسروں کے پاس، یعنی جو مقابلے میں ہیں، مسلمانوں کے دشمن، ان کے پاس افراد زیادہ، سامان زیادہ، ہتھیار

زیادہ، مگر وہ دشمن بھاگتا ہے، پیچھے ہٹتا چلا جاتا ہے اور مسلمان آگے بڑھتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا: بھائی! ہے تو یہی بات، مگر اتنی کھلی بات آپ کو سمجھ میں نہیں آئی؟ کہنے لگے سمجھ میں نہیں آئی، اسی لیے تو پوچھ رہا ہوں، میں نے کہا: کھلی بات یہ ہے کہ مسلمان جب جہاد میں جاتا ہے اس نیت سے نہیں جاتا کہ میں بچ جاؤں اور دوسروں کو پکڑ والوں، بلکہ ہر شخص اپنی جان خدا کے لیے قربان کرنے کے لیے بڑھتا ہے، ہر شخص کے دل میں تقاضا یہ ہوتا ہے کہ پہلے میں شہید ہو جاؤں، یہ شہادت کا پیالہ مجھے مل جائے، ہر ایک چاہتا ہے کہ میری ہی جان اسلام پر کام آئے، قربان ہو جائے، تو مسلمان کا مقصد ہے اپنے آپ کو قربان کرنا اور وہ سمجھتا ہے کہ میرا یہ مقصد آگے بڑھ کر حاصل ہوگا، جتنا بھی میں دشمن میں گھسوں گا، میرا مقصود حاصل ہوگا اور جو دشمن ہے اس کا مقصود یہ ہے کہ میں بچ جاؤں، چاہے دوسرے مر جائیں، وہ اپنی نجات سمجھتا ہے پیچھے رہنے میں، لہٰذا لوٹتا چلا جاتا ہے۔

ماہان ارمنی ایک بادشاہ تھا، (۱) اس نے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے بیس لاکھ فوج تیار کر رکھی تھی، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس کے پاس ایک سو سپاہیوں کو ساتھ لے کر گئے اور جا کر ان سے گفتگو کی، کوئی رعب ان پر نہ پڑا تو اس کو غصہ آیا، اس

---

(۱) البداية والنهاية، سنة ثلاث عشرين من الهجرة النبوية: ۸/۷، ۱۰، دار الكتب العلمية.

واضح رہے کہ یہاں اصل مقصد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام و تابعین رضی اللہ عنہم کی شجاعت، بہادری اور اخلاص کو بیان کرنا ہے، اس اعتبار سے خلاصہ دیا گیا ہے۔ نیز البدایۃ والنہایہ اور دیگر کتب تاریخ میں یہ واقعہ جنگِ یرموک کے متعلق ہے اور ان کے اعتبار سے اہل روم کی مقدار ۲لاکھ ۴۰ ہزار تھی اور مسلمانوں کی مقدار ۳۶ سے ۴۰ ہزار کے درمیان تھی۔ البتہ اس بات کا احتمال ہے کہ جن ۱۰۰ سپاہیوں کی طرف بیان میں اشارہ کیا گیا ہے، اس سے مراد ۱۰۰ بدری صحابہ ہوں۔ (البدایۃ والنہایۃ)

نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ ان سب مسلمانوں کو گرفتار کرلو، بیس لاکھ فوج ان کی اور یہ ایک سو آدمی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے یہ سنتے ہی فوراً اپنے لوگوں سے فرمایا: خبردار! اب کوئی ایک دوسرے کی طرف نہیں دیکھنا، ہمارے ملاقات حوضِ کوثر پر ہوگی، یہ کہتے ہی تلوار نکال لی، ان کے ساتھیوں نے بھی تلوار اٹھائی اور ہر ایک کے چہرے پر ایسی بشاشت نظر آئی تھی جیسے کہ پرانا کھویا ہوا مقصود آج حاصل ہو رہا ہو۔ مال و دولت حاصل کرنا مقصود نہیں، فتح پانا مقصود نہیں، دوسرے کو قتل کرنا بھی مقصود نہیں۔ بلکہ مقصود اللہ کے دین کے لیے اپنی جان کو قربان کرنا ہے، یہ جذبہ چاہیے، اسی جذبہ کو پیدا کرنے کے لیے یہ بات کہی جاتی ہے کہ بھائی جو مصیبتیں پیش آئیں، یہ سمجھ کر چلیں کہ اللہ کے دین کی خاطر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی خاطر، ان مصیبتوں کو جھیلنا ہے، اپنی عیش پرستی کو ختم کرنا ہے، ہماری نظریں دوسری طرف لگی ہوئی ہیں، ان کو ہٹانا ہے۔

انسان اشرف المخلوقات ہے اور انسانوں میں بھی مسلمان کتنے اونچے درجے پر اللہ کا مقرب و محبوب، اگر اس نے پانچ دس، بیس گائیں پال لی اور ان کی خدمت میں لگا رہا، ان کا گوبر صاف کرتا رہا، چارہ ڈالتا ہے، ارے اللہ کے بندے! تو اشرف المخلوقات ہے، کیا تجھے اللہ نے بس اسی لیے پیدا کیا تھا کہ گائے کی خدمت کرے؟ تجھے تو اللہ نے اپنے دین کی خدمت کے لیے پیدا کیا تھا، تجھے تو اس لیے پیدا کیا تھا کہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر چلے، تجھے تو اس لیے پیدا کیا تھا کہ قرآن پاک پڑھے اور پڑھائے اور دنیا میں پھیلائے، دنیا کے تمام لوگوں تک پہنچائے، تجھے تو اس لیے پیدا کیا تھا، نہ کہ گائے بھینس کی خدمت کے لیے، دین کی خدمت کے لیے پیدا کیا تھا، اگر دین

کی خدمت کے واسطے تجھے گائے پالنے کی ضرورت تھی تو تجھے منع نہیں کیا۔

لیکن کوئی شخص سمجھے کہ میں تو پیدا ہی ہوا ہوں گائے بیل کی خدمت کے لیے، بڑا بُرا خیال ہے، اِس خیال کی اصلاح کرنی چاہیے، کھیتی والا ساری زندگی کھیتی میں گزارے، کیا کھیتی کرنے کی خاطر پیدا کیا گیا؟ پیدا تو کیا گیا دین کی خاطر، ہاں! دین کی خاطر کام کرنے میں کھیتی کی بھی ضرورت پڑتی ہے، تجارت کی بھی ضرورت پڑتی ہے تو تھوڑے وقت کے لیے بقدر ضرورت کھیتی اور تجارت کرے، اس کی بھی اجازت دے دی گئی، نہ کہ پیدا ہی اس لیے ہوا۔

کسی نے ایک مرتبہ پوچھا کلکتہ میں: کیوں صاحب! آپ لوگوں نے سارے قسم کے کھیلوں کو منع کر دیا، کیا کھیلنے کا ہمارا کوئی حق نہیں؟ ہمارا کوئی حصہ نہیں؟ میں نے کہا: آپ پہلے تو یہ سوچ لیں کہ آپ کس لیے پیدا ہوئے؟ ایک بستی ہے جہاں دشمن گولہ باری کرنے والا ہے، اطلاع ہوگئی کہ دشمن گولہ باری کرنے والا ہے تو اس کو بچانے کے واسطے جہاز بھیجے گئے کہ جتنے آدمی اس جہاز میں جاسکیں جلدی سے جلدی لے آؤ، جہاز چلا اور جلدی جلدی آدمی سوار کر کے تیار ہو گیا، یہی جہاز چلانے والا شخص اگر راستے میں دیکھے کہ لڑکے ہاکی کھیل رہے ہیں، کرکٹ کھیل ہے اور یہ سوچے کیا ہمارا حق نہیں کھیلنے کا؟ تو ان سے کہا جائے گا کہ انسانوں کے بچانے کے لیے تم جا رہے ہو، تم بچوں کے کھیل میں لگ گئے۔

تو اللہ پاک نے مسلمانوں کو جو اس دنیا میں بھیجا ہے بے کار نہیں بھیجا ہے، انسانوں کو دوزخ سے بچانے کی کوشش کرنے کے لیے بھیجا ہے، یہ کتنا بڑا کام ہے؟ خود بھی دوزخ سے بچے، دوسروں کو بھی دوزخ سے بچائے، طرح طرح سے کوشش کر کے

نکالے، رات دن اسی جدوجہد میں لگا رہے، اسی واسطے قرآن پاک پڑھایا جاتا ہے، اسی واسطے حدیث پاک پڑھائی جاتی ہے، اسی واسطے تفسیر پڑھائی جاتی ہے، اسی واسطے تبلیغی نصاب پڑھایا جاتا ہے کہ مسلمان اپنی پیدائش کا مقصد سمجھے، گائے پالنے کے لیے، کھیتی کرنے کے لیے، باغ لگانے کے لیے، مکان بنانے کے لیے یہ پیدا نہیں ہوا، پیدا صرف دین کی خاطر ہوا اور دوسری جتنی چیزیں ہیں، ان سب کو خادم بنا کر بھیجا ہے، وہ سب تمہاری خادم، ان کو خادم بنا کر رکھو، حاکم مت بناؤ، کھیتی، دوکان، مکان، تجارت کو خادم بناؤ، حاکم نہیں، حاکم صرف اللہ ہے۔

''إن الدنیا خلقت لکم وإنکم خلقتم للآخرة''۔(۱)

دنیا تمہارے لیے پیدا کی گئی ہے اور تم آخرت کے لیے۔ ساری دنیا تمہارے لیے پیدا کی گئی ہے، تمہاری غلام ہے، تمہاری خادم ہے، تمہارے قدموں پر نثار ہے اور تم اللہ کے لیے ہو۔

لیکن جب انسان اپنی زندگی کا مقصد فراموش کر دے یا ذہن سے نکال دے، یہ بات کہ میں اللہ کے لیے پیدا ہوا ہوں، پھر وہ غلام بنتا ہے دنیا کی چیزوں کا، کھیتی کا، دوکان کا، مکان کا، ان سب چیزوں کا غلام بنتا ہے، اس لیے کہ حق تعالیٰ کی غلامی کا طوق اپنے گلے سے نکال دیا، تو دیکھیے! اس نے اپنی تمام مخلوقات کا غلام بنا دیا، رہنا تھا انسان کو اللہ کا غلام بن کر، لیکن وہ غلام ہے تجارت کا، مکان کا، الیکشن کا، ووٹ کا اور اپنی عزت کا غلام ہے، حتی کہ شیطان کا غلام ہے، جو انسان خالق کی غلامی کا طوق اپنے گلے سے نکال دیتا ہے، ہر مخلوق اس کو اپنا غلام بنانے میں لگ جاتی ہے کہ اس کا کوئی آقا ہے ہی

---

(۱) شعب الإیمان للبیهقی: ۱/ ۳۶۰، باب فی الزهد وقصر الأمل، رقم الحدیث: ۱۰۵۸۱، دار الکتب العلمیة.

نہیں، جس کی حفاظت میں ہو، ہم اس کو اپنا غلام بنالیں اور جس کے گلے میں خالق کی غلامی کا طوق ہو اس کو غلام بنانے کی جرات کوئی نہیں کرسکتا، اس سے سب ڈرتے ہیں کہ یہ تو خالق کا غلام ہے، ہمارا حاکم ہے۔

اس واسطے میرے محترم بزرگو اور دوستو! اپنی زندگی کے رخ کو صحیح بنائیں، درست بنائیں، مادی طاقتیں حاصل کرنے کے لیے، روپیہ کمانے کے لیے اس دنیا میں بہت سے ذریعے ہیں ان کو مقصد مت بناؤ۔

﴿ولا تمدن عينيك إلى ما متعنا به أزواجاً منهم زهرة الحيوٰة الدنيا﴾.(١)

(ترجمہ): اور ہرگز ان چیزوں کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیے جن سے ہم نے کفار کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لیے کر رکھا ہے کہ وہ دنیوی زندگی کی رونق ہے۔

جن کو دنیا کی زیب وزینت ہم نے دے رکھی ہے اس کو نظر اٹھا کر مت دیکھو، میں یہ نہیں کہتا کہ کھیتی نہ کرے، تجارت نہ کرے، وہ تو کرتا رہے، یہ یقین رکھے کہ دینے والا اللہ ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا تو کھیت سے غلہ پیدا ہوگا، نہیں حکم ہوگا تو غلہ پیدا نہیں ہوگا، جس طرح سے کوئی غریب فقیر شخص اپنا پیالہ لے کر بھیک مانگے، شریف مال دار اس کو دے گا، پیالے میں پیدا نہیں ہوگا، دینے سے آتا ہے بے شک، لیکن دوسرا دیتا ہے، اسی طرح سوچنا چاہیے کہ ہم سب بھیک کا پیالہ ہیں، دینے والا وہ اللہ ہے، اس کے سامنے ہمیں پیالہ لے جانا ہے کہ اے مالک! تو اس میں عطا فرما۔ یہ نہ سمجھے کہ اس میں پیدا ہوتا ہے، ہم اپنے قوت بازو سے اس کو کماتے ہیں، بازو تو کچھ نہیں کرسکتے، ہاتھ پیر

(١) طٰہٰ: ١٣١.

اسی نے دیے ہیں، ہاتھ پیر چلانے کا اس نے حکم دیا ہے کہ محنت کرو، اس لیے ہم اس کے حکم کے ماتحت محنت کرتے ہیں، لیکن یہ محنت کچھ دینے والی نہیں، دینے والے حق تعالیٰ ہیں، اس لیے وہ طریقہ اختیار کیا جائے جو خیر کا ہو۔

﴿فمن یعمل مثقال ذرة خیراً یره﴾. (۱)

''سو جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔''

(بیان القرآن)

ہر خیر کا بدلہ ان شاء اللہ دنیا میں بھی معلوم ہوگا اور آخرت میں تو اعلیٰ درجہ کا بدلہ ہے ہی اور اس کے بالمقابل:

﴿ومن یعمل مثقال ذرة شراً یره﴾. (۲)

''اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔''

(بیان القرآن)

جو شخص ذرہ برابر شر کرے گا، اس کا بدلہ ملے گا، یہاں جھوٹ بولے گا اس کا بدلہ ملے گا۔

• ایک شخص مجھ سے کہنے لگا: مولوی صاحب! کیا کریں، ایسا وقت آ گیا کہ ایک بات کہتے ہیں، اپنے مخاطب آدمی سے اور قسم کھا کر کہتے ہیں، پھر بھی اسے یقین نہیں آتا، میں نے کہا: بھائی خان صاحب! بات یہ ہے کہ اگر تمہارے دل میں سچائی ہو تو تمہاری زبان پر بھی یقین آئے گا، جب تمہارے دل میں سچائی نہیں تو تمہاری زبان جھوٹ بولے گی، دل کے اندر سچائی ہوتی ہے تو زبان سچ بولے گی اور دوسرے کو یقین

---

(۱) الزلزال: ۷.

(۲) الزلزال: ۸.

آئے گا جب دل میں سچائی نہیں تو باتِ پر یقین کیسے آئے گا؟

غرض غلط طریقہ دنیا و آخرت میں ذلت کا سبب بنے گا، روپیہ غلط طریقہ سے لیا، غلط طریقہ پر کمایا، یہ ذلت کا سبب بنے گا، دنیا میں بھی ذلت اور آخرت میں بھی ذلت، ایک انسپکٹر صاحب تھے، انہوں نے ایک آدمی سے رشوت کا روپیہ لیا، جیب میں رکھے جا رہے تھے کہیں کہ جیب ہی کٹ گئی، انہوں نے اپنے ایک ملازم کو بھیجا کہ صاحب! جیب کٹ گئی کچھ تعویذ دو، جس سے وہ روپیہ واپس آ جائے۔ میں نے کہا: انسپکٹر صاحب سے سلام کہنا اور یہ کہنا کہ غنیمت جانو کہ جیب ہی کٹ گئی، یہ کم بخت روپیہ تو ایسا تھا کہ پیٹ کاٹ کر لے جاتا۔

ایک شخص کو دس ہزار روپے رشوت کے ملے کسی جگہ سے، سرکاری ملازم تھا، روپے رشوت کے تھے، کسی نے کان میں چپکے سے کہہ دیا کہ خبر لگ گئی، سی آئی ڈی، اب آپ کے پیچھے لگ گیا ہے، بس جناب! اس کا تو اطمینان غائب ہو گیا، بڑا پریشان سائیکل پر چڑھا ہوا جا رہا تھا، ادھر دیکھتا ہے، ادھر دیکھتا ہے کہ کوئی آ تو نہیں رہا، کوئی شخص دیکھتا ہے سلام کرتے ہوئے تو اس کا جواب دیتے ہوئے بھی جی گھبراتا ہے کہ کہیں یہی سی آئی ڈی نہ ہو، اسی اثنا میں ندی کے کنارے پہنچا تو سائیکل کو کنارے پر کھڑا کر کے آیا اور اِدھر اُدھر دیکھ وہ دس ہزار روپے جلدی سے دریا میں ڈال دیے، تب جا کر اطمنان اور سکون نصیب ہوا، یہ کم بخت پیسہ اس دنیا میں اس طرح سے ذلیل اور رسوا کرتا ہے، اس لیے کہا جاتا ہے کہ پریشان کرنے والی چیز روپیہ پیسہ ہے۔

حدیث شریف (۱) میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی عزت مچھر

---

(۱) رواہ الترمذی فی الزھد، باب ما جاء فی ھوان الدنیا علی اللہ عزوجل، رقم الحدیث: ۲۳۲۰۔

کے پر کے برابر بھی نہیں ہے، اگر مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ بھی پانی کا نہ ملتا، جو کچھ ان کافروں کو دے رکھا ہے، یہ ان کے اللہ کے نزدیک مقبول ہونے کی علامت نہیں اور آج کل ساری دنیا پریشان ہے، ساری مادی طاقتیں پریشان ہیں، سکون کی ضرورت ہے، سکون کہیں بھی نہیں مل رہا ہے، سکون اگر ہے تو ایمان میں ہے، اسلام میں ہے، قرآن میں ہے، اتباع سنت میں ہے، وہاں سکون ملتا ہے اور کسی جگہ پر سکون نہیں ملتا، بڑی سلطنتیں پریشان ہیں، تمام دنیا پریشان ہے کہ کیا ہوگا؟ بم تو ایٹم کا تیار کر لیا ہے، ساری دنیا خائف ہے کہ کیا ہوگا؟ ان کو چلانے کی نوبت آئی تو ساری دنیا ختم ہو جائے گی، یہ انسان کے خیر خواہ کیا چیزیں تیار کر رہے ہیں؟ کیا یہ خیر خواہی ہے انسان کی؟

انسان کی خیر خواہی یہ ہے کہ اس کو جہنم سے بچانے کی کوشش کی جائے، اللہ کے عذاب سے بچانے کی کوشش کی جائے۔ یہ انسان اللہ کا مجرم نہ رہے، اللہ کا محبوب بن جائے، یہی انسان کی خیر خواہی ہے، یہی طریقہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دیا ہے، اسی طریقہ کو پھیلانا ہے، سب جگہ اپنانا ہے، سب جگہ اسی کے ساتھ چلنا ہے اور سب جگہ اسی کی اشاعت کرنا ہے، اسی کے لیے تبلیغی جماعتیں کام کر رہی ہیں اور اسی کے لیے وقت مانگا جاتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

تبلیغ کا مقصد اور طریقہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله، الحمد لله نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونؤمن به، ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلامضل له، ومن يضلله فلاهادی له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، ونشهد أن سيّدنا وشفيعنا ومولانا محمداً عبده ورسوله، أرسله بالحق بين يدى الساعة بشيراً ونذيراً، ومن يطع الله ورسوله فقد رشد، ومن يعص الله ورسوله فإنه لا يضر إلا نفسه، ولن يضر الله شيئاً۔

اما بعد! فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم: ﴿**كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله ولو آمن اهل الكتاب لكان خيراً لهم**﴾.(۱)

اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کا ارشاد ہے کہ تم بہترین امت ہو، ابتدائے آفرینش سے جتنی امتیں پیدا کی گئی ہیں، سب میں سے بہتر ہو، سب میں خیر ہو، سب سے اعلیٰ ہو، سب سے اچھے ہو، اس امت میں خیر ہونے کی کیا بات ہے؟ خود بتلا دیا: ﴿أخرجت

(۱) آل عمران: ۱۱۰۔

لـلـنـاس﴾ جو لوگوں کے لیے بھیجی گئی ہے، یہ امت دوسرے لوگوں کے واسطے ان کی ہدایت کے لیے، ان کی اصلاح کے لیے، ان کی خیر خواہی کے لیے بھیجی گئی ہے۔

کام کیا ہے اس امت کا؟ ﴿تـأمـرون بالمعروف وتنهون عن المنكر﴾ اچھی باتوں کا لوگوں کو حکم دو، بری باتوں سے روکو، جو کام انسانی ہمدردی کے موافق نہیں، اخلاق کے خلاف ہیں، عقل کے خلاف ہیں، معاشرہ کے خلاف ہیں، اللہ کے خلاف ہیں، ان سے روکو، ان کو مٹاؤ اور جو کام انسانی ہمدردی کے موافق ہیں، اللہ کے حکم کے موافق ہیں، خیر اور نصیحت کے ہیں، ان کو پھیلاؤ، لوگوں میں شائع کرو، اس واسطے یہ امت سب سے بہتر ہے، پچھلی امتوں میں یہ تھا کہ ان کے لیے اعمال تجویز تھے، وہ اعمال کیا کرتے تھے، اس طرح سے ساری دنیا کے سامنے ایک حق کے پیغام کو لے کر جانا، پہنچانا یہ ان کی ذمہ داری نہیں تھی، تھوڑے تھوڑے علاقے کے لیے یہ امتیں ہوتی تھیں، جس نبی کی نبوت جس علاقہ کے لیے تھی، وہ امت وہیں تک تھی، لیکن نبی اکرم ﷺ سب پیغمبروں میں سے اخیر میں تشریف لائے، اور سارے عالم کے لیے آئے:

﴿ومـا أرسلناك إلا كافة للناس بشيراً ونذيراً﴾(۱) ۔نیز ارشاد ہے: ﴿يا أيها الـنـاس إني رسول الله إليكم جميعاً﴾ ۔(۲) سب کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے، افریقہ کی طرف، امریکہ کی طرف، فرانس کی طرف بھی، جرمنی کی طرف بھی، ہندوستان کی طرف بھی، پاکستان کی طرف بھی، سارے عالم کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے۔

حضور ﷺ ایک خیر کی چیز لائے، بہتری اور بھلائی کی چیز لائے، جس سے دنیا بھی درست رہے آخرت بھی درست رہے، ایسی چیز ایسی بڑی نعمت کو کسی خاص قوم یا

---

(۱) السبا:۲۸۔

(۲) الأعراف:۱۵۸۔

کسی خاص امت کے لیے محدود نہیں کیا گیا، بلکہ سارے عالم کے لیے کیا گیا ہے، جیسے آسمان سے ستارے نکلتے ہیں، کسی ستارے کی روشنی زیادہ ہے، کسی ستارے کی تھوڑی سی روشنی ہے، کوئی ستارہ کسی علاقہ میں نمودار ہے، کوئی ستارہ کسی علاقہ میں نمودار ہے، لیکن جب آفتاب نکلتا ہے تو اس کی روشنی سارے عالم میں پہنچتی ہے، سب جگہ پر پھیلتی ہے، آفتاب کے بعد کسی ستارے کی ضرورت نہیں رہتی، کسی روشنی کی ضرورت نہیں، جہاں جہاں تک آفتاب کی شعاعیں پہنچیں گی سب جگہ روشنی ہوتی چلی جائے گی۔

اسی طریقہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، لہذا حضور ﷺ کی بعثت بھی عام، آپ کی دعوت بھی عام، ﴿ولو امن اهل الكتاب لكان خيراً لهم﴾ (۱)۔ اہل کتاب اگر ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہتر تھا۔ اہل کتاب کو مخصوص کیا؟ اس واسطے کہ ان کی کتابوں میں تذکرہ تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا، تورات میں بھی تذکرہ تھا، انجیل میں بھی ذکر تھا، ان کو خاص طور پر کہا گیا کہ تمہارے پیغمبروں کے اوپر جو کتابیں بھیجی تھیں ہم نے، ان میں تذکرہ ہے، پیغمبروں نے تم سے کہا تھا کہ ایمان لاؤ نبی آخر الزمان پر، لہذا وہ لوگ ان پر ایمان لے آتے تو اچھا تھا۔

ایک نصرانی بادشاہ نے ایک خط لکھا ہے مسلمان خلیفہ کے نام، اس میں لکھا ہے ایک تمہارے پیغمبر ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جن کو تم پیغمبر مانتے ہو، ہم پیغمبر نہیں مانتے، ان کی پیغمبری میں اختلاف ہو گیا اور ایک ہمارے پیغمبر ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، ان کو تم بھی پیغمبر مانتے ہو ہم بھی پیغمبر مانتے ہیں، ان کی پیغمبری پر تو اتفاق ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری میں اختلاف ہے، اس اختلاف کی چیز کو چھوڑ کر اتفاق کی

---

(۱) آل عمران: ۱۱۰۔

چیز کو سب کیوں نہ مان لیں؟ لہذا تم بھی عیسائی ہو جاؤ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر مانتے ہی ہو، اختلاف سارا ختم ہو جائے گا۔ خلیفہ وقت نے علماء کے پاس اس خط کو بھیجا، ایک عالم نے جواب دیا کہ ہمارے پیغمبر ایسے ہیں جن کو ہم تو پیغمبر مانتے ہی ہیں، لیکن تمہارے پیغمبر نے بھی ان کو پیغمبر مانا: ﴿مبشراً برسولٍ يأتي من بعد اسمه أحمد﴾ (۱)۔ تمہارے پیغمبر نے یہ کہا کہ میں بشارت دیتا ہوں ایک ایسے پیغمبر کی، جو بعد میں آئیں گے، ان کا نام احمد ہے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی پیغمبر مانا اور تم کو ہدایت دی ہے کہ تم ان کو مانو، تسلیم کرو، ایمان لاؤ، لہذا ہمارے پیغمبر کی پیغمبری بالاتفاق ہے، ہم بھی پیغمبر مانتے ہیں اور تمہارے پیغمبر بھی پیغمبر مانتے ہیں اور جن کو تم کہتے ہو: عیسیٰ ابن اللہ ثالث ثلاثہ، وہ پیغمبر تو کیا ہوتے اس نام کا کوئی آدمی پیدا ہی نہیں ہوا، جو ابن اللہ ہو، اللہ کا بیٹا تو کوئی نہیں اب تک، اس کو پیغمبری سے کیا واسطہ؟ لہذا تم جس کو مانتے ہو اس کا وجود ہی کہیں نہیں، پیغمبری کیا ہوتی؟ چوں کہ پچھلی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کا بھی تذکرہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا بھی تذکرہ اور حضور کے دین کا بھی تذکرہ ہے، اس لیے قرآن کریم نے کہا: ﴿ولو امن اهل الكتاب لكان خيراً لهم﴾.

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک علاقہ میں تھا، شام کا وقت تھا، ایک شخص نے دیکھا آسمان کی طرف اور کہا: هذه كوكب محمد، کہ یہ محمد (ﷺ) کا ستارہ ہے، آج حضور ﷺ پیدا ہو رہے ہیں، وہ لوگ حضور ﷺ کی پیدائش کے وقت سے پہلے منتظر تھے، اس ستارے کو دیکھ سمجھ گئے اور یہ کہنے والا اہل کتاب میں سے تھا، جس نے یہ بات کہی تھی، وہ لوگ یہاں تک پہنچانتے تھے، نام لکھا ہوا تھا ان کی

---

(۱) الصف: ٦.

کتابوں میں حضور ﷺ کا، کام لکھا ہوا تھا، کام کیا کریں گے، پوری چیزیں موجود تھی، (۱) اس لیے قرآن کریم میں کہا گیا کہ یہ ایمان لے آتے تو اچھا تھا، کیوں کہ ان کو پہلے خبر کر دی گئی تھی۔

نصاریٰ نجران آئے حضور ﷺ کے پاس، بات کرنے کے لیے، اسلام کی حقانیت پر بات کرتے ہوئے انہوں نے حضور ﷺ کی بات کو تسلیم نہیں کیا، حضور ﷺ نے فرمایا، اللہ نے آیت نازل فرمائی:

﴿قل تعالوا ندع أبناء نا وأبناء كم ونساء نا ونساء كم وأنفسنا وأنفسكم ثم نبتهل فنجعل لعنة الله على الكاذبين﴾.(۲)

"اور تم بھی اپنی اولاد کو لے آؤ، ہم بھی اپنی اولاد کو لے آتے ہیں اور اللہ کے سامنے مباہلہ کرلیں کہ جھوٹے پر اللہ کی لعنت، ہم بھی اللہ سے دعا کریں، ہاتھ اٹھا کر کہ جھوٹے پر اللہ کی لعنت، تم بھی دعا کرو، تم خود اپنے آپ کو جھوٹا سمجھتے ہو، دل میں تمہارے جھوٹ ہے، تم جانتے ہو، لیکن زبان سے اقرار نہیں کرتے، اگر تم جھوٹے ہو تو تم پر لعنت ہے۔"

ان لوگوں نے دیکھا، آپس میں کہا: دیکھو! یہ تو جن کو لے کر حضور ﷺ تشریف لائے ہیں یہ ایسی مبارک صورتیں ہیں کہ اگر ان کے خلاف ہم نے کچھ کہا اور لعنت کی بد

---

(۱) سبل الهدى والرشاد، الباب السابع فيما أخبر الأخبار: ۱/۱۲۳، دار الكتب العلمية، والخصائص الكبرى، باب إعلام الله به موسىٰ عليه السلام: ٤٦، دار الكتب العلمية.

(۲) آل عمران: ٦١.

دعا دی تو ہم ہی ہلاک وتباہ وبرباد ہوجائیں گے۔ انہوں نے مباہلہ نہیں کیا۔ وہ جانتے تھے، اس لیے قرآن کریم نے کہا: اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو اچھا تھا، آگے فرماتے ہیں: ﴿منهم المؤمنون وأكثرهم الفاسقون﴾. (۱) بہت تھوڑے سے لوگ ہیں اہل کتاب میں سے جو ایمان لائیں گے اور اکثر تو نافرمان ہیں، دل میں یقین ہوجانے کے باوجود پھر ایمان نہ لانا کتنی بڑی بدبختی کی بات ہے؟ (۲)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دو یہودیوں نے دیکھا اور دیکھ کر آپس میں کہنے لگے کہ یہی وہ شخص ہے جو ہمیں جزیرہ عرب سے نکالے گا، مدینہ طیبہ سے نکالے گا، آئے ان کے پاس اور آکر کہنے لگے کہ جب آپ کی بادشاہت ہوگی اور آپ حاکم بن جائیں گے اس وقت ہمیں نہ نکالنا، ہمیں امن دیجیے۔ حضرت عمر ہنسنے لگے، میں اونٹ چرانے والا آدمی، میں کہاں اور بادشاہت کہاں؟ کہا: نہیں، نہیں، آپ لکھ دیجیے پرچہ۔ اصرار کے بعد پرچہ لکھ دیا، وہ زمانہ ایسا تھا کہ چار سو بیسی نہیں جانتے تھے کہ کیا ہوتی ہے؟ سیدھے سادھے لوگ تھے پرچہ لکھ دیا، اس وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آنا بھی شروع نہیں ہوئی تھی، جب کی یہ بات ہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی، تئیس برس تک نبوت کی اشاعت کی، اس کے بعد وفات ہوگئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، اس وقت میں وہ یہودی لوگ پرچہ لے کر آئے ہیں، آپ نے ہم کو امن دیا تھا، اب آپ ہم کو باہر نہیں کرسکتے، اتنا جانتے تھے وہ لوگ، صورت دیکھ پہچانتے تھے۔

---

(۱) آل عمران: ۱۱۰۔

(۲) دلائل النبوة، باب وفد نجران وشهادة......، لنبينا ﷺ بأنه النبي: ۳۸۲/۵، ۳۸۵، ۳۸۶۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سو رہے تھے، ان کی آنکھ تھوڑی سی کھل گئی، اندرون آنکھ کوئی تِل کا سیاہ نشان تھا، یہودی کی نظر پڑی، اس نے کہا: بس، بس، یہی خلیفہ ہوں گے۔ یہی خلیفہ ہوں گے، یہاں تک پہچانتے تھے کہ کس جگہ پر تِل ہے؟ کس جگہ پر نشان ہے؟ اس لیے قرآن پاک کہتا ہے: ﴿ولو امن اهل الكتاب لكان خيراً لهم﴾۔ یہ اتنی نشانیوں کے جاننے کے باوجود ایمان نہیں لائے، یہ اگر ایمان لے آتے تو اچھا تھا، ان کو دہرا اجر ملتا، یہ اپنے نبی کے امتی ہونے کی حیثیت سے بھی ایک مقام حاصل کرتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا ایک مرتبہ اللہ سے، آپ کی کتاب میں ایک امت کا تذکرہ ہے کہ وہ امت راحت و مسرت کی حالت میں تو شکر گزار ہوگی اور مصیبت و رنج کی حالت میں صبر کرے گی، میری خواہش یہ ہے کہ وہ امت مجھے دے دیجیے، جواب ملا کہ وہ امت تو نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی ہے، عرض کیا کہ آپ کی کتاب میں ایک امت کا تذکرہ ہے، جو جہاد کرے گی، مال غنیمت اس کے لیے حلال ہوگا، میری خواہش ہے کہ وہ امت مجھے دے دیجیے۔ جواب میں کہا گیا کہ وہ امت تو نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی ہے، اخیر میں بہت ساری باتیں ظاہر کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ اچھا وہ امت اگر مجھے نہیں مل سکتی تو مجھے ہی اس امت میں داخل فرما دیجیے۔ اللہ نے ان کو نبی بنایا، وہ درخواست کر رہے ہیں کہ مجھے اس امت میں داخل کر دیجیے۔

اس امت کے فضائل بہت ہیں، چوں کہ یہ امت خیر امت ہے، اس کا دین خیر الادیان ہے، اس کے رسول خیر الرسل ہیں، اس کی کتاب خیر الکتب ہے، یہ امت خیر

(۱) مر تخریجه فیما سبق

الامم ہے، ہر طرح کی خیر ہی خیر ہے، خیر کو لے کر حضور ﷺ تشریف لائے اور دنیا میں جتنے نفوس انسانیہ بستے تھے سب کے سامنے اس کو پیش کیا، جانور تک آپ پر ایمان لائے، درختوں نے کلمہ پڑھا، پتھروں نے کلمہ پڑھا، آسمان سے آئیں، جنات ایمان لائے، مگر جن لوگوں کی تقدیر میں ایمان نہیں تھا وہ ایمان نہیں لا سکے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ولو امن اهل الكتاب لكان خيراً لهم﴾.

ان سب کے باوجود اگر یہ ایمان لے آتے تو کتنا اچھا ہوتا؟ بہتر ہی بہتر تھا، خیر کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، کتنے غضب کی بات ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو خیر لے کر جاتے ہیں لوگوں کے پاس، ایک نعمت لے کر جاتے ہیں اور لوگ دھتکارتے ہیں، برا کہتے ہیں، گالی دیتے ہیں، لڑتے ہیں، قتال کرتے ہیں، کتنی بدنصیبی کی بات ہے؟ اس لیے فرماتے ہیں: ﴿ولو امن اهل الكتاب لكان خيراً لهم، منهم المؤمنون واكثرهم الفاسقون﴾.

ایک یہودی کو معلوم ہو گیا اپنی کتاب کے ذریعہ سے کہ نبی آخر الزمان کے ظہور کا وقت قریب آ رہا ہے، وہ مکہ میں پیدا ہوں گے اور ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں جائیں گے اور مسجد نبوی کے قریب جہاں ٹھہریں گے مکان میں، وہ مکان یہودی نے خرید لیا اور اس نے سوچا کہ جب وہ تشریف لائیں گے تو سب سے پہلے میں ان کو اپنا مہمان بناؤں گا، لیکن اس کے بعد وہ مکان فروخت کر دیا اور چلا گیا اور وہ مکان حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آیا، ان کے مہمان ہوئے۔ یہودی یہ بھی جانتے تھے کہ حضور ﷺ کی پیدائش کا وقت قریب آ رہا ہے، وہ یہاں آ کر ٹھہریں گے۔(۱)

---

(۱) شرح المواهب للزرقاني، خاتمة في وقائع متفرقة حصلت: ۲/۱۲۶-۱۶۴، دار الكتب العلمية.

ام معبد اوران کے شوہر دونوں کے دونوں حضور ﷺ کی تلاش کو نکلے اور باہر آ کر ایک مقام پر انہوں نے اپنا ایک چھوٹا سا خیمہ ڈال دیا، ٹھہر گئے وہاں، حضور ﷺ جب ہجرت فرما کر تشریف لے جا رہے تھے تو ام معبد کے خیمہ میں پہنچے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمہارے یہاں کچھ کھانے کی چیز ہے؟ انہوں نے بتلایا: مفلوک الحال ہیں، کچھ نہیں کھانے کو، شوہر تو گئے ہوئے ہیں جنگل، بکریاں لے کر اور خود ام معبد اپنے خیمہ میں تھی، ایک بکری بندھی ہوئی تھی وہاں، ام معبد سے پوچھا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہ یہ بکری کیسی ہے؟ انہوں نے کہا یہ تو جنگل جا نہیں پاتی ہے، کہا: اچھا دودھ دوہنے کی ہمیں اجازت دو؟ انہوں نے کہا اس میں دودھ ہے کہاں؟ اس کی تو کھال ہڈیوں سے لگی ہوئی ہے، گوشت بھی اس میں نہیں ہے، دودھ کیا ہوتا؟ بہر حال دوہنا چاہو تو دوہ لو۔ پانی لے کر پہلے تھنوں کو دھویا، اس کے بعد دودھ نکالا، نکال کر حضور ﷺ نے پیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیا، ام معبد رضی اللہ عنہا نے پیا اور جو ان کے یہاں برتن تھے ان میں رکھ دیا، اور اس کے بعد چل دیے، (۱) شام کو جب ان کے شوہر آئے ہیں، انہوں نے اپنے خیمہ میں انوارِ نبوت محسوس کیے، پوچھا گھر میں کون مہمان آیا تھا؟ یہ دودھ کہاں سے آیا؟ بتلایا ایسے ایسے دو شخص آئے تھے انہوں نے کھانے پینے کی چیز طلب کی، بکری مانگی، بکری کا دودھ نکالا اور اس طرح سے خود بھی پیا اور ہمیں بھی پلایا اور باقی رکھ دیا برتن میں، ان کے شوہر نے کہا: اللہ کی بندی! ایسے مبارک مہمانوں کو کیوں نہیں روکا؟ ان کو تو روکنا چاہیے تھا، انہی کی خاطر تو ہم ٹھہرے تھے یہاں آ کر، اب یہاں ٹھہرنے کا کیا کام؟ چلو خیمہ اکھاڑ کر مدینہ طیبہ چلے گئے۔

---

(۱) شرح المواهب للزرقاني، باب هجرة المصطفىٰ وأصحابه إلى المدينة: ۲/ ۱۳۰-۱۳٤، دار الكتب العلمية.

تو حضور ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے، ہجرت سے پہلے بہت واقعات اس قسم کے پیش آئے کہ جو اہل کتاب کو محسوس ہوئے، دوسروں کو محسوس ہوئے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے اختیار کے بغیر ہی ان کے قلب میں حضور ﷺ کے حالات ڈال دیے، اس لیے فرماتے ہیں: ﴿ولو امن اھل الکتاب لکان خیراً لھم﴾۔ یہ اہل کتاب اگر ایمان لے آتے تو کتنا اچھا ہوتا، خیر ہوتا ان کے لیے، مگر وہاں تو خیر کیا ہوتی؟ اہل کتاب تو بہت زیادہ جلتے تھے، بہت زیادہ غصہ میں بھرے ہوئے تھے، خاص کر یہودی تو حضور ﷺ سے بہت غصہ میں تھے: ﴿لتجدن أشد الناس عداوۃ للذین آمنوا الیھود والذین أشرکوا﴾ ۔(۱) تو سب سے زیادہ دشمنی یہود کو تھی نبی کریم ﷺ کے ساتھ، اس واسطے کہ وہ جانتے تھے کہ ان کے آنے کے بعد ہمارے مذہب کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ جائے گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کے حوارین میں سے ایک نے کہا: میری خواہش یہ ہے کہ حضرت نبی آخر الزمان ﷺ کو دیکھوں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی، وہاں سے جواب ملا اور حضور ﷺ جس وقت ہجرت کریں گے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف، راستے میں میں ایک غار میں ٹھہریں گے، تم اس غار میں ٹھہر جاؤ، وہاں تم کو زیارت ہو جائے گی، چناں چہ اس نے منظور کر لیا، اس کو سانپ بنا دیا گیا، وہ آکر اس غار میں ٹھہر گیا، وہ منتظر رہا، کئی صدیاں گزر گئیں، جب حضور ﷺ کی بعثت ہوئی اور پھر مشرکین نے مکہ مکرمہ میں چین نہیں لینے دیا، یہاں تک کہ قتل کا منصوبہ بنالیا، اب اللہ کی طرف سے ہجرت کا حکم ہوا، پھر حضور ﷺ اس غار میں آکر ٹھہرے، اس غارِ

---

(۱) المائدۃ: ۸۲.

ثور میں حضرت ابوبکر صدیق ساتھ تھے، اول تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو باہر بٹھایا، فرمایا: آپ ٹھہر جائیں، میں غار کو دیکھ لوں۔ غار کو دیکھنے کے لیے گئے، تاکہ اس کو صاف کرلیں، ٹھہرنے کے واسطے، باہر آئے تو ایک چادر تھی، آپ کے پاس، ایک چادر غائب تھی، حضور ﷺ نے پوچھا: دوسری چادر کیا ہوئی؟ بتلایا: اس میں جو سوراخ تھے اس چادر سے پھاڑ پھاڑ کر وہ سوراخ بند کردیے کہ ان میں کوئی موذی جانور نہ ہو، حضور ﷺ کو کھلانے پلانے کی فکر میں تھے، ایک بکری والے کو دیکھا، اس سے پوچھا: اس نے بتلایا فلاں شخص کی ہے، انہوں نے کہا: دودھ دوہنے کی اجازت دو اور اس میں ذرا ٹھنڈا پانی ملا کر ٹھنڈا کر کے حضور ﷺ کو پلایا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "شرب حتی رضیتُ". (۱) حضور ﷺ نے دودھ پیا حتی کہ میری جی راضی ہو گیا۔ کیا محبت تھی؟ کیا تعلق تھا؟ دودھ پی رہے ہیں حضور ﷺ اور جی راضی ہو رہا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا!؟

خیر اس غار کو صاف کر کے اندر لے گئے اور عرض کیا کہ آپ میری ران پر سر رکھ کر ذرا آرام کرلیں، حضور ﷺ لیٹ گئے، دیکھا تو ایک سوراخ باقی ہے اس غار میں، وہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا پیر رکھ دیا، اسی سوراخ میں وہ سانپ تھا، وہ سانپ نکلنے لگا، دیکھا تو سوراخ میں کوئی چیز اٹکاؤ کی ہے، اس نے کاٹا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پیر تھا وہ، کاٹنے پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فکر لاحق ہوئی کہ اب سانپ کے کاٹنے سے میں تو مر جاؤں گا، حضور ﷺ تنہا رہ جائیں گے، دشمن تاک میں ہے، تلاش میں پہ ہے، پھر رہے ہیں، جگہ جگہ ڈھونڈتے ہوئے، حضور علیہ السلام کو پکڑ لیں گے، اسی غم اور صدمہ سے آنکھ سے آنسو نکلا، حضور ﷺ کے اوپر گرا وہ آنسو، تب

---

(۱) مر تخریجه فیما سبق.

حضورﷺ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ حضور میں تو ڈسا گیا، حضور علیہ السلام نے اپنا لعاب دہن لگا دیا، اس کی برکت سے زہر کا اثر پیدا نہیں ہوا، وہ سانپ جو کئی صدیوں سے وہاں ٹھہرا ہوا تھا، اس نے کہا: اللہ کے بندے! اب دیدار کا وقت آیا تو تم نے پیر اڑا لیا اس میں۔(۱)

تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری حضورﷺ کے اتنے مشتاق تھے، اس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے اہل کتاب کو بہت معلومات تھیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے ان کے اہل کتاب کو بہت معلومات تھیں، وہ لوگ اگر ایمان لے آتے تو کتنا اچھا تھا؟ ان کے پیغمبر کی تصدیق ہو جاتی ان کے لیے، آگے فرماتے ہیں: ﴿لن یضروکم إلا أذی﴾ . (۲) اے امت محمدیہ! جب تم دوسروں کے واسطے نکالے گئے ہو، اپنے نفع ونقصان کے لیے نہیں نکالے گئے، تاکہ حق تعالی کی اس نعمت عظمیٰ کو تمام انسانوں کے پاس تقسیم کرو، اس لیے نکالے گئے ہو، اہل کتاب نشانیاں دیکھنے کے باوجود بھی ایمان نہیں لائے اور فسق میں مبتلا ہیں، وہ عداوت پر اترے ہوئے ہیں، تم کو یہ اذیت پہنچائیں گے، تمہارا ایمان تو وہ چھین نہیں سکتے، ہاں! تھوڑی سی اذیت پہنچائیں گے، بہت معمولی ہوگی، چناں چہ وہ اذیتیں ساری کی ساری ہمارے اکابر واسلاف بھگت چکے ہیں، آج ہمارے لیے کوئی اذیت نہیں، بڑی آزادی ہے، ہر طرح سے یاد رکھو، آج دوسروں کو، دشمنوں کو، یورپ وغیرہ کو مسلمانوں کی کسی حکومت سے کوئی خطرہ نہیں ہے، کسی حکومت کے متعلق ان کو یہ توقع نہیں کہ وہ ہم پر حملہ آور ہوگی، اس کے پاس اتنے ہتھیار نہیں کہ وہ لڑ سکیں، فتح پانا تو کیا بات ہے لڑ بھی نہیں

(۱) مر تخریجه فیما سبق.

(۲) آل عمران: ۱۱۱.

سکتے؟ مادی طاقت ایسی ہے، یہ ہی نہیں مسلمانوں کے پاس، البتہ خوف ہے تو انہی لوگوں سے ہے، جن کے دلوں میں دین کی قدر ہے، دین کی تڑپ ہے اور وہ یہ جانتے ہیں کہ دوسروں تک اس دین کو پہنچانے والے یہی ہیں، اس کی وجہ سے فکر ہے۔

کئی سال کی بات ہے، سہارن پور سے حضرت مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ تشریف لے گئے لندن، میں بھی ساتھ گیا تھا، وہاں جا کر معلوم ہوا کہ تقریباً پانچ ہزار آدمی روزانہ دستر خوان پر کھانا کھاتے تھے، دور دور سے لوگ آتے تھے، معلوم ہوا کہ حضرت شیخ تشریف لائے ہیں تو ہوائی جہاز سے چلے آرہے ہیں، جبھی ایک صاحب نے امریکہ سے فون پر کچھ مسائل پوچھے وہاں کے عالم سے تو انہوں نے کہہ دیا کہ تم فوراً چلے آؤ، جو کچھ پوچھنا ہے یہاں آکر پوچھ لینا، وہ اگلے روز پہنچ گئے اور جتنے مسائل پوچھنے تھے ان کو انہوں نے پوچھ لیے، تو اس وقت میں امریکہ کے اخبار میں شائع ہوا تھا کہ اسلام یورپ کے دروازے تک پہنچ چکا ہے، بڑا خطرہ لاحق ہو گیا یورپ کو اسلام سے کہ دروازہ پر آپہنچا ہے، حالاں کہ یہ بیچارے کیا لڑتے؟ ان کے پاس تو چاقو بھی نہیں، بندوق، تلوار اور مشین گن تو کیا ہوتی؟ کوئی چیز نہیں، کوئی ہتھیار نہیں، ان کے پاس جو کچھ ہے اللہ کا خوف ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ دو خوف کسی دل میں جمع نہیں ہوتے کہ اللہ کا خوف بھی ہو، مخلوق کا خوف بھی ہو، (۱) اگر کسی کے دل میں اللہ کا خوف ہوگا تو مخلوق کا

---

(۱) قال عمر بن الخطاب رضی الله عنه لسعد بن وهيب حينما بعثه إلى العراق:

((واعلم أن خشية الله تجتمع فی أمرين: فی طاعته واجتناب معصيته، وإنما طاعة من اطاعه ببغض الدنيا وحب الآخرة، وإنما عصيان من عصاه بحب الدنيا وبغض الآخرة))۔

(البدا[illegible]، سنة ١٤هـ: ٣٥/٧، دار الكتب العلمية).

خوف اس کے دل سے نکل چکا ہوگا، یہ حضرات اذیتیں برداشت کر چکے ہیں، ﴿لن یضروکم إلا أذی﴾ ۔تم ان کو اذیت ہرگز نہیں پہنچا سکتے، مگر تھوڑی سی اذیت پہنچائیں گے، رہا یہ کہ ختم کردیں، نیست و نابود کردیں، ایمان کو سلب کرلیں، اس کی قدرت ان کو نہیں، ہاں! مسلمان اگر خود ہی اپنے دین سے ناواقف ہو، نہ قرآن شریف پڑھتا ہے، نہ حدیث شریف پڑھتا ہے، نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو دیکھتا ہے، نہ مسائل سے واقفیت ہے، وہ اگر ان کے پھندہ میں آجائے، زر، زن، زمین کی وجہ سے یا کسی اور لالچ کی وجہ سے اور خوف کی وجہ سے وہ دوسری بات رہی، لیکن جس مسلمان کے دل میں واقعی ایمان ہے وہ ہرگز ان کے پھندے میں، قابو میں نہیں آسکتا، اس لیے فرماتے ہیں: ﴿لن یضروکم إلا أذی﴾

۱۸۵۷ء میں جو جہاد ہوا، ہندوستان میں، اس میں گرفتاری ہوئی اہل اللہ کی، سولی قائم کی گئی، دہلی کی جامع مسجد سے لال قلعہ تک، بادشاہ کے آنے جانے کا جو راستہ تھا سڑک کا اس کے دونوں طرف درختوں پر لاشیں لٹکی ہوئی تھیں، جگہ جگہ سولی قائم کر کے علماء کو سولی دی گئی، مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کیا، اور جیل میں لے گئے، دیر تک رہے، وہاں ایک شخص پہلے سے محبوس تھا، اس کو قرآن شریف شروع کرادیا مولانا نے، یہاں تک کہ مولانا کی جیل کا زمانہ ختم ہو چکا، پروانہ آگیا رہائی کا سرکاری کہ آپ رہا کیے جاتے ہیں، آپ کی جیل کی مدت پوری ہوگئی، اس شخص نے کہا: حضرت! میرا تو قرآن رہ گیا، حضرت نے فرمایا: نہیں جاتا، میں تو تیرا قرآن کریم ختم کرا کے جاؤں گا، تو جو جیل کی مدت تھی اس سے زائد قرآن کریم ختم کرانے کے لیے رہے، ایسے لوگوں کو کیا جیل کی اذیت ہوسکتی ہے؟ کیا کوئی ستا سکتا ہے؟ جو خود وہاں پر رہنے

کے متمنی ہو، حضرت شیخ الہند گرفتار ہوئے، وہ کئی برس تک مالٹا کی قید میں رہے، طرح طرح سے ان کو ستایا گیا، سردی زیادہ ہوتی تھی، اخیر شب میں جب وہ تہجد کے لیے اٹھتے تھے تو حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ ساتھ تھے، وہ لوٹے میں ٹھنڈا پانی لے کر اپنے پیٹ پر رکھے رہتے، تاکہ پیٹ کی گرمی سے پانی کچھ گرم ہو جائے، وضو کرنے کے قابل ہو جائے، حضرت شیخ الہند وضو کر کے نماز کی نیت باندھتے تو جو گورے پہرے پر ہوتے تھے وہ لاٹھی وغیرہ سے ان کو چونکے مارتے تھے، چناں چہ جس وقت ہندوستان تشریف لائے تو ان کے پہلو پر جگہ جگہ نشانات تھے۔ جس وقت ان کے افسر کو معلوم ہوا، اس نے کہا: اس شخص پر کیوں زیادتی کرتے ہو؟ یاد رکھو! یہ ایسا شخص ہے اگر اس کو قتل کرو گے تو اس کے خون سے حق حق کی آواز آئے گی، اس کو اگر جلا دو گے تو اس کی راکھ سے حق حق کی آواز آئے گی، اس کو مت ستاؤ۔

چناں چہ ان حضرات نے صبر کیا، ان حضرات کے صبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے درجات بلند فرمائے، اس لیے جو اذیت تھی، بڑی اذیتیں وہ تو اکابر برداشت کر چکے، آج ہمارے سامنے کوئی اذیت نہیں، بہت تھوڑی سی چیز ہے، ہمت کر کے، قوت کے ساتھ، اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے وقت دینا ہے، نہ کسی طاقت پر بھروسہ ہے، نہ کسی حکومت پر بھروسہ ہے، محض اللہ پر بھروسہ کر کے کام کرے، ان شاء اللہ تعالیٰ کامیابی ہے اور جو زمانہ جہاد کا تھا ہمارے اسلاف نے اس زمانہ میں جہاد بھی کیا اور طرح طرح کی کامیابی ہوئی، اس کو ایک شاعر نے کہا:

اے بادِ صبا جھک کر میری جانب سے گر — درِ احمد پر قسمت سے تو جا نکلے
باتیں جو بتائیں تھیں تم نے وہ حقیقت تھی — وعدے جو کیے تم نے وہ سارے بجا نکلے
قیصر تھا نہ کسریٰ تھا میدانِ شجاعت میں — جب ارض مقدس سے بے برگ ونوا نکلے

یہ حضرات نکلے ہیں دین کی خاطر اور کایا پلٹ ہوتی چلی گئی، ایک ایک شخص کے ہاتھ پر ہزاروں آدمی ایمان لے آئے، شیخ زکریا صاحب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر اسی ہزار آدمی ایمان لائے، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بے شمار لوگ ایمان لائے اور خدا جانے ان میں سے کتنے بڑے بڑے عالم ہوئے؟ کتنے اہل اللہ وعارف ہوئے؟ کتنے حافظ وقاری ہوئے؟ کتنوں نے جہاد کیا؟ اور کتنوں نے کس قدر دین کو پھیلایا؟ اور برابر یہ سلسلہ چل رہا ہے اور چلتا رہے گا، ان شاء اللہ۔

اور یہ نہ سمجھیں کہ اگر آپ حضرات نے کام چھوڑ دیا تو دین رک جائے گا، نہیں، چھوڑنے والے تباہ ہو جائیں گے، اگر دین کو اختیار نہیں کیا تو دین کے چھوڑنے والے تباہ ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ دوسری قوم سے کام لے گا: ﴿وان تتولوا یستبدل قوماً غیر کم، ثم لا یکونوا أمثالکم﴾. (۱)۔ اگر مسلمان دین سے غفلت کرتے ہوئے اس کی طرف توجہ نہ دیں، اس کو چھوڑ دیں، تو اللہ تعالیٰ دوسری قوم کو، دوسرے دین والوں کو کھڑا کر دے گا مسلمان بنا بنا کر، تاکہ وہ اسلام کی خدمت کر سکیں اور محروم رہیں گے وہ جو دین کی خدمت نہ کریں۔

ایک شخص نے سفر میں دریافت کیا کہ یہ بتائیے، ہم جو تاریخ پڑھتے ہیں، تو تاریخ میں ملتا ہے کہ مسلمانوں کا جب دوسروں سے جہاد ہوا، مسلمانوں کے پاس آدمی کم، ہتھیار کم، گھوڑے کم، لیکن جب میدان میں جاتے ہیں، تو مسلمان خوب آگے بڑھتے ہیں اور وہ پیچھے بھاگتے چلے جاتے ہیں، حالاں کہ دوسروں کے پاس یعنی جو

---

(۱) محمد:۳۸۔

مقابلے میں ہیں مسلمانوں کے دشمن، ان کے پاس افراد زیادہ، سامان زیادہ، ہتھیار زیادہ، مگر وہ دشمن بھاگتا ہے، پیچھے ہٹتا چلا جاتا ہے اور مسلمان آگے بڑھتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا: بھائی! ہے تو یہی بات، مگر اتنی کھلی بات آپ کو سمجھ میں نہیں آئی؟ کہنے لگے سمجھ میں نہیں آئی، اسی لیے تو پوچھ رہا ہوں، میں نے کہا: کھلی بات یہ ہے کہ مسلمان جب جہاد میں جاتا ہے اس نیت سے نہیں جاتا کہ میں بچ جاؤں اور دوسروں کو پکڑ والوں، بلکہ ہر شخص اپنی جان خدا کے لیے قربان کرنے کے لیے بڑھتا ہے، ہر شخص کے دل میں تقاضا یہ ہوتا ہے کہ پہلے میں شہید ہو جاؤں، یہ شہادت کا پیالہ مجھے مل جائے، ہر ایک چاہتا ہے کہ میری ہی جان اسلام پر کام آئے، قربان ہو جائے، تو مسلمان کا مقصد ہے اپنے آپ کو قربان کرنا اور وہ سمجھتا ہے کہ میرا یہ مقصد آگے بڑھ کر حاصل ہوگا، جتنا بھی میں دشمن میں گھسوں گا میرا مقصود حاصل ہوگا اور جو دشمن ہے اس کا مقصود یہ ہے کہ میں بچ جاؤں چاہے دوسرے مر جائیں، وہ اپنی نجات سمجھتا ہے پیچھے رہنے میں، لہذا لوٹتا چلا جاتا ہے۔

ماہان ارمنی ایک بادشاہ تھا، اس نے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے، بیس لاکھ فوج تیار کر رکھی تھی، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس کے پاس ایک سو سپاہیوں کو ساتھ لے کر گئے اور جا کر ان سے گفتگو کی، کوئی رعب ان نہ پڑا تو اس کو غصہ آیا، اس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ ان سب مسلمانوں کو گرفتار کر لو، بیس لاکھ فوج اس کی اور یہ ایک سو آدمی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے یہ سنتے ہی فوراً اپنے لوگوں سے فرمایا: خبردار! اب کوئی ایک دوسرے کی طرف نہیں دیکھنا، ہماری ملاقات حوضِ کوثر پر ہوگی، یہ سنتے ہی سو کے سو سپاہیوں نے اپنی اپنی تلواریں نکال لیں، اس کا اتنا رعب پڑا کہ وہ

بادشاہ کھسیانی ہنسی ہنس کر کہنے لگا: ارے! سچ مچ تھوڑا ہی کہہ رہا تھا، میں تو مذاق میں کہہ رہا تھا، میں تھوڑے ہی گرفتار کراتا تم کو۔(۱)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ جب شہید ہوئے ان کے سرہانے کھڑے ہوئے رو رہے تھے، وہ بتا رہے تھے کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں تلوار اٹھائی تو متوقع نہیں کہ ہمیں شہادت ملے گی، عکرمہ (رضی اللہ عنہ) تو کامیاب ہو گیا، دیکھیے! میرے مقدر میں کیا لکھا ہے؟ چناں چہ انتقال کے وقت رو رہے تھے، کہ میں کبھی فتح پانے کے شوق سے میدان میں نہیں گیا، بلکہ موت کو تلاش کرتا پھرا، جہاں کہیں امید ہوئی کہ یہاں گھسنے سے موت آ جائے گی وہاں گھستا چلا گیا، مگر موت نے ہمیشہ مجھ سے منہ پھیرا، ہائے افسوس! آج بوڑھی عورتوں کی طرح بستر پر پڑ کر مر رہا ہوں۔(۲)

تو مسلمان تو شہادت کے شوق میں آگے بڑھتا ہے، اس لیے فرماتے ہیں:
﴿وإن يقاتلوكم يولوكم الأدبار﴾۔ اگر انہوں نے تم سے قتال کیا، لڑائی کی تو پیٹھ پھیریں گے، اللہ کے وعدہ پر اطمینان رکھو، ﴿ثم لا ينصرون﴾(۳) پھر ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی، مسلمانوں کی تو مدد کا وعدہ ہے، اللہ تعالیٰ ملائکہ بھیجتے ہیں مدد کے لیے اور ان کے اندر حوصلہ بہت بڑھ جاتا ہے۔

فارس کی لڑائی میں دس دس فارس کے آدمی ایک ایک مسلمان کو گرا نہیں پاتے

---

(۱)مر تخريجه فيما سبق.

(۲)البداية والنهاية، سنة۱۱ھ: ۱۱/۱۱۲، دار الكتب العلمية، وكتاب الإصابة في تمييز الصحابة، حرف الخاء: ۱/۱۴۵، دار الفكر.

(۳)آل عمران:۱۱۱.

تھے، ان کے دلوں میں یہ بیٹھ گیا تھا کہ یہ تو جنات کی قسم کے لوگ ہیں، انسان ہیں ہی نہیں، یہ گرتے ہی نہیں، مرتے ہی نہیں، ایک مسلمان کو گھیر لگا کر بڑی مشکل سے گرادیا اور قتل کر دیا اور اس کے بعد سب کے سب بھاگے اور پہاڑ کے کوہ میں گھس کر بیٹھ گئے اور بیٹھ کر یہ دیکھنے لگے کہ اب یہ زندہ ہو جائے گا، اب یہ اٹھ جائے گا، اب یہ چلا جائے گا، یہ کیفیت تھی۔

ایک نوعمر لڑکے سے کسی فارسی نے پوچھا کہ تم لوگوں نے ٹریننگ کہاں حاصل کی جہاد کی؟ لڑائی کی؟ وہ ہنسنے لگا، اس میں ٹریننگ کی کیا بات ہے؟ کھجور کی شاخ کو توڑا، ذرا پتھر سے کچلا، اس کا لگام بنالیا، گھوڑے پر چڑھ گئے، تلوار ہاتھ میں لی اور لڑنا شروع کر دیا، اس طریقہ پر وہ حضرات لڑتے تھے، سامان ان کے پاس ہمیشہ کم ہوتا تھا۔

غزوہ موتہ کے موقعہ پر تین شخص کا نام لے حضور ﷺ نے فرمایا کہ پہلے جھنڈا لیں ابن رواحہ رضی اللہ عنہ، (۱) اگر وہ شہید ہو جائیں تو زید رضی اللہ عنہ اور وہاں بیس ہزار آدمی تھے، جھنڈا لے لیں، اگر وہ شہید ہو جائیں تو جعفر رضی اللہ عنہ جھنڈا لیں، پھر مسلمان جن کو تجویز کریں وہ جھنڈا لیں، (۲) تین ہزار آدمیوں کو حضور ﷺ نے بھیجا، مقابلہ پر تین اور بیس کے درمیان کیا نسبت ہے؟ لیکن اللہ تبارک وتعالی نے کامیابی دی، فتح ہوئی، تو فتح جو ہوتی ہے وہ اللہ تعالی کی نصرت سے ہوتی ہے، نہ آدمیوں کی زیادتی سے

---

(۱) یہاں ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے جھنڈا پکڑانے کا ذکر ہے، جب کہ صحیح یہ ہے کہ لشکر کا امیر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا گیا تھا اور پھر حضور علیہ السلام نے یہ تاکید فرمائی تھی کہ ان کی شہادت کے بعد جھنڈا حضرت جعفر بن ابی طالب تھامیں اور ان کے بعد ابن رواحہ رضی اللہ عنہ۔

(۲) رواه البخاري في المغازي، باب غزوة مؤتة من أرض الشام، رقم الحديث: ٤٢٦١، ٤٢٦٢، والبداية والنهاية، غزوة مؤتة: ٤/ ٢٦٠، دار الكتب العلمية، الكامل في التاريخ لابن الأثير، ذكر غزوة مؤتة: ٢/ ١١٢، دار الكتب العلمية.

ہوتی ہے، نہ مال و دولت کی زیادتی سے ہوتی ہے، نہ آلات حرب کی زیادتی سے ہوتی ہے، فتح ہوتی ہے اللہ کی نصرت سے اور حق تعالیٰ کی نصرت کب ہوتی ہے؟ جب اپنے نفس کی محبت پر دین کی محبت غالب ہو اور اللہ کی خاطر اخلاص کے ساتھ کام کرنے کے لیے گھر سے نکلے، اس نیت سے کہ اب ہمیں واپس نہیں آنا ہے، خداوند تعالیٰ قبول فرما لے جہاد میں، آج یہ مطالبہ نہیں کیا جارہا ہے تبلیغی جماعت سے کہ تلوار لے کر میدان میں جائے، بندوق لے کر جائے، کسی کو قتل کردے، نہیں، بالکل نہیں، ہرگز یہ مطالبہ نہیں، آج تو وقت کا مطالبہ ہے، تھوڑا سا وقت دیجیے، ایک چلّہ دو چلّہ وقت دیجیے، وقت دے کر نکلیے، جو بشارتیں ان لوگوں کو تلوار کے سایہ میں حاصل تھیں اس سے زیادہ آج اس میں موجود ہیں۔

جماعت گئی فلسطین تھی، وہاں کے جو مفتی اعظم تھے، وہ جماعت کو دیکھتے تھے اور روتے تھے، بہت روتے تھے، ان سے پوچھا: کیا بات ہے؟ انہوں نے بتایا کہ میں نے خواب میں زیارت کی کہ نبی اکرم ﷺ تیزی سے تشریف لارہے ہیں، میں نے مصافحہ کیا، انہوں نے اپنا ہاتھ جھٹک دیا اور فرمارہے ہیں کہ میرے مہمان آرہے ہیں، میں ان کے پاس جارہا ہوں، وہ کہتے تھے میں نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے، اس کو بھی دیکھا ہے خواب میں، ان کو حضور ﷺ نے اپنا مہمان فرمایا اور ان کے مصافحے کے لیے حضور ﷺ تشریف لے جارہے ہیں۔

جاپان جماعت گئی، وہاں کے جو بدھ مذہب کے سردار تھے وہ آئے اور جماعت کے ساتھ ٹھہرے، شرکت کی اور کہا ہمیں اجازت دو، ہم نماز میں تمہارے ساتھ شرکت کریں گے، انہوں نے کہا: مجھے میری روح نے بتایا ہے کہ اس پہاڑ سے

اتر کر فرشتے آئیں گے، سوتم ہی وہ لوگ ہو، جن کو فرشتہ کہا گیا ہے، ان سے پوچھا کہ آپ کے پاس کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ میرے پاس بہت کچھ ہے، لیکن اس کے مقابلہ میں خاک نہیں، کہا جو کچھ ہے وہ تو بتائیے، جو امیر جماعت تھے ان کی طرف ایک نظر دیکھا تو وہ گر پڑے، بے ہوش ہو گئے، اس نے کہا کہ میرے پاس اتنی طاقت ہے، لیکن جو کچھ آپ لوگ کہتے ہیں: "سبحان الله، الحمد لله، لا إله إلا الله، الله اکبر" پڑھتے ہیں، ان کی طاقت بہت ہے، ہر ہر لفظ کے ساتھ ایک نور نکلتا ہے، جو آسمان تک جاتا ہے، ان کو وہ نظر آتا ہے، نماز میں آکر شرکت کی انہوں نے، بشارتیں موجود ہیں، حق تعالیٰ کی طرف سے نصرت موجود ہے، دل کی عافیت کے ساتھ اس کام میں لگنے کی ضرورت ہے، اصول کی پابندی کے ساتھ، دل کی عافیت سے مراد یہ ہے کہ اپنے دل کی حفاظت کرتے ہوئے کہ اس میں غیر اللہ کی چیز نہ آنے پائے کہ ہمارا نام ہوگا، ہم جا کر فخر یہ بیان کریں گے گھر میں کہ ہم نے تین چلّے دیے، ہم نے چار چلّے دیے، اس قسم کی چیزیں نہیں ہونی چاہیے، اللہ کے دین کی خاطر نکلنا ہے اور اس نکلنے کو اللہ کے یہاں پیش کرنا، یا اللہ! قبول فرمالے، تو ہی اخلاص عطا فرما دے۔

آج بہت ہلکا مطالبہ ہے، وہ مطالبہ نہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تھا، قتال کا مطالبہ نہیں، لڑائی کی تیاریاں نہیں، یہ نہیں کہا جاتا کہ آپ توپ چلانا سیکھیے، آپ ایٹم بم بنانا سیکھیے، دین کی خاطر سیدھے سادھے، عافیت کے ساتھ، حکمت کے ساتھ بات پیش کرنی ہے اور اپنے بھائیوں کے سامنے پیش کرنی ہے، جو کلمہ اسلام پڑھتے ہیں، ان کے سامنے پیش کرنا ہے، تاکہ ان کا ایمان قوی ہو، اپنا ایمان قوی ہو، دونوں کے ایمان کی

قوت کے لیے اللہ کی رضا کی خاطر نکلنا ہے، یہ مطالبہ ہے، اسی مطالبہ کے واسطے یہ جوڑ کیے جاتے ہیں، جماعتیں نکالی جاتی ہیں، تعلیم کے حلقے کیے جاتے ہیں، گشت کیا جاتا ہے، خصوصی ملاقاتیں ہوتی ہیں، اس کے اندر بڑی خیر و برکت ہے، جس کو کہا گیا:

﴿أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتومنون بالله﴾.

اللہ تعالیٰ سب کو توفیق دے۔ آمین

اللّٰهم صل على سيدنا ومولانا محمد وعلى آل سيدنا ومولانا محمد وبارك وسلم.

﴿ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار﴾.

اے اللہ! ہم سب کے گناہوں کو معاف فرما، الٰہ العالمین ہم اپنے خراب اخلاق و عادات کی وجہ سے ذلیل ہو رہے ہیں، ان سب کو دور فرما دے، الٰہی! اخلاقِ فاضلہ عطا فرما، اعمال صالحہ عطا فرما، اے اللہ! جن اخلاق و اعمال کی وجہ سے تیری طرف سے رحمت کے وعدے ہیں وہ ہمیں نصیب فرما، الٰہی! جن اخلاق و عادات کی وجہ سے تیری طرف سے غضب اور لعنت نازل ہو اس سے ہم سب کی حفاظت فرما، اے اللہ! تمام مسلمانوں کو حرام مال سے محفوظ فرما، الہ العالمین! سب کے دلوں میں دین کی قوت عطا فرما، اے اللہ! اپنے حبیب پاک ﷺ کی محبت کو ہر مخلوق کی محبت پر غالب فرما۔ الہ العالمین! جنہوں نے نام لکھایا ہے ان کے حوصلہ کو بلند فرما، ان کے نکلنے کو قبول فرما، ان کے نکلنے پر اچھے اثرات مرتب فرما، ان کے نکلنے پر ان کے پیچھے ان کے کاروبار، اہل وعیال کی حفاظت فرما۔ اے اللہ! جنہوں نے نام نہیں لکھوایا ان کے دلوں میں قوت عطا

فرما کہ وہ نام لکھائیں، زیادہ دور اور دیر کے لیے ان کو سفر کی توفیق عطا فرما۔ الہ العالمین! تمام مسلمانوں کی تمام دشمنوں سے حفاظت فرما۔

﴿ربنا أفرغ علينا صبراً وثبت أقدامنا وانصرنا على القوم الكافرين﴾.

وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد واله وصحبه أجمعين، برحمتك يا أرحم الراحمين۔

تبلیغی محنت کے فوائد

خطبہ مسنونہ

حق تعالی نے دنیا میں رسول بھیجے کہ جو چیز حق تعالی کی طرف سے عطا ہو، پیغمبر اس کو مخلوق تک پہنچائیں، جو رسول کی بات کو نہیں مانتے، کفر پر جمے ہوئے ہیں، اس کی کوئی پوچھ رسول سے نہیں ہوگی، وہ تو گم راہ ہیں، پیغمبر کا کام تو یہ ہے کہ اللہ تعالی نے جو حکم فرمایا وہ مخلوق تک پہنچادیا، اب جو لوگ مانتے نہیں وہ مخالفتیں بھی کرتے ہیں، دشواریاں پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں، اس راہ میں کام کرنے والوں کو دشواریاں پیش آتی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئیں، لوگوں نے بات نہیں مانی، لوگوں نے اینٹ، پتھر برسائے، گالیاں دیں، قتل کے منوبے بنائے، سب کچھ کر دیا، لیکن حفاظت کرنے والا جب اللہ تعالی ہے تو کسی کی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی، سب کی کوششیں بے کار ہوگئیں، اس لیے اللہ پاک حفاظت فرمانے والے ہیں، رسول کا کام یہ نہیں ہے کہ اپنی طرف سے بات کہے اور منسوب اللہ کی طرف، نہ یہ کام رسول کا کہ اللہ تعالی نے جو کچھ نازل کیا اس کو چھپالے، رسول تو پہنچانے کے لیے آئے، چھپانے کے لیے نہیں آئے۔

اسی وجہ سے ابتدا میں، جب توحید کی تعلیم دی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور جتنے بت تھے، ان بتوں کی پوجا پاٹ کو منع کیا، (۱) جس میں مشرکین مبتلا تھے، تو عرب کے، قریش

---

(۱) مر تخریجه فیما سبق.

کے جو بڑے اونچے لوگ سمجھے جاتے تھے وہ آئے، حضور ﷺ کے چچا کے پاس اور آ کر کہا کہ آپ کا بھتیجا ایسی ایسی باتیں کہتا ہے، ہمارے بتوں کو کہتا ہے کہ کچھ نہیں کر سکتے، ان کے قبضہ میں کوئی چیز نہیں، بت کا حال تو یہ ہے کہ کتا آیا اور ٹانگ اٹھا کر پیشاب کر دیا، وہ تو اپنے اوپر سے کتے کو بھی بھگا نہیں سکتا، اگر مکھی آ کر بیٹھ جائے تو اس مکھی کو نہیں اڑا سکتا، اتنا بے حس، بے جان، بے طاقت، ناتواں، مگر وہ لوگ اس کو حاجت روا سمجھیں، اس کے سامنے سجدے کریں، اس سے اپنی مرادیں مانگیں، کس قدر بے عقلی کی بات ہے؟! تو ان لوگوں نے یہ کہا حضور ﷺ کے چچا سے کہ ان سے کہہ دیں کہ ہمارے بتوں کو برا نہ کہیں، اگر ان کو شادی کی ضرورت ہے تو جونسی عورت جتنی عورتیں ضرورت ہیں، پسند کریں، ہم دے دیں گے، اگر ان کو روپے کی، سونے کی ضرورت ہے تو ڈھیر لگا دیں گے سونے کا ان کے سامنے، اگر ان کو بڑی سلطانی چاہیے تو ہم ان کو اپنا بادشاہ بنالیں گے۔ تو حضور ﷺ نے جواب دیا کہ اگر میرے ایک ہاتھ پر چاند اور ایک ہاتھ میں سورج دیا جائے تو بھی میں اپنی بات سے باز نہیں آؤں گا، میں تو بھیجا گیا ہوں اس کام کے لیے۔(۱)

اللہ تعالیٰ تو بڑا دانا ہے، سمیع بصیر ہے، دیکھتے ہیں سب چیز، ایک فرشتہ بھیجا، ملک الجبال، جس کے متعلق پہاڑوں کی خدمت ہے، اس نے آ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ ان لوگوں نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا، میرے متعلق پہاڑوں کی خدمت ہے، اگر آپ چاہیں تو میں دو پہاڑوں کو ملا کر ٹکرا دوں کہ یہ لوگ جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ یہ بدتمیزی کی ہے، سب ختم ہو جائیں، مٹ جائیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ

---

(۱) رواه البخاری فی بدء الخلق، باب: إذا قال أحدكم: آمين، والملائكة فی السماء......، رقم الحديث: ۳۲۳۱.

میں یہ نہیں چاہتا، میں تو یہ سوچتا ہوں کہ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو کیا بعید ہے کہ ان کی نسل سے کچھ لوگ ایمان لائیں، میرا مقصد تو ایمان کی اشاعت ہے، ایمان لانے والوں کی اشاعت، ان کے پاس جانا، پیغام پہنچانا ہے، اس لیے میں نہیں چاہتا کہ ان کو ختم کر دیا جائے، عذاب میں مبتلا کیا جائے۔

ایک دفعہ ایک اور قوم نے پریشان کیا، حضور ﷺ کے چوٹ آئی، سخت چوٹ آئی تو حضور ﷺ نے دعا کی: "اللهم اهد قومي فإنهم لا يعلمون". (۱)

"اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے، یہ مجھے جانتے نہیں۔"

یہ دعوت اور تبلیغ کا کام ہے، اسی دعوت اور تبلیغ کے کام کو مولانا الیاس نور اللہ مرقدہ نے کیا، ایک جگہ حالت وہاں ایسی کہ لوگ مسلمان تھے، سروں پر ان کے چوٹی اٹھی ہوئی، نام ان کے ہندوانہ، رسم ورواج ہندوانہ، بتوں کی پوجا بھی کرتے تھے، کوئی چیز ان کے اندر ایمان کی نہیں تھی۔

ایک بستی ہے مسلمانوں کی، لیکن مسجد میں نہ اذان ہوتی ہے، نہ نماز پڑھنے کے لیے کوئی جاتا ہے، بکریاں بیٹھی مینگنیوں کے ڈھیر اس میں پڑے رہتے ہیں، ایسے لوگوں کے یہاں کام کیا، ایک شخص سے پوچھا کہ تمہارے گاؤں میں کون لوگ بستے ہیں؟ کہا مسلمان، فلاں گاؤں میں کون؟ کہا اس میں ہندو، پوچھا تم میں اور ہندوؤں میں کیا فرق ہے؟ کہا ہمارا نکاح قاضی پڑھتا ہے، ان کا نکاح پنڈت پڑھتا ہے، بس اور کوئی فرق نہیں، ایک شخص کو نماز پڑھنی سکھائی، اس نے نماز پڑھی، اس کو دیکھ کر لوگ جمع ہو گئے، ایک دوسرے کو اشارہ کر کے بتلاتے تھے، دیکھو! اس کے اوپر کیا ہے؟ کسی خبیث جن کا

---

(۱) شعب الإيمان: ۱٦٤/۲، باب في حب النبي ﷺ، فصل في حدبه عليه الله......، رقم الحديث: ۱٤٤٧، دار الكتب العلمية.

اثر ہے، الٹا سیدھا کیوں ہو رہا ہے؟ کبھی جھک رہا ہے، کبھی گر رہا ہے، کبھی اٹھ رہا ہے، ایسی جگہ پر کام شروع کیا، ان لوگوں کے اندر اتنی صلاحیت نہیں کہ اپنے یہاں مدرسہ قائم کرلیں، اتنی صلاحیت نہیں کہ علم دین سیکھیں، ان کو چلّے میں نکالنا شروع کیا، ان کے ایک میاں جی تھے، میاں جی کا کیا حال ہے؟ جو سب سے زیادہ پڑھا لکھا ہے، قرآن شریف شاید اس نے پڑھا ہو، ایک پارہ پڑھا ہوا ہوگا، وہ میاں جی تبلیغ میں چلے اور یہ جو دس آدمی ان کے ساتھ ہیں اور یہ کچھ بھی نہیں جانتے، وہی میاں جی ان کو کلمہ سکھا رہے ہیں، وہی میاں جی کسی کو الحمد سکھا رہے ہیں، کسی کو "قل ھو اللہ" سکھا رہے ہیں، کسی کو "التحیات" سکھا رہے ہیں، چلتا پھرتا مدرسہ ہے، دین سیکھنے کے واسطے، دین سیکھنے کے لیے یہ مدرسہ تھا ان لوگوں کا، چالیس روز میں بہت کچھ آ گیا، وضو کرنا سیکھا، کلمہ کے الفاظ صحیح کرلیے، نماز کے سجدے رکوع کو صحیح کرلیا، الحمد یا کوئی سورت قل ھو اللہ یاد کر لی، التحیات یاد کر لی اور یہ سمجھ میں آ گیا کہ نماز پڑھنا ضروری ہے، پانچ وقت پڑھنی ہوگی، وہاں سے واپس آ گئے اپنے گھر، گھر آ کر اب گھر والوں کو بھی تبلیغ کرتے ہیں کہ نماز پڑھو، ایک بھائی دوسرے بھائی کو کہتا ہے، باپ بیٹے کو کہتا ہے، بیٹا باپ کو کہتا ہے، چچا بھتیجوں کو کہتا ہے، بھتیجا چچا کو، اس طریقے پر یہ دعوت عام ہوتی گئی اور ان لوگوں کی جہالت کا یہ حال تھا کہ پانچ کوس کے فاصلے پر ایک ایک نقارہ رہتا تھا، جس کو دھونس کہتے ہیں، جب ان کے یہاں لڑائی ہوتی تھی عالمگیر ہوتی تھی، سب اس میں شریک ہوتے تھے تو نقارہ بجایا جاتا تھا، اس نقارے کی آواز پانچ کوس تک جاتی تھی، اس پانچ کوس پر دوسرا نقارہ رکھا ہوا ہے، اس آواز کو سن کے وہ دوسرا نقارہ بجاتا ہے، اس کی آواز اور پانچ کوس تک جاتی تھی تو تیسرا نقارہ بجتا۔

اس کی آواز سن کر سارے علاقے میں شہرت ہوجاتی، پھیل جاتی آواز کہ جنگ ہے، لڑائی ہے، کسی کے پاس کلہاڑی ہوتی، کسی کے پاس گنڈاسا، کسی کے پاس تلوار، کسی کے پاس بلم، کسی کے پاس چاقو، کسی کے پاس لاٹھی، یہ لے کر نکل آتے، یہ نہیں پوچھتے کہ کس بات پر لڑائی ہوئی ہے؟ کس وجہ سے لڑائی ہورہی ہے؟ لڑائی ہوتی بری طرح سے۔

انگریز نے (اپنے دور میں) بہت چاہا کہ ان کے جرائم کو ختم کردیں، شراب پینے کی ان کی عادت، چوری کرنے کی ان کی عادت، ڈاکہ ڈالنے کی ان کی عادت، ساری برائیاں بھری ہوئی ان کے اندر۔ اور ہیں مسلمان!! سخت سے سخت مسلمان حاکموں کو مقرر کیا، تاکہ ان کی حرکتیں بند ہوں، مگر کامیابی نہیں ہوسکی، اس تبلیغی کام کی برکت سے اللہ نے کامیابی دی، ان کو حلال حرام تک کی تمیز نہیں تھی کہ اپنی بیوی سے صحبت کرنا حلال ہے، غیر سے صحبت کرنا حرام ہے، گالیاں دینا منع ہے، چوری کرنا منع ہے، پرایا مال لینا منع ہے، آہستہ آہستہ ان کو خبر ہوگئی ان چیزوں کی۔

ان کی جہالت کی کیفیت یہاں تک تھی کہ ایک نابینا میاں جی تھے، ان کے یہاں، ان سے بکرا بھی ذبح کراتے تھے، خود یہ لوگ ذبح نہیں کرتے تھے، ان کے پاس آئے کہ میاں جی یہ بکرا ذبح کردیں، انہوں نے کہا اچھی بات ہے، میاں جی تھے نابینا، چھری چلا کر ختم کردی، ایک دوسرے سے پوچھتے تھے وہ لوگ، جنہوں نے بکرے کو پکڑ رکھا تھا کہ ذبح ہوگیا یہ؟ کٹ گیا؟ دوسرے نے کہا: ہاں! ذبح ہوگیا، ایک نے کہا خون تو اس میں سے نکلا ہی نہیں، دوسرے نے کہا: کبھی کبھی ایسا بھی ہوجاتا ہے کہ خون نہیں بھی نکلتا، بس میاں جی تو چلے گئے۔

اس کے بعد انہوں نے اس بکرے کے پیر پکڑ رکھے تھے، جب پکڑ سے چھوڑا تو بکرا بھی اٹھ کر چل دیا، انہوں نے کہا: یہ تو جی گیا (دوبارہ زندہ ہوگیا)۔ پھر میاں جی کے پاس گئے کہ میاں جی بکرا تو دوبارہ زندہ ہوگیا، تب میاں جی پھر دوبارہ ذبح کرنے آئے، (جہالت کا یہ عالم کہ ذبح کا مفہوم بھی نہیں جانتے تھے) چھری وہ ایسی تھی کہ جس کے اوپر دادا پر دادا کے زمانے میں کچھ پڑھ کر رکھا تھا، ''بسم اللہ، اللہ اکبر'' (اسی پڑھے ہوئے کو کافی سمجھ کر) اس چھری سے ذبح کرتے تھے، خود ''بسم اللہ، اللہ اکبر'' نہیں پڑھتے تھے کہ یہ چھری پڑھی ہوئی ہے، یہ کیفیت تھی ان کی جہالت کی، اب جو بکرا دوبارہ پکڑ کے آئے اور میاں جی نے ذبح کرنا شروع کیا، میاں جی کے ہاتھ میں اب چھری تھی تو سیدھی چلائی، بکرے نے چلانا شروع کیا ''میں، میں، میں'' تو میاں جی نے بکرے کو گالیاں دینی شروع کر دیں، اس کو ذبح کرتا جاتا، گالیاں دیتا جاتا، یہ تو جہالت کے نمونے بتاتا ہوں، یہ حالت ان لوگوں کی تھی۔

وہاں پر جب یہ (تبلیغی کام) ہونے لگا تو شروع شروع میں مخالفت ہوئی، کسی نے کہا: یہ تو انگریز کے آمی ہیں، کسی نے کہا: سی، آئی، ڈی ہیں، کسی نے کہا دھوکا دینے والے ہیں اور نہ جانے کیا کیا ہیں؟ جو حقیقت ہے وہ تو ایک روز واضح ہو کے رہتی ہے۔

وہاں ایک علاقہ میں مدرسہ قائم کیا، اپنے پاس سے تنخواہ دی، مدرس بنا کے رکھے، مگر پڑھنے کون آئے؟ کوئی شوق ہو، دین کی عزت، دین کی رغبت ہو قلب میں تو پڑھنے بھی آئیں، کون پڑھنے کے لیے آئے؟ آئے بھی تو بہت معمولی، پھر یہ تبلیغی کام شروع کیا تو اللہ تعالی نے اس میں اتنی برکت دی، ایک بڑی دولت یہ ہے کہ چالیس روز تک شراب کی لعنت سے بچا رہا، اگر گھر آیا، خیال آیا شراب پینے کا، مگر خیال آتا ہے

او ہو! تبلیغ میں تو یہ پڑھا تھا کہ یہ یہ سنا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اصلاح فرمائی۔

ان لوگوں نے نمازیں پڑھنا شروع کیا، دین سیکھا، جگہ جگہ مدرسے بھی قائم ہو گئے اور وہاں کے لوگ دوسری جگہ بھی گئے، جہاں مدرسے موجود تھے، وہاں حدیث پڑھی، فقہ پڑھا، تفسیر پڑھی، ان کی زندگی درست ہوگئی۔

پچیس سال تک یہ محنتیں مسلسل کی گئیں، پانچ پانچ کوس کا ایک مرکز بنا دیا گیا، کام چلتا رہا، انہی لوگوں کا یہ حال ہوا کہ وہاں جا کر پوچھا، ایک پنچ کوسہ میں، بتاؤ بھائی! تمہارے اس پنچ کوسہ میں دین کا کیا کام ہوا؟ جو شخص مبلغ تھا وہاں رہتا تھا، اس نے بتایا کہ حضرت ہمارے اس پانچ کوس کے علاقے میں تین آدمیوں کے سوا باقی سب جماعت سے نماز پڑھتے ہیں۔

دوسرے پانچ کوسہ میں گئے، وہاں پوچھا کہ تمہارے اس علاقے میں دین کا کیا کام ہوا؟ انہوں نے بتایا کہ ہمارے میں کوئی دو مسلمان ایسے نہیں کہ جن میں آپس میں لڑائی ہو، ناراضگی ہو، سب بھائی بھائی ہیں، یہ ان لوگوں کا حال ہے جن کے یہاں اس سے قبل لڑائی کثرت سے ہوتی تھی۔

ایک علاقے میں جا کر پوچھا کہ تمہارے یہاں کیا کام ہوا؟ کہا کہ جتنے بھی بالغ اس علاقے میں ہیں، وہ سب کے سب تہجد کے پابند ہیں، کتنا بڑا انقلاب آیا؟!

اس کو دیکھا انگریز نے بھی، دوسرے لوگوں نے بھی، ایک شخص نے چوری کی تھی، اس کو گرفتار کر لیا گیا، تھانیدار ہندو تھا، مسلمان نہیں تھا، تھانیدار نے اس چور سے پوچھا، تم نے تبلیغ میں چلّہ دیا ہے؟ اس نے کہا نہیں، اس کی پٹائی کی، اس سے وعدہ کرایا کہ میں تبلیغ میں چلّہ دے دوں گا، اس نے وعدہ کیا تو اس کو چھوڑ دیا، وہ تھانیدار جانتا تھا،

سمجھتا تھا کہ یہ جو چوری وغیرہ جرائم ہوتے ہیں، تبلیغ کے ذریعہ سے ختم ہوتے ہیں۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ دو آدمی، دونوں کے دونوں تبلیغ میں جانے والے، ان کے درمیان لڑائی ہوگئی، شیطان تو ہر جگہ لگا ہوا ہے، یہ تھوڑا ہے کہ تبلیغ والوں کو چھوڑ دے گا، بالکل نہیں وہ کسی وقت نہیں بخشے گا، وہ تو مرتے وقت تک ساتھ رہے گا، اس واسطے لڑائی ہوئی، ایک نے دوسرے کے گھونسہ مارا منہ پر، جس سے اس کا دانت ٹوٹ گیا، بس دانت ٹوٹتے ہی اس گھونسہ مارنے والے کو خیال ہوا: افسوس! میں تو تبلیغ میں چلّہ دے چکا، جماعت میں گیا تھا، بڑی خطا ہوئی میرے سے تو، اب بڑا پریشان ہوا، آیا اپنے میاں جی کے پاس، میاں جی لڑائی میں دانت ٹوٹ گیا میرے ہاتھ سے دوسرے کا، بتلاؤ اس کی کیا سزا ہے؟ قرآن میں دیکھ کے بتاؤ، میاں جی نے قرآن کا مطالعہ کیا اور اس میں پڑھا: ﴿السن بالسن﴾ دانت کے بدلہ دانت۔ کہا بہت اچھا، لیٹ گیا اور جس کا دانت ٹوٹا تھا اس سے کہا: بھائی! تو توڑ لے میرے دانت، جس طرح سے ہو سکے توڑ لے، میری طرف سے اجازت ہے، وہ آیا اس سے نہیں ٹوٹا، وہ سینے پر بیٹھے بیٹھے پوچھتا ہے: میاں جی! معاف کرنا کیسا ہے؟ میاں جی نے کہا: قرآن پاک میں آیا ہے: ﴿وأن تعفوا أقرب للتقوی﴾ ۔ ﴿وأن تعفوا خیر لکم﴾ میاں جی نے کہا: معاف کرنا اعلیٰ بات ہے، اس نے کہا میں نے معاف کر دیا۔ تو یہ انقلاب ہوا طبائع میں۔

تو یہ جذبہ پیدا ہو جانا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی اور اس غلطی کا بدلہ دینے کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنا، اپنے دانت کو پیش کرنا بہت بڑی نعمت ہے۔

آج کل جو مصیبت ہے وہ یہی ہے کہ ہمیں گناہ کا احساس نہیں ہوتا کہ یہ کام گناہ کا ہے، ہم نے کسی کی حق تلفی کی، کسی کو نقصان پہنچا دیا، احساس نہیں کہ یہ گناہ بھی ہے۔

اپنے یہاں کا واقعہ بیان کرتا ہوں کہ ایک کاشت کار کے ساتھ کھیتوں میں پھر رہا تھا، وہ بتلا رہا تھا کہ یہ کھیت کس کا، یہ کھیت کس کا، اس نے کہا: مولوی! ہماری تقدیر میں حرام مال لکھا ہوا ہے، میں نے کہا مصیبت آئی تمہارے اوپر، کیوں تمہاری تقدیر میں حرام مال لکھا ہوا ہے؟ کیا ہوا ہے؟

اس نے کہا: دیکھیے صاحب! یہ کھیت میرا ہے، یہ کھیت میرے پڑوسی کا ہے، میرے کھیت میں بھی چنا ہے، میرے پڑوسی کے کھیت میں بھی چنا ہے، رات کو جب میں یہاں سے اپنے گھر جاؤں گا تو چنا اکھاڑ کر لے جاؤں گا پڑوسی کے کھیت میں سے، اپنے کھیت میں سے نہیں لوں گا اور پڑوسی میرے کھیت میں سے لے گا، اپنے میں سے نہیں، چنا وہی دونوں کا، ادھر بھی ادھر بھی، گنے کی ضرورت پیش آئی، پڑوسی کے کھیت سے اکھاڑوں گا، اپنے کھیت میں سے نہیں۔

اب اس کا کیا حل ہے کسی کے پاس؟ دیکھ رہے ہیں، جان رہے ہیں، لیکن ڈر نہیں دل کے اندر، عقل نہیں، احساس اس کا نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے ناراض ہوتے ہیں، اس بات کا احساس نہیں کہ ہمیں دنیا میں اس واسطے بھیجا گیا ہے کہ اللہ کو راضی کریں، ایسے اعمال اختیار کریں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو، احساس ہی نہیں ہے، زندگی کا مقصد یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ کھانے پینے، سونے کے اندر، کھانا ملنا چاہیے، چاہے حلال ہو یا حرام، حالاں کہ حدیث شریف میں ہے:

"كل لحم نبت من الحرام فالنار أولى به".(۱)

---

(۱) مسند الربيع، الأخبار المقاطيع عن جابر بن زيد: ۳٦٤، رقم الحديث: ۹٤۱، دار الحكمة، مكتبة الاستقامة.

روایت میں الحرام کی جگہ السحت کے الفاظ ہیں، البتہ معنی دونوں کے ایک ہیں۔

''انسان کے بدن میں جو گوشت حرام مال سے تیار ہوتا ہے، دوزخ میں جانے کے لائق ہے۔'' یہ سوچنا چاہیے۔

تو نبی اکرم ﷺ نے تو اپنا حق ادا فرمایا، جتنے احکام آپ پر نازل ہوئے وہ آپ نے امت تک پہنچا دیے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو آخری خطبہ حضور ﷺ نے حرم شریف میں دیا ہے کہ شاید آج کے بعد میں تمہارے ساتھ جمع نہ ہو سکوں، میرا وقت قریب ہے، خداوند تعالیٰ تم سے پوچھیں گے کہ کیا نبی نے تبلیغ کردی تھی؟ کیا جواب دو گے تم؟ ھل بلغت؟ کیا میں نے تبلیغ کردی؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: جی ہاں! آپ نے پہنچا دیا، آپ ﷺ نے فرمایا: "اللھم اشھد"۔ اے اللہ! تو گواہ رہ۔ میں نے تبلیغ کردی۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا: "ألا فليبلغ الشاهد منكم الغائب". (۱) جنہوں نے مجھ سے دین سیکھا ہے اب ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اب اس کی تبلیغ کریں، اشاعت کریں۔

حدیث میں آتا ہے، روایات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو سن کر ایک بڑی جماعت وہاں سے نکلی، ہر ایک کو یہ تمنا تھی کہ جتنی دور اپنے وطن سے جا سکوں وہاں تک جاؤں، (۲) وہ زیادہ اچھا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں لکھا جائے گا، اتنی دور گیا یہ شخص، اس واسطے کہ دین کی تبلیغ کو امت کے سپرد فرمایا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی طرح پہنچا دیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت آگئی، انہوں نے پہنچایا جہاں جہاں پہنچا سکتے تھے۔

پہلا واقعہ پیش آیا کہ مسیلمہ کذاب ایک شخص اٹھا، جس نے نبوت کا دعویٰ کیا،

---

(۱) مر تخريجه فيما سبق.

(۲) البداية والنهاية: ۵/ ۲۲۱، دار إحياء التراث العربي.

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کا مقابلہ کیا، جہاد کے لیے فوج بھیجی، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری میں، اللہ تعالیٰ نے اس کافر کو شکست دے دی، اسلام کو فتح دی۔(۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مستقل جہاد ہوئے، ان کی خلافت میں ساڑھے چار ہزار مسجدیں بنوائیں (۲) اور اس کی کوشش کی کہ ہر مسجد میں قرآن پاک ختم کیا جائے تراویح میں، کسی صاحب کے کان نا آشنا نہ رہیں، سب سن لیں، پڑھ لیں، حکم فرمایا جو فوج جنگ میں جہاد کرنے والے ہیں ان کو قرآن پاک حفظ کراؤ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اطلاع بھیجی، کہا کہ تمہارے پاس جو لوگ سال بھر فارغ ہوں، ان کی فہرست میرے پاس بھیج دو، چناں چہ انہوں نے مجاہدین کو فوجیوں کو قرآن پاک حفظ کرایا، دن میں جہاد کرتے ہیں، رات بھر قرآن پاک حفظ کرتے اور سال کے ختم پر دو سو آدمیوں کی فہرست بھیجی کہ دو سو سپاہیوں نے قرآن پاک حفظ کرلیا، یہ کوفے کا حال تھا۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو مصر بھیجا، ان کو اطلاع کرائی کہ تم قرآن پاک حفظ کراؤ، انہوں نے دس ہزار کی فہرست بھیجی کہ دس ہزار نے اس سال قرآن پاک حفظ کرلیا، اس طرح انہوں نے یہ کام کیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک رات میں پورا

---

(۱) تاریخ ابن خلدون، خبر مسیلمة والیمامة: ۵۰۱/۲، دار الفکر.

(۲) البدایة والنهایة، سنة ۱٤ھ: ٦٣٨/۹، دار هجر للطباعة، والکامل فی التاریخ: ٤٥٤/۲، ذکر خلافة المنصور، سنة ۲۳، دار النشر، دار الکتب العلمیة، وأخبار أمیر المؤمنین عمر بن الخطاب، رضی الله عنه، لابن جوزی، الباب الحادی والثلاثون: ۹۰-۹۳، مطبعة التوفیق الأدبیة۔

قرآن پڑھتے تھے، وتر کی ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھا۔(۱)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے زمانے میں دین کی بڑی خدمت کی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں منبر کے اوپر ہاتھ رکھ کر احادیث بیان کرتے تھے: اس قبر والے صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے ایسے سنا، انہوں نے یہ فرمایا۔(۲)
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے مکان میں ہفتے میں ایک دن اجتماع کرتے تھے، ہفتہ واری اجتماع ان کے یہاں ہوتا، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث لوگوں کو بیان کرتے تھے، سکھایا کرتے تھے، یاد کراتے تھے۔(۳)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کوفہ کے گورنر تھے، انہوں نے خط لکھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو، یہاں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ضرورت ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود کو بھیج دیجیے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایسے شخص ہیں کہ میں خود ان کے علم کا حاجت مند ہوں، لیکن تم کو اپنے اوپر ترجیح دے کر بھیج رہا ہوں،(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ گئے اور ساتھ اپنے ڈیڑھ ہزار شاگردوں کو بھی لے گئے اور جا کر سارے علاقے میں پھیل گئے، کوئی کسی درخت کے نیچے احادیث سنا رہا ہے، کوئی کسی مسجد میں سنا رہا تھا، سارے علاقے کو علم سے منور کر دیا، ان حضرات نے اس طرح سے محنت کی۔

---

(۱) الطبقات الكبرى لابن سعد، طبقات البدريين من المهاجرين، عثمان بن عفان رحمه الله، ذكر أنه كان يقرأ القرآن في ركعة: ٧٥/٣، دار إحياء التراث، بيروت.

(۲) مر تخريجه فيما سبق.

(۳) الطبقات الكبرى لابن سعد، طبقات البدريين من المهاجرين، عبدالله بن مسعود: ١٥٧/٣، دار إحياء التراث، بيروت.

(٤) الطبقات الكبرى، طبقات الكوفيين: ٨/٦، ١٠، ١١، دار إحياء التراث، بيروت.

امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف کو تصنیف فرمایا، غسل کرتے، وضو کرتے، مسواک کرتے، دو رکعت نماز پڑھتے، پھر جا کر ایک حدیث لکھتے، سولہ برس میں بخاری شریف مکمل ہوگئی اور اس بخاری شریف کو املاء کراتے، بولتے تھے، ایک لاکھ سے زیادہ مجمع ہوتا تھا ان کی مجلس میں، وہ بیان کرتے تھے، پڑھ کر سناتے تھے، لوگ لکھتے تھے، ایک لاکھ کے مجمع کو نہ لاؤڈ اسپیکر کی ضرورت تھی نہ اور کسی چیز کی ضرورت، اس طریقہ پر ان حضرات نے محنتیں کیں۔

حافظ حسن بن مندہ چالیس برس تک سفر میں رہے، ایک شہر میں جاتے، وہاں معلوم ہوتا کہ فلاں جگہ محدث ہیں، وہاں پہنچ کر ان سے ساری حدیثیں سنتے تھے اور لکھتے تھے، دوسرے کے پاس گئے، تیسرے کے پاس گئے، اس طرح سے چالیس برس گزارے اور جب ان کا انتقال ہوا تو چالیس صندوق انہوں نے اپنے لکھے ہوئے احادیث کے چھوڑے۔

اس واسطے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فلیبلغ الشاهد منكم الغائب"۔ جو حاضرین ہیں وہ غائبین کو پہنچادیں، ان حضرات نے حق ادا کیا، پورے طور پر ادا کیا اور امت حق ادا کرتی چلی آئی ہے برابر، برابر یہ کام ہوتا رہا، دین کی اشاعت، دین کی تبلیغ، جگہ جگہ پر جاتے ہیں، کوششیں کرتے ہیں۔

حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ جب تشریف لائے، اجمیر شریف میں چشت سے چل کر آئے ہیں، درویشانہ صورت، کمبل اوڑھے ہوئے، ایک جگہ بیٹھے، راجہ کا منتری آیا، پوچھا کون ہو تم؟ یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ یہاں تو راجہ کے اونٹ بیٹھتے ہیں، یہاں سے اٹھ جاؤ۔ کہا اچھی بات ہے، راجہ کے اونٹ یہاں بیٹھیں گے، اس

کے بعد راجہ کے اونٹ جو آئے وہ بیٹھ گئے، اب اونٹوں کو اٹھاتے ہیں تو اٹھتے ہی نہیں، اٹھنے کی طاقت ہی ان میں نہیں۔

نماز کا وقت آیا، حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پانی مانگا کہ ہم کو بھی پانی دے دو، تاکہ ہم بھی منہ ہاتھ دھو کر اپنے رب کو یاد کریں، وہاں کوئی پانی دینے کے لیے تیار نہیں تھا، راجہ کا جو مندر تھا، اس مندر کے دروازے پر جا کر اندر منہ کر کے جو بت تھا، اس بت کو خطاب کر کے کہا: اے بت! تو بھی اسی کا نوکر ہے، میں بھی اسی کا نوکر ہوں، یہ لوگ مجھے پانی نہیں دیتے، تو ہی پانی دے دے، وہ بت گیا اور لوٹا اٹھا کر بھر آیا اور ان کے سامنے رکھ دیا، وہ لوگ سوچنے لگے کہ یہ کون ایسا شخص ہے جس کے لیے ہمارا بت خدمت کر رہا ہے؟ یہ کیا چیز ہے؟

جس وقت انہوں نے سفر کیا، اجمیر سے دہلی گئے، شہرت ہوگئی، بغیر ریڈیو کے، بغیر اخبار، بغیر لاؤڈ اسپیکر کے کہ اجمیر کا سائیں (درویش) دہلی جا رہا ہے، سڑکیں بھر گئیں محض درشن کرنے کے لیے، کیا چیز تھی ان کے پاس؟ طاقت تھی خدا کے خوف کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی جو طاقت تھی ان کے پاس۔

ایک جگہ پہنچے، یہ راجپوتوں کا گاؤں تھا، وہ لوگ آئے، ان کی خدمت میں بیٹھے، ایک ہزار آدمی اسی مجلس میں مسلمان ہوگئے، کئی لاکھ آدمی ان کے ہاتھ پر ایمان لائے، ان میں سے کتنے آدمی ایسے ہوں گے جو عالم ہوگئے، حافظ ہوگئے، قاری ہوگئے، شیخ وقت بھی ہوں گے، بزرگ بھی، انہوں نے کس قدر دین کی اشاعت کی ہوگی؟

ہمارے گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ گزرے

ہیں، ایک صاحب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کثرت سے کیا کرتے تھے، انہوں نے پوچھا، حضور! مولانا رشید احمد گنگوہی کیسے آدمی ہیں؟ فرمایا کہ وہ ایسے آدمی ہیں، ان کی ایک طرف مولانا خلیل احمد ہوں گے، دوسری طرف مولانا محمد یحییٰ ہوں گے اور ایک بڑی جماعت علماء کی ان کے پیچھے پیچھے ہوگی اور ایک جم غفیر مسلمانوں کا ان کے پیچھے ہوگا، ان سب کو لے کر جنت میں جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ پوچھ ہوگی کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دین دے کر بھیجا تھا، تم نے اس کا کیا حق ادا کیا، صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ پانچ وقت کی نماز پڑھ لی، دوسروں تک پہنچانے میں کیا کیا؟ اس کی بھی باز پرس ہوگی، پوچھا جائے گا؟ وہاں دیکھا جائے گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس دین کو لے کے آئے تھے کس شخص نے کس قدر اس میں ہاتھ بٹایا؟ خدمت کی اور ساتھ دیا؟ اس کو دیکھا جائے گا، اگر آج اعلیٰ قسم کا مکان بنالیا، بلڈنگ بنالی، قیامت میں یہ پوچھ نہیں ہوگی کہ تمہاری بلڈنگ کیسی تھی؟ بلڈنگ تو یہاں ہی رہے گی، وہ قیامت میں ساتھ تھوڑا ہی آئے گی؟

کسی نے باغ لگایا، قیامت میں یہ سوال نہیں ہوگا کہ تم نے کیسا باغ لگایا؟ کتنا پھل اس پر آتا تھا؟ بڑھا تھا یا گھٹا تھا؟ کیسے کپڑے پہنے؟ یہ سوال نہیں ہوگا، وہاں تو اللہ کے قرب کا ذریعہ یہ ہوگا کہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے تھے اس کا تم نے کیا کیا؟ اس دین کا کیا کام کیا؟ وہاں یہ سوال ہوگا۔

اس واسطے ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا نعرہ لگاتے ہیں، یہ تو بہت آسان ہے، لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت کا جو معیار بتایا ہے اس کو سوچنے کی ضرورت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی خاطر کتنی قربانیاں دی،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی خاطر پتھر کھائے، پیٹ پر پتھر باندھے، تم نے کیا قربانی دی؟ آج ہم لوگ دنیا کے کاروبار میں ایسے پھنسے ہوئے ہیں کہ جو جس کام میں لگا ہوا ہے بس اسی میں ہے، اسی کا ہو کر رہ گیا ہے، اپنی اولاد کے لیے خیر خواہی چاہتے ہیں، کیا کرتے ہیں؟ بس یہی کہ ایک صاحب وکیل ہیں، وہ سوچتے ہیں کہ میرا بیٹا میرے سامنے وکیل بن جائے، اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے، ایک ڈاکٹر ہے، وہ سوچتا ہے کہ میرا بیٹا میرے سامنے ڈاکٹر بن جائے، اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے، لیکن کیا یہ بھی تمنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عامل ہو جائے؟ کیا یہ تمنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خاطر قربانیاں پیش کرے؟

اللہ پاک کا بہت بڑا احسان ہے کہ یہ تبلیغی جماعتیں کام کر رہی ہیں، ہر شخص کو یہاں کام کرنے کا موقعہ ہے، یہاں پڑھا ہوا اور ان پڑھ، نیک اور بد، اندر رہنے والا اور باہر رہنے والا، سبھی قسم کے لوگ اس میں شریک ہو سکتے ہیں۔ رکشہ چلانے والا بھی شریک ہے، پان لگانے والا بھی اس میں شریک ہے، دوکان پر بیٹھنے والا بھی شریک ہے، سرکاری ملازم بھی شریک ہے، عہدیدار بھی، یہ کام ایسا ہے کہ کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ میرے بس کا نہیں، اپنی اپنی حیثیت کے مطابق سب پر لازم ہے۔

اگر یوں کہا جائے کہ بخاری شریف پڑھاؤ۔ تو اس واسطے ضرورت ہے باقاعدہ کسی مدرسہ میں آٹھ دس برس جا کر پڑھے، محنت کرے، امتحان میں کامیاب ہو، تب کبھی بخاری شریف پڑھانے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی، اتنا آسان نہیں، لیکن تبلیغ میں جانا آسان ہے، کچھ نہیں تو ہفتہ میں ایک مرتبہ اجتماع ہوتا ہے، اس میں جائے، ایک مرتبہ گشت ہوتا ہے اس میں شرکت کرے، ایک مرتبہ تعلیمی حلقہ ہوتا ہے تو اس میں بیٹھ

جائے، یہ تو کر سکتا ہے، یہ کرنا بہت آسان ہے، کچھ مشکل نہیں۔

تعلیمی حلقہ بہت اہم ہے، اس کو بے کار نہیں سمجھنا چاہیے، بیٹھ کر ہر ہفتے میں ساری نماز سنی جاتی ہے، کچھ سورتیں سنتے ہیں، صحیح پڑھتے ہیں یا غلط پڑھتے ہیں۔

ایک شخص جس کی عمر ساٹھ برس کی تھی، اسی طرح تعلیمی حلقے میں بیٹھے ہیں، بیٹھ کر سن رہے ہیں دعائے قنوت، اس میں ہے "ونشكرك ولا نكفرك" اے اللہ! ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں اور ہم تیرا کفر نہیں کرتے۔ اس نے پڑھا: "ولا نشکرك ونكفرك". ہم تیرا شکر نہیں کرتے، تیرا کفر کرتے ہیں۔ اس کے اعمال کا کیا ٹھکانہ ہے، کیا بات ہے؟ یہ کہ نماز بچپن میں پڑھی اور سیکھی تھی، کوئی لفظ صحیح یاد نہیں ہوا، کوئی زبان پر غلط چڑھا، کبھی پھر اس کو دیکھنے اور سنانے کی نوبت نہیں آئی، اس واسطے ضرورت ہے کہ چھوٹے بڑے، استاد و شاگرد، امام و مقتدی سب ایک دوسرے کو اپنی نماز سنائیں، جو غلطی ہو اس غلطی کی اصلاح کریں، قرآن پاک صحیح کریں، اس کی ضرورت ہے، نہیں تو غلط ہی زبان پر چڑھ جائے گا، پھر اسی کو آدمی پڑھے گا، چناں چہ وہ آدمی بہت روتا تھا کہ میری اتنی عمر ہو گئی، اب تک میں کفر کے کلمے خدا کے سامنے کہتا رہا۔

اس لیے تبلیغ کی ضرورت اس وقت محسوس ہوتی ہے جب تعلیمی حلقہ ہوتا ہے، اس میں بیٹھ کر سنایا جا رہا ہے کہ کیسی کیسی غلطی آدمی کرتا ہے، کلمے کے الفاظ تک صحیح نہیں ہوتے، اس سیکھنے سے کوئی بے نیاز نہیں، سب کو سیکھنا چاہیے، جاہل کو بھی سیکھنا چاہیے، عالم کو بھی، گریجویٹ کو بھی سیکھنا چاہیے، ان پڑھ کو بھی، اور جو طبقاتی کشمکش ہے وہ بھی اس تبلیغ کے ذریعہ ختم ہوتی ہے، مجمع کا مجمع، طبقہ کا طبقہ، کوئی اعلیٰ تعلیم والا، کوئی ان پڑھ، کوئی نماز کا پابند، کوئی بالکل بے نمازی، سب کے سب ایک جگہ چلتے ہیں، ایک جگہ رہتے ہیں،

ایک جگہ کھاتے ہیں، ایک جگہ بیٹھ کر اصلاح کرتے ہیں تو دین سیکھتے ہیں، آپس میں میل محبت ہوتی ہے، ایک دوسرے کی قدر کرتے ہیں اور اس مجمع میں ہر ایک بڑوں سے لیتا ہے اور چھوٹوں کو دیتا ہے، جب مختلف قسم کے لوگ ایک مجلس میں جمع ہوں گے تو جس کے پاس جتنا علم ہوگا دوسرے اسے حاصل کریں گے اور وہ اپنے چھوٹوں کو دیتے رہیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کو دیکھیے، وہ حضرات مبلغ بھی تھے، کاشت کار بھی، یہ نہیں کہ کاشت کار صرف کاشت کاری کرتے تھے، بلکہ وہ تبلیغ بھی ساتھ ساتھ کرتے تھے، وہ تاجر بھی تھے، مبلغ بھی تھے، زیادہ تر دین تاجروں کے ذریعہ سے پھیلا، وہ دوسرے ممالک گئے عرب سے نکل کر اور وہاں لوگوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی تعلیم دیتے تھے، اخلاق کی تعلیم کی وجہ سے لوگ مسلمان ہو گئے۔

ایک بستی یہودیوں کی، ایک میں کچھ مسلمانوں کی آبادی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان مسلمانوں کو وہاں سے بلایا کہ اس بستی کو خالی کر کے یہاں آجاؤ، جب یہودیوں کو معلوم ہوا کہ مسلمان بستی خالی کر رہے ہیں تو وہ لوگ آئے، یہ کہنے لگے کہ یہ مسلمان ہماری بستی سے کیوں جائیں گے؟ یہیں رہو، اگر تم کو روپے پیسے کی ضرورت ہو تو روپے ہم دیں گے، تم کو دوکان کی ضرورت ہے تو دوکان ہم دیں گے، سامان کی ضرورت ہے تو سامان ہم دیں گے، جس چیز کی ضرورت ہو ہم دیں گے، تم یہاں سے کیوں جاؤ گے؟ جب سے تم آئے ہو ہمارے یہاں سے جھوٹ بولنا ختم ہو گیا ہے، چوری، ڈاکہ زنی ختم ہو گئی، زنا اور شراب نوشی بھی ختم ہو گئی، تمہاری برکت سے یہ کچھ ہوا، تم ہماری بستی سے کیوں جاتے ہو؟

ن ... جب مسلمان اپنی اصلاح کیا کرتا ہے اور احکام شریعت پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کے اندر عجیب نورانیت پیدا کرتا ہے، ان کی صورت دیکھ کر اللہ یاد آجاتا ہے، ان کے پاس بیٹھ کر اللہ کا خوف دل میں پیدا ہو جاتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان کے اندر آتی ہے ... اس لیے یہ کام ایسے زمانے میں، جب کہ عام بددینی ہے، اخبار ورسالے دین کے خلاف نکل رہے ہیں، قرآن پاک پر اعتراضات کیے جارہے ہیں، حدیث شریف پر اعتراضات کیے جارہے ہیں کہ یہ آیت غلط ہے، یہ آیت منسوخ ہوگئی ہے، یہ حدیث ضعیف ہے، کمزور ہے، یہ چیزیں پھیلتی جارہی ہیں، اللہ تعالی نے اس کام کو چلایا اور سارے فتنوں کا علاج اس کے اندر ہے، بعضے آدمی کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے، ہر فن کی ایک اصطلاح ہوتی ہے، جب تک استاد سے اس فن کو حاصل نہ کیا ہو تو وہ اصطلاح کو کیا سمجھے گا، مثلاً کہتے ہیں یہ حدیث غریب ہے، کوئی کہے گا جو اصطلاح سے ناواقف ہوگا کہ غریب کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث بھیک مانگنے کے لیے آئی تھی، غریب کے یہ معنی نہیں اور معنی ہیں، اسی طرح ضعیف کے اور کچھ معنی ہیں، وہ اصطلاحات کی چیز ہے، علماء اس کو جانتے ہیں، عوام ان چیزوں کو نہیں جانتے، جب تک عوام استاد سے باقاعدہ نہ پڑھے، خود مطالعہ کر کے کیا سمجھیں گے؟ اس لیے دین سارے کا سارا سیکھنے کی ضرورت ہے۔

آپ بتایئے کہ نبی کریم ﷺ سے کوئی بڑھ کر ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالی نے نماز فرض کی معراج میں، اپنے یہاں بلا کر اور اس نماز کی پوری ترکیب عملی طور سے بتانے کے لیے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا، دوروز حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ

کے سامنے پانچوں وقت کی نماز پڑھی، (۱) ایک ایک چیز کو حضور ﷺ نے دیکھا، آج کوئی شخص کہے کہ میں قرآن شریف کو پڑھ کر، قرآن کو دیکھ کر، اس کا ترجمہ دیکھ کر سارا مسئلہ سیکھ جاؤں گا، یہ اس کی غلط فہمی ہے، ناسمجھی کی بات ہے، ایسا نہیں ہو سکتا۔ قرآن پاک میں ہے: ﴿وربك فكبر﴾. (۲) تکبیر کہیں۔ اسی طرح قرآن پاک میں ہے: ﴿وثيابك فطهر﴾. (۳) کپڑے پاک کریں۔ قرآن پاک میں ہے: ﴿فول وجهك شطر المسجد الحرام﴾. (٤) یعنی قبلہ کی طرف منہ کرو۔ قرآن پاک میں یہ بھی حکم ہے: ﴿فاقرؤا ما تيسر من القرآن﴾. (٥) قرآن پڑھو۔ اس طرح قرآن پاک میں ہے: ﴿واركعوا واسجدوا﴾. (٦) رکوع کرو، سجدہ کرو۔ نماز کی ساری چیزیں قرآن پاک میں موجود ہیں، لیکن اگر کسی شخص نے کسی کو نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا اور صرف قرآن پاک کو دیکھ کر چاہے کہ نماز پڑھے تو وہ نماز نہیں پڑھ سکتا اور حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ نہیں فرمایا کہ نماز اس طرح پڑھو، جس طرح قرآن پاک میں لکھی ہوئی ہے، بلکہ فرمایا: "صلوا كما رأيتموني أصلي". (۷) کہ جس طرح تم

---

(۱) السنن الكبرى للبيهقي، جماع أبواب المواقيت، باب آخر وقت الظهر وأول وقت العصر، رقم الحديث: ۱۷۰۹، ۱۷۱۰، دار الكتب العلمية.

(۲) المدثر: ۳.

(۳) المدثر: ٤.

(٤) البقرة: ١٤٤.

(٥) المزمل: ۲۰.

(٦) الحج: ۷۷.

(۷) رواه البخاري في الأذان، باب الأذان للمسافرين إذا كانوا جماعة.....، رقم الحديث: ٦٣١.

نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اس طرح سے نماز پڑھو۔

حضور ﷺ جس طرح عربی سمجھتے تھے، دوسرے لوگ بھی اسی طرح سمجھتے تھے، قرآن پاک کی کوئی آیت کہیں ہے اور کوئی آیت کہیں، رکوع کا تذکرہ کہیں، قیام کا تذکرہ کہیں اور تسبیح کا تذکرہ کہیں اور سب ایک جگہ نہیں ہے، سارے قرآن پاک میں پھیلا ہے، ایک ٹکڑا یہاں ہے اور ایک ٹکڑا وہاں ہے، حضور ﷺ جانتے تھے کہ کون سا ٹکڑا کس کے ساتھ ملے گا، کوئی شخص ذاتی مطالعہ سے نماز پڑھ لے، نہیں پڑھ سکتا۔

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں نماز پڑھی، پھر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "قم فصل، فإنك لم تصل" ۔(۱) اٹھو، نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی، اس نے پھر نماز پڑھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا، سہ بار فرمایا، اس شخص نے کہا: حضور! اس سے اچھی نماز مجھے نہیں آتی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شروع سے ساری نماز سکھائی، حالانکہ وہ بھی عربی تھا، عربی ان کی زبان تھی، قرآن پاک بھی عربی میں، سارے کے سارے یہ حضرات عربی، لیکن سب چیزیں سیکھنے سے آتی ہیں۔

آپ بتائیں کہ کوئی شخص کاشت کاری کرنا چاہتا ہے، بغیر کسی سے سیکھے، کیا خود بخود کر سکتا ہے کہ کس موسم میں کیا بوئے گا؟ کس موسم میں پانی دے گا؟ جاننے والے سے پوچھنے کی ضرورت ہے، ایک شخص درزی کا کام سیکھنا چاہتا ہے، کیا وہ بغیر استاد کے سیکھتا ہے؟ نہیں سیکھ سکتا، کیا قرآن پاک کو محض مطالعہ کر کے ہر شخص سیکھ سکتا ہے؟ ایسا نہیں، اس طرح سیکھتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیکھ لیتے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے

---

(۱) رواه البخاري في كتاب الأذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم في الصلوات كلها، رقم الحديث: ۷۵۷.

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا، تابعین نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے سیکھا، تبع تابعین نے تابعین سے سیکھا، اسی طرح یہ سلسلہ چلتا آ رہا ہے، اس سے ہٹ کر کوئی شخص ذاتی مطالعہ سے سیکھ لے، یہ نہیں ہو سکتا، اس لیے دین سیکھنے کا ایک بہترین عام طریقہ یہ تبلیغ ہے۔ کھیتی بھی کرتے رہو، تعلیم بھی سیکھتے رہو [illegible] تو جیسے میں نے کہا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کاشت کار بھی تھے اور مبلغ بھی، تاجر بھی تھے اور مبلغ بھی، وہ حکمران بھی تھے اور مبلغ بھی، ہر وقت ان کے ساتھ تبلیغ رہتی تھی، مبلغانہ شان ان سے کبھی ہٹتی نہیں تھی، وہ برابر ساتھ رہتی تھی اور ہر جگہ فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا، جھوٹ بولنے سے منع فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوکہ دینے، سود لینے دینے، چوری کرنے سے منع فرمایا، یہ چیزیں ان کی زندگی میں اتریں، اللہ تعالیٰ نے ان کو قوت بھی عجیب عطا فرمائی تھی، بصرہ میں جہاد ہوا، حضرت عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہما جہاد کر رہے تھے، ایک نصرانی بادشاہ سے لڑائی ہو رہی تھی، مدینہ طیبہ میں انہوں نے خط لکھا کہ یہاں مدد کی ضرورت ہے، مدد بھیج دیجیے، جن صاحب کے یہاں خط لکھا انہوں نے دوسرے صاحب سے مشورہ کیا، انہوں نے کہا کتنے آدمی بھیجنے کا ارادہ ہے؟ بتایا کہ چار ہزار فوج بھیجنا چاہتا ہوں، انہوں نے کہا چار ہزار کو بھیج کر کیا کرو گے؟ چار آدمیوں کو بھیج دو، ایک فلاں شخص کو بھیج دو، وہ ایک ہزار کے مقابلے میں ہے، ایک فلاں کو بھیج دو، وہ ایک ہزار کے مقابلہ میں ہے ایک فلاں کو بھیج دو، وہ ایک ہزار کے مقابلہ میں ہے، ایک مجھے بھیج دو، میں ایک ہزار کے مقابلہ میں ہوں، ایک ایک آدمی ایک ایک ہزار کا مقابلہ کرتا ہے، چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا، ان ہی چار آدمیوں کو بھیجا گیا، جب یہ پہنچے چار آدمی مدد کے لیے گئے، یہ صاحب جنہوں نے یہ مشورہ

دیا تھا، انہوں نے کیا یہ کہ سیدھے نصرانی بادشاہ کے پاس پہنچے، اول تو اس بادشاہ کو تعجب ہوا کہ یہ کیسے آ گئے؟ باڈی گارڈ (محافظ) میرے ساتھ، فوج میرے ساتھ، انتظام میرے ساتھ، اس سب کو چیر پھاڑ کر نکلتے میرے پاس کیسے پہنچ گئے؟ انہوں نے کہا بادشاہ سلامت سے کہ تم مسلمانوں کو کیوں پریشان کرتے ہو؟ بادشاہ نے کہا ان میں کوئی کام کا آدمی نہیں، انہوں نے دریافت کیا کہ کام کا آدمی کسے کہتے ہیں؟ بادشاہ نے کہا: بارشیں نہیں ہوتیں، بارش برسا دے، انہوں نے کہا: بارش برسانا اللہ کا کام ہے، بندے کا کام تھوڑا ہی ہے، چلو، اچھی بات ہے، جبھی انہوں نے وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی، صلوۃ الحاجۃ اور ہاتھ اٹھایا دعا کے لیے، کہا: اے اللہ! یہ تیرا دشمن، تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن، مسلمانوں کا دشمن، دین اسلام کا دشمن، اس ضد میں ہے کہ بارش نہیں ہوتی، بارش برسا دے، مہربانی کر کے بارش برسا دے کہ اس کے ظلم سے نجات ملے، دعا کر کے ابھی منہ پر ہاتھ پھیرا تھا کہ بادل آیا، بارش خوب برسی، اس بادشاہ سے کہا: بتا، اب تو بارش بھی ہو گئی؟ اس نے کہا: ٹھیک ہے، میں فوج ہٹا لیتا ہوں، جنگ بند کر دی، فوج ہٹا لی، کچھ روز کے بعد پھر اس نے حملہ کیا، اب یہ خود گئے اس جہاد میں اور وہ سارے لشکر کو چیرتے پھاڑتے نصرانی بادشاہ کے وہاں پہنچے، وہ بیٹھا ہوا تھا، دیکھ کر یہ پہچان گیا، انہوں نے اس سے کہا: او نصرانی! تو نے کیا وعدہ کیا تھا؟ وعدہ خلافی کرتا ہے، پھر یہ حرکت شروع کی؟ اس کو اتنی ہیبت ہوئی کہ وہاں سے اٹھ کر بھاگا، ساری فوج اس کو دیکھ رہی تھی، کسی کو اتنی مجال نہیں کہ اس کو روک دے، بھاگتے بھاگتے آخر اس نے دریا میں چھلانگ لگا دی، یہ پیچھے پیچھے دوڑے اور ٹانگ پکڑ کر اس کو وہیں سے گھسیٹ کر لائے، ساری فوج کے سامنے سے، ساری فوج کو اتنی ہمت نہیں کہ ان کو روک دے اور

اپنے بادشاہ کو چھڑا لے، اللہ نے ان کو ہیبت اتنی دی تھی، اس واسطے کہ حدیث پاک میں ہے کہ کسی دل میں دو خوف جمع نہیں ہو سکتے کہ خالق کا بھی ڈر ہو اور مخلوق کا بھی ڈر ہو۔ جس شخص کے دل میں خالق کا ڈر ہو اس کے دل میں مخلوق کا ڈر نہیں ہوتا، مخلوق کا ڈر اس کے دل سے نکل جائے گا اور جس کے دل میں خالق کا ڈر نہ ہو وہ مخلوق سے ڈرتا ہے، اِس سے بھی ڈرے گا، اُس سے بھی ڈرے گا۔

آج آپ حضرات سے مطالبہ میدان جنگ میں جانے اور سر کٹانے کا نہیں، بلکہ اس سے بہت ہلکا مطالبہ ہے، وہ یہ کہ وقت نکالیں، ایک بستی سے دوسری بستی میں جائیں، چلّے کا موقع ہو تو وہ گزاریں، پانچ سات روز کا موقع ہو وہ گزاریں، اپنی اپنی حیثیت کے مطابق جس کو جتنا موقع ہو وہ گزارے، مطالبہ تو زیادہ سخت نہیں ہے، کچھ زیادہ مشکل نہیں، کوئی پریشانی کا باعث نہیں، یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہم جائیں گے تو ہماری دوکان کو کون سنبھالے گا؟ گھر کو کون سنبھالے گا؟ ارے! وہ سنبھالے گا جس نے گھر دیا ہے، جس نے یہ دوکان دی ہے، بچوں کو وہ سنبھالے گا جس نے یہ بچے عطا فرمائے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور اپنے گھروں سے بالکل مطمئن تھے، جب دیکھا کہ جہاد کا موقع نہیں ہے، جہاد اس وقت نہیں ہو رہا ہے، ہم نے سوچا کہ اپنے گھر اپنے اہل وعیال کے پاس چلے جائیں، تاکہ ان کی خبر گیری وحفاظت کریں، اس سے اگلے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واپس چلو۔ گھر پہنچنے سے پہلے پہلے معلوم ہوا کہ حملہ ہو گیا، جب تک فکر تھی دین کی، اس وقت تک اللہ نے گھر کی حفاظت کی اور جب اپنے بچوں کی خود فکر شروع کی تو دشمن نے حملہ کر دیا، اس لیے حفاظت کرنے والا تو اللہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص سفر کرے سفر کرنے سے پہلے گھر میں دو رکعت نماز پڑھے، تو اللہ تعالیٰ اس کے مال کی، جان کی حفاظت کرتا ہے، جہاں پہنچ کر ٹھہرے، پہلے وہاں دو رکعت نفل نماز پڑھے، اللہ تعالیٰ وہاں کی سب چیزوں سے حفاظت فرمائیں گے، آپ کو قفل (تالا) پر تو ایمان ہے، قفل لگا دیا، چابی جیب میں رکھ دی، لیکن دو رکعت نماز پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ قفل نہ لگائیں، قفل بھی لگائیں اور جو طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا، اس کو بھی اپنائیں، اصل محافظ حق تعالیٰ ہے، محافظ نہ قفل ہے، نہ کوئی اور ہے، اللہ چاہے تو حفاظت ہو اور نہ چاہے تو حفاظت نہ ہو، بس اللہ کی راہ میں جائیں۔

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں نہ جا سکیں وہ کم از کم جانے والوں کی اعانت کریں، پڑوس میں ایک شخص چلا گیا ہے چلّے میں، جو دوسرے پڑوسی ہیں آس پاس، وہ ان کی حفاظت کریں، ان کے گھر کی حفاظت کریں، پوچھ لیں، بھئی! کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے؟ وہ بھی ان شاء اللہ ان کے شریک ہیں، ان کو بھی اجر و ثواب ملے گا، اس طریقے پر ایک دوسرے کی نصرت کرتے ہوئے کام کرتے رہیں۔

افریقہ میں ایک جگہ تین ڈاکٹر ہیں، انہوں نے آپس میں طے کر رکھا ہے کہ چار مہینے یہ ڈاکٹر تبلیغ میں جائے گا، باقی دو ڈاکٹر کام کریں گے، جتنی آمدنی ہوگی اس کا ایک تہائی حصہ اس کے مکان پر پہنچا دیں گے جو گیا ہوا ہے، پھر چار مہینے کے لیے دوسرا جائے گا، اسی طرح ہوگا، کام بھی چل رہا ہے، ڈاکٹری بھی ہو رہی ہے، سب کی آمدنی بھی ہو رہی ہے، اللہ کے دین کی خدمت بھی ہو رہی ہے، اشاعت بھی ہو رہی ہے، کتنا اچھا طریقہ ہے؟!

اگر یہاں بھی اس قسم کا کوئی نظام بنالیا جائے، میں نہیں کہتا کہ ساری جماعت نظام بنالے، بلکہ جیسے جیسے جس حالات کے مناسب ہو اس طریقہ پر لیا جائے، تو ان شاء اللہ اس طرح گھر کا کاروبار بھی چلتا رہے گا اور دین کی خدمت بھی ہوتی رہے گی، دین بھی سیکھتے رہیں گے، اس سے اتنا بڑا فائدہ ہے کہ لندن میں تبلیغی جماعت میں ایک صاحب کی تقریر سنی، جو عالم نہیں تھے، انہوں نے تقریر میں تقریباً دو سو حدیثیں بیان کیں، الفاظ عربی کے بیان نہیں کیے، بلکہ کہا، ہم نے علماء سے سنا ہے کہ حدیث میں آتا ہے، ایسا آیا ہے، غور سے سنتا رہا، سب صحیح صحیح بیان کیا، کوئی غلط چیز بیان نہیں کی، حالاں کہ عالم نہیں، اس کے باوجود جب تعلیمی حلقہ ہوتا ہے، جب کتاب سنائی جاتی ہے اس کو غور سے سنتے ہیں اور سن سن کے یاد کرتے ہیں، یاد کر کے بیان کرتے ہیں۔

اور جو لوگ بہت ہی معذور ہیں، وہ کم از کم دوسری طرح کی اعانت تو کر سکتے ہیں کہ کسی جگہ لیٹنے بیٹھنے کی ضرورت ہے، کسی کے پاس بستر نہیں، کوئی شخص کمزور ہے، وضو کرنے کے لیے اس کو دور جانا پڑے گا، لوٹا پانی کا بھر کے دے دو، وضو کرنے لیے، اسی طرح جسمانی خدمت کر سکتا ہے، غرض کوئی بھی شخص اعانت کرے، دین کی خدمت سے بے نیاز نہ ہو، جس جس طریقے سے بھی ہو سکے خدمت کرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے، کہنے والے کو بھی، سننے والے کو بھی۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا ومولانا محمد وآله وأصحابه أجمعین، برحمتك یا أرحم الراحمین۔